سلسلۂ اشاعت مطبوعات جدیدہ (۱) مجلس اشاعت العلوم رجسٹرڈ واقع جامعہ نظامیہ حیدرآباد

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

رسالہ مشتمل بذکر میلاد و فضائل آداب

حضرت سرور عالم سید العرب والعجم باعث ایجاد کونین رسول الثقلین

سیدنا و مولانا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ

مسمّٰی بہ

انوار احمدی

(تالیف)

انوار العلوم شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا حاجی حافظ محمد انوار اللہ نور اللہ مرقدہ

(المخاطب)

حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن بانی جامعہ نظامیہ

(ناشر)

مینار بک ڈپو چارکمان حیدرآباد فون نمبر ۷۴،۱۲۶

قیمت :- دس روپیہ

مطبوعہ :- کاروان فائن آرٹ پرنٹنگ پریس مچھلی کمان

بار اول ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار (۱۰۰۰)
بار دوم ۱۳۳۳ھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار (۱۰۰۰)
بار سوم ۱۳۹۷ھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار (۱۰۰۰)
نام کاتب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سید تاج الدین کلیانوی
نام مطبع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاروان فائن آرٹ پرنٹنگ پریس مچھلی کمان حیدرآباد

(ملنے کا پتہ)

مینار بک ڈپو چار کمان حیدرآباد

فون نمبر ۷۱۳۶ ۷

فہرست مضامین کتاب انوار احمدی

نوٹ:- اصل کتاب جس سے اس نسخہ کی طباعت ہوئی ہے اس میں صفحہ ۸ تک عنوانات درج ہیں اور صفحہ ۹۰ سے صفحہ ۳۳۶ تک کسی قسم کے عنوانات نہ ہونے سے زیر بحث کتاب میں یہ عنوانات نہیں لکھے گئے۔ البتہ ترتیب فہرست مضامین کے وقت عنوانات اور ان کا صفحہ نمبر فہرست میں درج کیا گیا ہے

پیش لفظ

الحمد للہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علی النبی الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہ الطاہرین و اصحابہ الاکرمین

امّا بعد تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس کے مقصد تخلیق کی تکمیل کیلئے خالق کائنات کی جانب سے
رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا
گیا آپ کے مرتبۂ بلند و درجۂ عالیہ کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن مجید میں نہایت تاکید کے ساتھ امت
کو آپ کے آداب، احترام اور آپ کی توقیر و تعظیم کو پوری پوری طرح ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا
ارشاد ہوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے
گفتگو کے وقت خبردار اپنی آواز کو بلند مت کرو۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ تنبیہ کی گئی کہ
اگر آواز کو بلند کیا جائیگا تو تمام اعمال ضائع کردیئے جائیں گے۔ اور یہ کہ آپ کے قیام گاہ پر حاضر ہو کر
تو باہر سے آپ کو آواز دینے کی بجائے خود آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرو۔ آپ کی
بارگاہ میں اپنا کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ جو فیصلہ فرمائیں اسے بلا کسی تنگی و قلب کے
قبول کرو۔ اور اس کو قبول نہ کرنا ایمان کے منافی ہونے کی علامت ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ
تھا کہ بعض جلیل القدر صحابہ کرام گفتگو اس قدر پست آواز میں کرتے کہ دوبارہ پوچھنے
کی نوبت آتی اور جب آپ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تو اس قدر آداب و احترام
اور سکوت و خاموشی کے ساتھ باادب بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا
ہوا ہے کہ ذری سی حرکت سے اڑ جائے۔ یہ حال تو اللہ کے نیک اور مخلص بندوں
کا تھا مگر وہ مسلمان جن کے دلوں میں کفر پوشیدہ تھا وہ موقعہ بموقعہ کچھ نہ کچھ گستاخی
کا اظہار کرتے چنانچہ ایک دفعہ انہی کا ایک شخص مال غنیمت کی تقسیم کے موقعہ پر اعدل
یا محمد کا نعرہ لگایا یعنی "اے محمد انصاف کرو" یہ سنکر حضور کا چہرہ مبارک سرخ
ہوگیا اور فرمایا کہ ان لم اعدل فمن یعدل یعنی اگر میں عدل و انصاف نہ

نہ کام ہوں تو کون ہے جو انصاف کرے گا ۔ فاروق اعظم کو یہ گستاخانہ جملہ انتہائی
ناگوار ہوا کہ حضور کا پاس ادب نہ ہوتا تو اسی وقت اس کی گردن اڑا دیتے لیکن
انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی فرمایا۔
اس قبیلہ کا ایک گروہ ہے جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گذار ہیں کہ ان کی
عبادتوں کو تم دیکھو گے تو اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے ۔ حضور نے ایک موقع پر فرمایا کہ
اس گروہ کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا ۔ کلما قطع طلع ۔ یعنی جب یہ سینگ نکالیں گے
کاٹی جائیں گی گویا کہ پھر یہ نکلے گی نمودار ہوگی چنانچہ یہ سلسلہ اس وقت سے برابر جاری
ہے ۔ اہل حق ان کے مقابل ہمیشہ کمربستہ رہے ہیں ۔ "انوار احمدی" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی
ہے ۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے اشعار پسند تھے فرمائش کر کے سماعت
فرماتے تھے اور مخالفین کی تردید کیلئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر پر
بٹھایا جاتا اور دعا فرماتے کہ اے اللہ حسان کی روح القدس سے تائید فرما ۔ اس کے بعد وہ
مخالفین کے ہجو کے دندان شکن جواب دیتے جو ان پر تیر سے زیادہ تکلیف دہ ثابت
ہوتے تھے اسی لئے حقائق آگاہ عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ نے مدینہ طیبہ کے دوران قیام
میں حضور کے اخلاق حسنہ اور آپ کے ادب واحترام سے متعلق صحابہ کرام کے طریقہ عمل کو نظم میں
منضبط فرما کر پھر ان کی بحوالہ احادیث توضیح وتشریح فرمائی حضرت ممدوح کے مرشد مرشد العالم قدس سرہ
حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر بہت محظوظ ومسرور ہوئے اور خود اس کا نام
انوار احمدی تجویز فرمایا ۔ بلاشبہ اس میں انوار رسالت پوری آب وتاب کے ساتھ نمایاں ہے
جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی اور عشق ومحبت میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے ۔ اور یہ اچھی طرح
واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضور کے آداب واحترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند
کرتے ہیں اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشگوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلیگی
کاٹی جائیگی ۔ پھر وہ نکلے گی ۔ محافظ حقیقی عالم اہل اسلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھے ۔

آمین والحمد للہ رب العالمین

محمد عبد الحمید عفی اللہ عنہ شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ○

تمہید مصنف

امابعد:۔ بندہ بے بضاعت محمد انوار اللہ ابن مولانا ومرشدنا مولوی حافظ ابی محمد شجاع الدین صاحب[1] قندھاری[2] دکنی محبان بارگاہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ:۔ جس زمانے میں کہ آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد "مدینہ طیبہ" زادہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی[3] وہاں چندروز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس وتدریس وغیرہ کا متعلق نہ رہا چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف وفضائل ومعجزات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتب احادیث وسیرت سے منتخب کرکے منظوم

---

[1] یہ ١٢٢٥ھ میں پیدا ہوئے مولانا غلام جیلانی اور مولانا کرامت علی صاحب تلمیذ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے اور علوم باطنی میں اپنے نانا حضرت شاہ رفیع الدین صاحب خلیفہ شاہ رحمت اللہ نائب رسول اور حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی کے خلفاء سے تھے حضرت شاہ سعد اللہ خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی آپکے پیر صحبت تھے ١٢٦٣ھ میں "دھارور" پر منصف تھے بڑے صاحب علم وفضل بزرگ تھے ١٢٨٨ھ میں وفات پائے درگاہ حضرت شاہ شجاع الدین برہان پوری کے مقبرے میں مدفون ہوئے "رحمت رب بروح اطہر باد" (١٢٨٨ھ) تاریخ وفات ہے (مطلع الانوار)

[2] یہ تعلقہ حیدرآباد سے شمال مغرب کی جانب ایک سو ساٹھ میل ہے "پانڈو" خاندان کے راجہ نے اسی کو بسایا "گندھاری" کے نام سے تھا بعد میں یہ قندھار سے موسوم ہوا۔ اسلامی دور میں یہ تعلقہ بڑے بڑے صاحبان کمال کا مرکز رہا اس تعلقہ سے ملکی زبان مرہٹی کے علاوہ عربی وفارسی اور اردو کے صدہا علماء ادیب شعراء پیدا ہوئے (تذکرہ شعرائے قندھار)

[3] ١٣٠٥ھ میں حضرت مدینہ طیبہ میں رہنے کی نیت سے مقیم ہو گئے۔ اسی سفر میں حضرت کی ہمشیرہ اور صاحبزادے بھی تھے جن کا اب انتقال ہوا اور حضرت نے قیام ہی کا ارادہ فرمایا۔ مگر مشیت کو منظور نہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں ملے اور با جازت حضرت شیخ الوقت یہ آپ حیدرآباد ہوئے آصف جاہ سادس کی تعلیم آپ سے متعلق ہوئی اسی زمانہ میں کنز العمال علی متقی چھپائی، جواہر النقی احادیث قدسیہ کی نقل فرمائی اور اسی زمانے میں انوار احمدی کو بھی مرتب فرمایا۔

کئے جائیں ہر چند فن شاعری میں نہ کسی سے تلمذ ہے نہ مہارت نہ اہل ہند کے محاورات سے واقفیت مگر صرف اس لحاظ سے کہ یہ خدمت غالباً مناسب مقام ہے اور تعجب نہیں کہ اہل اسلام کو اس سے کچھ فائدہ بھی حاصل ہو چند اشعار لکھے اور ہنوز مقصود تک پہنچا نہ تھا کہ ان اشعار کی کرنے کا خیال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جب تک ماخذ ان مضامین کا بیان نہ کیا جائے قابل اعتماد نہ سمجھے جائیں گے چنانچہ اسی مدت حضوری میں چند اشعار کی شرح لکھی گئی تھی پھر یہ حرماں نصیب ہجرت صوری میں مبتلا ہوا جب مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً میں حاضر ہوا اور ان اجزا کی تالیف کا ذکر پیشگاہ اقدس قدوۃ المحققین ہادی منازل تحقیق مرشدنا مولانا حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز میں آیا ارشاد ہوا کہ: "اول سے آخر تک سنیں گے" چنانچہ کمال شوق سے وہ تمام اجزا حضرت نے سماعت فرمائے۔

چونکہ بزرگان دین کو ذکر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل دلچسپی اور نسبت عشقیہ ہوتی ہے حضرت ممدوح اکثر مضامین پر نہایت محظوظ ہوتے تھے غرض پوری کتاب کو سماعت فرمانے کے بعد اس کا نام "انوار احمدی" تجویز فرما کر اپنی خوشنودی کے اظہار سے اسکو مسجل فرمایا چنانچہ تبرکاً تحریرات درج ذیل ہیں۔

وہ اجزا اب تک یوں رکھے ہوئے تھے اور مشاغل ضروریہ سے اس قدر فرصت نہ ملی کہ ان کی طباعت ہو سکے ان دنوں بعض اصحاب خیر خواہ قوم و ملت نے اس بات پر زور دیا کہ جس قدر شرح لکھی جا چکی ہے وہ ہی طبع کرا دی جائے چونکہ حضرت ممدوح کا ارشاد بھی اس کے چھپوانے کیلئے تھا اس لئے امتثالاً للامر اس کتاب کے طبع کا ارادہ کیا گیا اور چند قصائد و غزلیات بھی اس کے ساتھ ملحق کر دیے گئے اگرچہ وہ اس قابل نہیں کہ اہل کمال کے روبرو پیش کئے جائیں مگر چونکہ اسی زمانہ حضوری میں عرض کئے گئے تھے اس لئے خالی از مناسبت نہیں

(شیخ الاسلام) محمد انوار اللہ عفی عنہ

انوار احمدی کے سلسلے میں

حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی شاہ امداد اللہ قدس سرہٗ کی رائے

(۱)

بعد الحمد و الصلوٰۃ۔ ان دنوں میں ایک عجیب و غریب کتاب لاجواب مسمّٰی "بانوار احمدی" مصنفہ حضرت علّامہ زماں و فرید دوراں عالم باعمل و فاضل بے بدل جامع علوم ظاہری و باطنی عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ کی اول سے آخر تک بغور سنی تو اس کتاب کے ہر ہر مسئلہ کی تحقیق محققانہ حقانی میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مصنف کے علم اور عمل اور عمر میں برکت دے اور ثمار عرفانی اور دولت قربت ربانی سے مشرف فرما کر مراتب عالیہ کو پہونچا دے اور اس کتاب کو مقبول کرے تا طالبانِ حق اس سے مستفید ہوتے رہیں۔

آمین یا رب العٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

فقیر حقیر

امداد اللہ حنفی چشتی عفی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۲)

الحمد للہ الذی جعلنا مصداق من اراد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین والصلوٰۃ والسلام علی من بشرنا بمقبولیتہ اتفاق العالمین وعلی آلہ واصحابہ الطاہرین المطہرین والائمۃ المجتہدین المطاعین

اما بعد فیقول الفقیر امداد اللہ الحنفی مذہبا والچشتی مشربا والتھانوی مثوی المکی موطنا جعلہ اللہ المدینۃ المنورۃ مدفنا انی سمعت ھذا الکتاب من اولہ الی آخر بحث الاداب ووجدتہ موافقا للسنۃ السنیۃ فسمیتہ "بالانوار الاحمدیۃ" وانما ھذا مذھبی وعلیہ مدار مشربی یقبلہ المقبولین ویجعلہ ذخیرۃ لیوم الدین آمین وبارک اللہ فی علم المصنف القمقام وشرفہ بنعمۃ حسن الختام آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین ؎

جاء بالنور فوقہ نور ÷ المصنف کاسمہ انوار

ارجوان تنفع دلائلہ ÷ مطمئن القلوب بالاذکار

(حضرت مولانا) فقیر امداد اللہ چشتی

۱۲۷۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(۔۔)

حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد انوار اللہ رحمۃ اللہ نے ۱۳۳۱ھ م ۱۹۱۲ء میں مجلس اشاعۃ العلوم کو قائم فرمایا اس مجلس نے اب تک مختلف علوم و فنون پر عربی، فارسی، اردو اور تلگو میں (۹۶) کتابیں شائع کیا ہے ان میں ایک اہم سلسلہ مقاصد الاسلام حقیقۃ الفقہ، افادۃ الافہام فی رد قادیانی کتاب العقل اور انوار احمدی کا ہے جو بہت مقبول ہے۔ موخر الذکر کتاب انوار احمدی جس کی ترتیب مدینہ منورہ میں ہوئی ہے اور اب تک کئی ایڈیشن طبع ہونیکے بعد بھی اہل ذوق کا اصرار ہے کہ اس کتاب کو پھر ایک بار شایع کیا جائے لیکن مجلس کے ہاں گنجائش نہ ہونے سے ایک عرصہ سے اس کتاب کی اشاعت ملتوی تھی مگر مولوی الحاج محمد امیر علی صاحب ابن مولوی محمد محبوب علی صاحب کوہیری المتوفی ۵ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ مالک مینار بکڈپو چارکمان حیدرآباد جو ایک صاحب خیر بزرگ ہیں اور جن کے خدمات ملت اسلامیہ کے رفاہ عام کاموں میں شریک ہیں موصوف کی اعانت سے انوار احمدی کی اشاعت عمل میں آئی ہے جس کی وجہ سے کتاب مذکور کے پڑھنے والوں کے ایمان و اخلاق میں جلا اور روشنی پیدا ہوگی۔ اور اس کا اجر جناب حاجی صاحب کو تادیر ملتا رہے گا۔ توقع ہے کہ موصوف کے تعاون سے حضرت شیخ الاسلام کے تالیفات کے وہ حصے جن کے اشاعت کی اسوقت شدید ضرورت ہے ان کی دوبارہ طباعت ہوگی۔

زیر بحث کتاب حضرت شیخ الاسلام کی تصنیف ہے جس کی ترتیب میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی توجہات کا خاص حصہ رہا ہے اس لئے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ شیخ المشائخ اور شیخ الاسلام رحمہما اللہ کے مختصر حالات سے قارئین "انوار احمدی" کو باخبر رکھا جائے۔ کیونکہ ان ہر دو بزرگوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہونیکا شرف حاصل ہے۔

اس امر کا اظہار نامناسب نہیں ہے کہ کتاب زیر بحث کی اشاعت اور مجلس اشاعۃ العلوم

کی تنظیم جدید میں مولوی محمود عبدالقدیر صاحب (موظف سشن جج) مولانا محمد حمید الحمید صاحب شیخ الجامعہ نظامیہ مولوی سید حنیف علی صاحب ایڈوکیٹ، ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب استاد جامعہ عثمانیہ اور محمد عبدالرشید خاں صاحب معتمد جامعہ نظامیہ کے علاوہ حضرت بانئ جامعہ کے برادر زادہ مولوی قاضی ابو محمد سراج الدین صاحب حسینی مد ظلہ العالی کے خاص مساعی رہے ہیں جن کی وجہ سے اس مجلس کی جدید تنظیم عمل میں آئی اور اب یہ مجلس ایک منظم نظام کے تحت اپنے علمی کاروبار کو جاری رکھنے کی سعی کر رہی ہے پچاس روپیہ سے ایک ہزار تک ممبری کی فیس رکھی گئی ہے اور ان ہی ممبروں کے تعاون سے مجلس اشاعت العلوم کے جملہ انتظام متعلق رکھا گیا ہے ایسی صورت میں ملک کے علم دوست صاحبان خیر دامے درمے سخنے ملک کی قدیم مجلس کا تعاون فرما سکتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ علوم و فنون کے تحقیقی مقالوں عربی، فارسی، اردو وغیرہ کی اشاعت عمل میں آسکے۔ اس سلسلے میں اس امر کا اظہار بھی مناسب ہے کہ جو اصحاب مجلس کی اعانت فرماتے ہیں اس کے معاوضہ میں مجلس کی جانب سے کچھ نہ کچھ جدید کتابیں پیش کی جاتی ہیں۔

توقع ہے کہ ملک کے اہل خیر اصحاب اس جانب متوجہ ہوں گے۔

آخر میں میں اپنے ایک عزیز مہربان مولوی الحاج خواجہ شریف صاحب مولوی کامل استاد جامعہ نظامیہ و شریک معتمد مجلس کا شکر گذار ہوں کہ موصوف کے مخلصانہ مساعی اور جانفشانی سے مجلس کے دوبارہ احیا اور زیر ذکر کتاب کی اشاعت عمل میں آئی فقط

خادم العلم
شاہ ابو الخیر کنج نشین
معتمد مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد

المرقوم ۲ محرم ۱۳۹۷ھ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ
يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ ط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صالحین کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے

شکر حق اس نظم میں ہیں وہ مضامیں لپذیر — جن سے اترے رحمت اور ہووے دل اعدا پہ تیر
چونکہ منصوصات سے ہیں وہ تمامی مستنیر — اہل ایماں ان لینگے اونکو دل سے ناگزیر

گرچہ ہیں اشعار یہ پر شاعری آئیں نہیں
ترجمہ منقول کا ہے خود سری اس میں نہیں

قولہ جن سے اترے رحمت :- امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ جب عموماً صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہو تو قیاس کرنا چاہیئے کہ سید الصلحا والانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے وقت کسقدر جوش رحمت ہوتا ہوگا۔ **قولہ ہووے دل اعدا پہ تیر :-**

کما فی روایۃ الترمذی فی شمائل النبوۃ وکذا فی سننہ والنسائی والبزار کلھم من حدیث عبد الرزاق عن جعفر بن سلیمان عن ثابت عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ فی عمرۃ القضاء وابن رواحۃ یمشی بین یدیہ وھو یقول

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ — الیوم نضربکم علی تنزیلہ
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ — ویذھل الخلیل عن خلیلہ

اشعار حسنہ کہنے کی اجازت اور داد تحسین — فقال عمر یا ابن رواحۃ بین یدی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وفی حرم اللہ تقول شعرا فقال لہ صلی اللہ علیہ وسلم خل عنہ یا عمر فلھی فیھم اسرع من نضح النبل کذا فی المواہب للدنیہ وشرحہ للزرقانی۔ یعنے مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں بھی یہ روایت آئی ہے کہ:۔ انس سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں داخل ہوے اس وقت کی یہ حالت تھی کہ حضرت کے آگے آگے ابن رواحہ یہ اشعار پڑہتے جاتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے اولاد کفار حضرت کے راستہ سے ہٹ جاؤ ہم تمکو حضرت کی کتاب کے حکم پر وہ مار ماریں گے کہ سروں کو گردنوں سے جدا کردے اور دوست کو دوست سے بھلادے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اے ابن رواحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور حرم میں تم اشعار پڑہتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اے عمر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ ان کے اشعار کفار کے دلوں میں تیر سے جلد تر سرایت کرتے ہیں۔

نعتیہ اشعار کہنا جہاد لسانی ہے

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ اس قسم کے اشعار کہنا جہاد لسانی ہے۔ کما فی المشکوٰۃ عن کعب بن مالک انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قد انزل فی الشعر ما انزل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المومن یجاھد بسیفہ ولسانہ والذی نفسی بیدہ لکانما ترمونھم بہ نضح النبل رواہ فی شرح السنہ وفی الاستیعاب لابن عبد البر انہ قال یا رسول اللہ ماذا تری فی الشعر فقال ان المومن یجاھد بسیفہ ولسانہ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے۔ کعب ابن مالک نے عرض کیا کہ۔ یا رسول اللہ حق تعالیٰ نے شعر کی برائی میں آیۃ شریفہ نازل کی یعنی الشعراء یتبعھم الغاون مقصود یہ کہ اب شعر کہنا درست نہوگا فرمایا کہ:۔ ایمان والے تلوار سے اور زبان سے جہاد کرتے ہیں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کفار کے مقابلہ میں تمہارا

شعر پڑھنا مثل تیر اندازی کے ہے۔

ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ شعر کے باب میں کیا حکم ہے۔ فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشک مومن اپنی تلوار اور زبان سے جہاد کرتا ہے۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور اُن مخالفین کے جوابات میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرتے ہوں اشعار کا لکھنا جہاد لسانی ہے جو تیر کا کام کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس کتاب میں التزام اس امر کا کیا گیا ہے کہ حتی الامکان احادیث و آثار کا مضمون لکھا جائے مگر کہیں کہیں بطور نکات کے اور مضامین بھی جو منقول ہی سے مستفاد ہیں بڑھائے گئے۔

عدم انحصار احادیث صحیحہ در صحاح

باقی رہی یہ بات کہ سوائے صحاح ستہ کے اور کتب حدیث سے بھی احادیث اس میں نقل کئے گئے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہے کہ کل احادیث صحاح ستہ میں موجود و منحصر نہیں ہیں چنانچہ شیخ ابو الفیض محمد بن علی الفارسی رحمۃ اللہ نے جواہر الاصول میں لکھا ہے کہ صحیحین یعنے بخاری اور مسلم میں بلا تکرار کل چار ہزار حدیثیں ہیں اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ ابو داؤد میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں ہیں۔ اس میں اکثر مکررات بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جو صحیحین میں موجود ہیں علیٰ ہذا القیاس باقی کتب صحاح میں اکثر وہ حدیثیں ہیں جو ان تینوں کتابوں میں موجود ہیں بہر حال اگر شمار کیا جاوے تو کل صحاح ستہ میں بس بارہ ہزار حدیثوں سے زاید نہ نکلیں گے حالانکہ قسطلانی نے شرح بخاری میں امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ لاکھ حدیثیں صحیح مجھے یاد ہیں۔ امام سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے ذکر ابو محمد السرخسی راوی الصحیح ومن تبعہ ان الذی لم یخرجہ البخاری من الصحیح اکثر مما اخرجہ۔ اور جواہر الاصول میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ساڑھے سات لاکھ سے زیادہ حدیثیں صحیح ہیں۔ اب دیکھئے کہ اگر صحاح ستہ ہی پر صحیح حدیثوں کا

مدار کہا جائے تو لاکھوں حدیثیں صحیح بیکار ہوئی جاتی ہیں اور تصنیف ان کتابوں کی لغو ٹھیر جاتی ہے حالانکہ ایسے محدثین جن کا حال اظہر من الشمس ہے بے فائدہ کام کے مرتکب نہیں ہوسکتے اور اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثل ابن حجر عسقلانی وغیرہ ہزارہا مواقع میں سوائے صحاح ستہ کے دوسرے کتب حدیث سے برابر استدلال کیا کرتے ہیں پھر ہر بات پر صحاح ستہ کی حدیث کا طلب کرنا تکلیف مالا یطاق ہے بلکہ یہ الزام درحقیقت امام بخاریؒ وغیرہ اکابر محدثین پر عائد ہوگا باوجودیکہ وہ لاکھوں حدیثیں صحیح یاد رکھتے تھے کیوں جمع نہ کیں اور ہم یہ گمان کبھی نہیں کرسکتے کہ ان حضرات نے بخل کیا ہے بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر محدث کو تالیف کے وقت ایک مقصود خاص پیش نظر رہا ہے جسکی تکمیل کی اونھوں نے فکر کی اور یہ مقصود کسی کے پیش نظر نہ رہا کہ انحصار جمیع احادیث صحیحہ کا کیا جاوے ورنہ یہ دعویٰ کرتے کہ اپنی تصنیف کے سوا کل حدیثیں موضوع یا ضعیف ہیں حالانکہ امام بخاریؒ و امام احمد بن حنبل کی تقریر سے ابھی معلوم ہوچکا۔ کہ لاکھوں صحیح حدیثوں کے وجود کا انہوں نے اعتراف کیا ہے۔

لکھا اس کو نظم میں ہر چند میں شاعر نہیں
کیونکہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہ دیں

تھی یہی الہام جو حسان کے تھے روح الامین
فیض جاری ہے نعمت رحمۃ للعالمین

ذکر ختم المرسلیں اس نظم سے مقصود ہے
جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

قولہ خوش ہوتے تھے الخ چنانچہ اس خبر سے سرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشعار نعتیہ معلوم ہوتا ہے جو مواہب لدنیہ میں منقول ہے:۔ (فقام) اے کعب ابن زہیر صاحب قصیدۃ بانت سعاد (حتی جلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ فی یدہ) وفی روایۃ ابن ابی عاصم

فاسلم كعب وقدم المدينة (وكان صلى الله عليه وسلم لا يعرفه فقال
يا رسول الله ان كعب بن زهير قد جاء ليستامنك تائبا مسلما فهل انت
قابل منه ان انا جئتك به فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم قال
انا يا رسول الله كعب بن زهير قال ابن اسحق فحدثني عاصم ابن عمر بن
قتادة انه وثب عليه رجل من الانصار فقال يا رسول الله دعني
وعدو الله اضرب عنقه فقال صلى الله عليه وسلم دعه عنك فقد جاء
تائبا نازعا قال فغضب كعب على هذا الحي من الانصار لما صنع به
صاحبهم وذلك انه لم يتكلم فيه رجل من المهاجرين الا بخير
ثم قال قصيدته اللامية التي اولها بانت سعاد فقلبي اليوم متبول
متيم اثرها لم يفد مكبول ؛ وفيها ؛ انبئت ان رسول الله اوعدني ؛
والعفو عند رسول الله مامول ؛ الخ (وفي رواية ابي بكر ابن الانباري
وابن قانع) انه لما وصل الى قوله ان الرسول لنور يستضاء به . مهند من
سيوف الله مسلول - رمى عليه الصلوٰة والسلام اليه بردة كانت عليه
وان معاوية بذل فيها عشرة الاف فقال ما كنت لاوثر بثوب
رسول الله صلى الله عليه وسلم احدا فلما مات كعب بعث معاوية الى
ورثته بعشرين الفا فاخذها منهم قال وهي البردة التي عند السلاطين اليوم
كذا في المواهب اللدنية وشرحه للزرقاني - وقال الشيخ ابو الشيخ
ابو محمد جمال الدين عبد الله بن هشام الانصاري في شرح قصيدة بانت
سعاد وكان من خبر قول كعب رضي الله عنه هذه القصيدة فيما روى محمد
بن اسحق وعبد الملك بن هشام وابو بكر محمد ابن القاسم بن بشار الانباري و
ابو البركات عبد الرحمن بن محمد بن ابي سعيد الانباري دخل حديث بعضهم

فی حدیث بعض ان کعباً الحدیث وذکر الزرقانی انه روی الاکبر ان کعباً انشده من سیوف الهند فقال صلی اللہ علیہ وسلم من سیوف اللہ

ترجمہ مواہب لدنیہ میں قصہ کعب بن زہیر کے آنے کا پورا پورا ذکر کیا ہے مگر یہاں مختصر لکھا جاتا ہے کہ:۔ (کعب بن زہیر جو بھاگے ہوئے تھے مسلمان ہوکر مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہوکر اس غرض سے آیا ہے کہ امن پائے اگر میں اوس کو حاضر خدمت کروں تو کیا آپ اس کی عرض قبول فرمائیں گے۔ ارشاد ہوا ہاں عرض کی کہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں یا رسول اللہ یہ سنتے ہی ایک شخص انصاری کھڑے ہوگئے اور عرض کی یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن ماروں حضرت نے فرمایا نہیں چھوڑ دو توبہ کرکے اشتیاق میں آیا ہے چونکہ مہاجرین سے کسی نے سوائے خیر کے ان کے باب میں کچھ نہ کہا تھا انصاری کی اس حرکت سے وہ برہم ہوئے (اسی سبب سے قصیدہ میں انصار پر کسی قسم کی تعریض بھی کی ہے) پھر قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا اول "بانت سعاد" ہے یعنے معشوقہ کی جدائی سے دل میرا بیمار ہے اور ذلیل اور غلام بنا ہوا اس کے ساتھ ساتھ ہے جو فدیہ دیکر چھوٹ نہ سکا بلکہ پابہ زنجیر ہے کہ اس کے قید خیال سے نہیں نکل سکتا اور اس میں یہ بھی ہے کہ خبر پائی میں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں وعید وتخویف کی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عفو کی امید ہے روایت ہے کہ جب وہ اس شعر پر پہونچے "ان الرسول لنور" یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس سے روشنی لیجاتی ہے اور شمشیر ہند برہنہ ہیں اللہ کے شمشیروں سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کے طرف اپنی چادر مبارک پھینکی جو جسم شریف پر تھی پھر معاویہؓ نے اس چادر کو دس ہزار درہم دیکر لئے مگر

کعب رضی نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت کی چادر مبارک میں کسی کو نہ دوں گا پھر جب کعب رضی کا انتقال ہوا تو معاویہؓ نے بیس ہزار درہم ان کے ورثہ کے پاس بھیجے اور اُن سے وہ چادر لی۔ عاصم کہتے ہیں کہ یہ وہی چادر ہے جو سلاطین کے پاس آج تک چلی آتی ہے۔ اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ کعب رضی نے (من سیوف الہند) پڑھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح دی اور فرمایا (من سیوف اللہ کہو)

الحاصل اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اشعار نعتیہ سُن کر خوش ہوتے تھے چنانچہ چادر مبارک عطا کرنا اس پر دلیل ہے۔

جواز ذکر معشوقہ در اشعار نعتیہ

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس روایت سے کئی استدلال ہو سکتے ہیں (۱) اشعار نعتیہ بطور قصائد کے لکھنا جس میں تمہید و گریز وغیرہ ہو (۲) معشوقہ جمیلہ اجنبیہ کا ذکر اور اپنی شیفتگی کا حال بیان کرنا جس کا اتباع ابن فارض اور حافظ و جامی وغیرہ شعرائے کرام نے کیا ہے (۳) شعر کہنے والے کو از قسم لباس عطا کرنا جس کی تبعیت مشایخ کرام نے کی ہے۔ (۴) لباس کو متبرک سمجھنا باوجود دیکہ جزو بدن بھی نہیں (۵) حاصل کرنے میں تبرکات کے حاصل کرنے میں رغبت کرنا جس قدر روپیہ اس کے لئے صرف ہو اسراف نہ سمجھنا وغیرہ ذلک اور اسی طرح جب جعدی نے اشعار نعتیہ پڑھے حضرت نے ان کو دعا دی جس کا اثر ان کی عمر بھر رہا۔ چنانچہ مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی نے لکھا ہے کہ:۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم للنابغۃ الجعدی لما قال اسلم انشدہ من قصیدتہ المطولۃ نحو مائتی بیت ۔۔۔

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن لہ ÷ بوادر تحمی صفوہ ان یکدرا

ولا خیر فی علم اذا لم یکن لہ ÷ حلیم اذا ما اورد الامر صدرا

لا یفضض اللہ فاک ای لا یسقط اللہ اسنانک وتقدیرہ لا یسقط اللہ اسنان فیک فحذف المضاف قال) الراوی لھذا الحدیث عن النابغۃ (فاتی علیہ اکثر من مائۃ سنۃ وکان من احسن الناس ثغراً رواہ البیھقی وفی روایۃ ابن ابی اسامۃ وکان من احسن الناس ثغرا واذا سقط لہ سن نبت لہ اخری وکذا رواہ السلفی فی الاربعین البلدانیہ وعند ابن السکن فی الصحابۃ والدار قطنی فی المؤتلف والمختلف عن کرتم بن اسامۃ (فرائیت اسنان النابغۃ ابیض من البرو لدعوتہ و صلی اللہ علیہ وسلم) وعند الخطابی فی غریب الحدیث والمرھبی فی کتاب العلم وغیرھما من عبد اللہ بن جراد فرایت اسنان النابغۃ کالبرد المنھل ما انقضمت لہ سن ولا انفلت وحکی فی الاصابۃ الخلاف فی سنہ فروی الحاکم عن النصر بن شمیل عن المنتجع الاعرابی قال اکبر من بقیت النابغۃ الجعدی قلت لہ کم عشت فی الجاھلیۃ قال دارین قال النضر یعنے مائتی سنۃ وقال الاصمعی عاش مائتین وثلثین سنۃ وقال ابن قتیبہ مات باصبھان ولہ مائتان وعشرون سنۃ!

ترجمہ نابغہ جعدیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک طولانی قصیدہ پڑھا جس کے شعر قریب دوسو کے تھے جب وہ ان شعروں پر پہنچے جن کا ترجمہ یہ ہے (نہیں ہے علم میں کچھ خیر جب نہ ہو اس کے ساتھ حدت غضب جو بچائے اس کے صافی کو مکدر ہونے سے اور نہیں ہے علم میں کچھ خیر جب علم والا ایسا حلیم نہ ہو کہ کوئی امر پیش آئے تو اپنے کو جہلکوں سے روکے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر کو نہ توڑے یعنے تمہارے دانت نہ گریں اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔ راوی کہتے ہیں کہ باوجودیکہ سو برس سے

زیادہ ان کی عمر ہوئی مگر دانت ان کے سب اچھے تھے اور جب کوئی دانت
ان کا گرتا تو ان کی جگہ ایک دوسرا دانت نکل آتا گرزابن اسامہ کہتے ہیں کہ
میں نے نابغہ کے دانت دیکھے اوروں سے زیادہ سفید تھے یہ اثر انحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تھا۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ نابغہ کی عمر میں اختلاف ہے
حاکم نضر بن شمیل سے اور وہ منتجع اعرابی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے ملاقاتیوں
میں سب سے بڑی عمر والے نابغہ جعدی تھے میں نے ان سے پوچھا تھا کہ ایام جاہلیت
میں تمہاری عمر کتنی گذری تھی کہا دو دار نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ مراد اس سے دوسو
برس ہیں۔ اور اصمعی کہتے ہیں نابغہ دوسو تیس برس زندہ رہے اور ابن قتیبہ کہتے
ہیں کہ انتقال ان کا اصبہان میں ہوا اور اس وقت عمر اُن کی دوسو بیس برس کی تھی
خلاصہ یہ کہ جس مضمون پر حضرت نے خوش ہو کر دعا دی وہ ایک عام بات ہے
کہ حلم کو غضب اور عالم کو حلم ہونا چاہیئے لیکن چونکہ صحابہؓ پر یہ بات ظاہر تھی کہ
جیسے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علی وجہ الکمال یہ صفتیں ظہور میں آتی ہیں دوسروں
سے ظہور میں آہی نہیں سکتی ہیں اس لئے شاعر نے گو صراحتہ مصداق معین نہ کیا
لیکن مقصود اس سے توصیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی جس کو حسب قول
مشہور الکنایۃ افصح من الصراحۃ پیرایہ حکمت میں بیان کیا لیس الحاصل ان دونوں
شعروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ایسے طور پر ہوئی کہ گویا ان صفات
میں کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک نہیں۔ اور اسی طرح دعا دی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جب انھوں نے اشعار نعتیہ
پڑھنے کی اجازت چاہی چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے (ولما دخل قال العباس)
بن عبد المطلب کما رواہ الطبرانی وغیرہ اتاذن لی امتدحک قال قل لا
یفضض اللہ فاک فقال۔

من قبلها طبت فی الظلال وفی — مستودع حیث یخصف الورق
ثم ھبطت البلاد لا بشر — انت ولا مضغۃ ولا علق
بل نطفۃ ترکب السفین وقد — الجم نسرا واھلہ الغرق
دروت نار الخلیل مکتتما — فی صلبہ انت کیف یحترق
وانت لما ولدت اشرقت الا — رض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی النو — ر وسبل الرشاد نخترق
واضاء منک الوجود نور سنا — ء فاح مسکا ونشرک العبق

فی الخصائص الکبری اخرج الحاکم والطبرانی عن خریم ابن اوسؓ قال ھاجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصرفہ من تبوک فسمعت العباس یقول یا رسول اللہ اریدان امتدحک قال قل لا یفضض اللہ فاک فقال الخ۔

ترجمہ:۔ روایت کی ہے طبرانی وغیرہ نے کہ جب حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے عرض کی کیا مجھے اجازت ہے کہ مدح میں کچھ عرض کروں فرمایا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے یعنے منہ کی رونق نہ بگڑے پس انھوں نے ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے:۔ پہلے[۱] اس کے خوش تھے آپ سایوں میں اور اس ودیعت گاہ میں جہاں ملائے جاتے تھے پتے۔ یعنے آدم و حوا علیہما السلام کے جسم پر اس آیہ شریفہ کے طرف اشارہ ہے وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ [۲] پھر اترے آپ شہروں میں کہ نہ بشر تھے آپ اور نہ مضغہ بلکہ[۳] نطفہ تھے کہ سوار تھے کشتی میں اس حالت میں کہ لگام دی تھی غرق نے نسر کو (جو ایک بت تھا) اور اس کے پوجنے والوں کو یعنے جب طوفان کا پانی ان کے منہ میں داخل ہوا تھا۔ آپ[۴]

خلیل علیہ السلام کی پشت میں مخفی ہو کر آ گئیں گئے پھر کیونکر وہ جل سکتے تھے۔
۵- اور آپ جب پیدا ہوئے روشن ہو گئی زمین اور روشن ہو گیا آپ کے نور سے افق۔ ۶- ہم اسی روشنی اور نور میں ہیں اور راستے ہدایت کے طے کیا کرتے ہیں۔ ۷- اور کل وجود آپ سے روشن ہو گیا اور مہک گیا جیسے مشک مہکتا ہے اور آپ کی خوشبو پائدار ہے۔

الحاصل ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشعار سے خوش ہوتے تھے قولہ اتی الیہم جبرئیل حسان کے تھے روح الامین۔ یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظم سے خوش ہوتے تھے اسی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید کیا کرتے تھے چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لحسان ان روح القدس لایزال یؤیدک ما نافحت عن اللہ ورسولہ وقالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ھجاھم حسان فشفی واشتفی رواہ مسلم

ترجمہ:- عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حسان رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ جبرئیل ہمیشہ تمہاری تائید کیا کرتے ہیں جب تک تم اللہ اور رسول کے طرف سے مقابلہ کرتے ہو اور فرمایا حسان نے کفار کی ہجو کی جس سے شفا دی مسلمانوں کو اور خود بھی شفا پائی یعنے سب کی تشفی ہوئی

الحاصل یہ مدد دینا روح الامین کا حسان ابن ثابت کو اسی وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار پسند تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسانؓ کیلیے مسجد شریف میں منبر رکھواتے تا کہ اس پر اشعار نعتیہ پڑھیں چنانچہ اس باب میں جو احادیث ہیں قریب نقل کی جائیں گی۔ کعب اور ابن رواحہ کو اگر یقین نہ ہوتا کہ

اشعار نعتیہ کے پڑھنے کو حضرت پسند فرماتے ہیں حضرت کے روبرو اور حرم کعبہ میں اشعار پڑھنے پر کبھی مبادرت نہ کرتے۔ اور علی ہذا القیاس کعب ابن مالکؓ نے جو اول حضوری میں قصیدہ پڑھا اس سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشعار نعتیہ کو پسند فرمانا مشہور و عام تھا ورنہ ایسی حالت خطرناک میں کہ صحابہؓ ان کے قتل کے درپے تھے جس کا حال ابھی معلوم ہوا کعبؓ کبھی جرات نہ کرسکتے چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ حضرت نے پسند فرمایا کہ صلہ عنایت ہوا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے تمام عالم کا وجود ہے

جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے۔ جاننا چاہیئے کہ تمام عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پیدا ہوا چنانچہ زرقانی نے نقل کی ہے۔ روی ابو الشیخ فی طبقات الاصفہانیین والحاکم عن ابن عباسؓ اوحی اللہ الی عیسیٰ آمن بمحمد ومر امتک ان یومنوا بہ فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنۃ ولا النار ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فسکن صححہ الحاکم واقرہ السبکی فی شفاء السقام والبلقینی فی فتاواہ ومثلہ لایقال رایًا فحکمہ الرفع وعند الدیلمی عن ابن عباسؓ رفعہ اتانی جبرئیل فقال ان اللہ یقول لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار وذکر ابن السبع والعزفی عن علیؓ ان اللہ قال لنبیہ من اجلک اسطح البطحا واموج الموج وارفع السماء واجعل الثواب والعقاب

ترجمہ:۔ وحی کی خدائے تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر کہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم کرو کہ وہ بھی ایمان لاویں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدمؑ کو پیدا کرتا اور نہ جنت دوزخ کو جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا

اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا جس سے وہ ساکن ہو گیا اور ابن سبع اور عزفی روایت کرتے ہیں علیؓ سے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ بسبب آپ کے میں نے زمین کو بچھایا اور موج کو متحرک کیا اور آسمان کو بلند کیا اور ثواب و عقاب مقرر کیا۔

اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ عالم اس لئے پیدا کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور مرتبہ دکھلایا جائے کما فی المواھب اللدنیہ وفی حدیث سلمان عند ابن عساکر قال ھبط جبرئیل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان ربک یقول ان کنت اتخذت ابراھیم خلیلا فقد اتخذتک حبیبا وما خلقت خلقا اکرم علی منک ولقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت الدنیا۔

ترجمہ :- سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا اور کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو اور یقین جانئے کہ میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا کہ ان کو بزرگی اور مرتبہ آپ کا معلوم کراؤں جو میرے نزدیک ہے اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش خلق سے مقصود یہ ہے کہ حضرت کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو پھر جب خدا تعالیٰ نے صرف اظہار فضیلت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضرور ہے کہ تمام عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت میں بدل و جان معروف ہو گا کیونکہ بادشاہ اگر کوئی عمدہ

اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس کی تعریف نہ کرے تو حمیت بادشاہی اسی کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی یاداش میں وہ سزائے سخت کا مستحق سمجھا جائے اور ایسا شخص سوائے متمرد و سرکش کے دوسرا نہ ہوگا اسی وجہ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مجھے سب اہلِ آسمان و زمین جانتے ہیں سوائے نافرمان جن و انس کے۔ جیسا کہ شفا اور اس کی شرح میں تفصیل ہے۔

یہ روایت ثعلبہ ابن مالک سے جسکو ابونعیم نے روایت کی ہے۔ اور جابر بن عبداللہ سے ہے جس کو احمد دارمی بزار اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ یعلی بن مرہ سے روایت ہے جس کو احمد حاکم بیہقی نے صحیح سند سے لکھا ہے اور عبداللہ بن جعفر نے روایت کی ہے جس کو مسلم ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ کان لایدخل احد الحائط الاشد علیه الجمل فلما دخل علیه النبی صلی اللہ علیه وسلم دعاہ فوضع مشفرہ علی الارض وبرک بین یدیه فخطمه وقال ما بین السماء والارض شئ الا یعلم انی رسول اللہ الا عاصی الجن والانس ومثله عن عبید اللہ بن ابی اوفی

ترجمہ:۔ کسی باغ میں ایک سرکش اونٹ تھا جس کی وجہ سے اس میں کوئی نہیں جا سکتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے اور اس کو بلایا فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھ گیا اور ہونٹ زمین پر رکھدیا حضرتؐ نے اس کو مہار لگادی اور فرمایا کہ سوائے نافرمان جن و انس کے زمین و آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اولاً و ابداً احمد و محمود ہیں

ہر چند کفار بظاہر مخالف تھے لیکن دل میں ضرور سمجھتے تھے کہ حضرت رسول خدا ہیں چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یعنے پہچانتے

ہیں کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں یعنے بغیر شبہ کے اس بات کو جانتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ اور متصف باوصاف کمالیہ ہیں دوسری جانب حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِیْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ یعنے ہم جانتے ہیں کہ غمگین کرتا ہے آپ کو وہ جو کفار کہتے ہیں وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لاکن وہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں روایت ہے (قال علی کرم اللہ وجہہ) کما رواہ الترمذی وصححہ الحاکم (قال ابو جہل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انا لانکذبك ولکن نکذب بما جئت بہ) کذا فی اشفاء شرحہ لعلی القاری

ترجمہ :- علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور کتب سیر وغیرہ سے ثابت ہے کہ نبوت کے پہلے سے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کہا کرتے اور سمجھتے تھے۔ پس آیہ شریفہ اور احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کفار گو ایمان نہ لائے اور تکذیب قرآن شریف کی کرتے رہے مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے معترف ہی رہے۔ اور سوائے کفار کے تمام موجودات کا کھنچا ہونا بھی حدیث شریف سے ابھی ثابت ہوا اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ مراد اس معرفت سے معرفت صفات ہے نہ معرفت ذات اور یہ بات معلوم ہے کہ معرفت صفات حمیدہ مستلزم مدح ہے اس سے ثابت ہوا کہ ازل سے تا ابد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ممدوح عالم ہیں۔ اور ابن عباس کی روایت مذکورسے اور دوسرے احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے نام مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنے (محمد رسول اللہ) عرش پر لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولاً وابداً احمد وحامد اور محمود ہیں۔

ملحوظ بودن معنی وصفی در وضع اکثر اعلام

کیونکہ ہر چند وضع علم ذات مخصوص پر دلالت کرنے کے لئے ہوتی ہے اور معنے وصفی مراد نہیں ہوتے مگر یہ بھی نہیں ہے کہ بالکل معنی وصفی متروک ہی ہو جائیں کیونکہ لفظ اپنے معنے موضوع لہ اول پر ہمیشہ دلالت کرتا رہے گا جب تک وہ لفظ یا اس کا مبدا اس معنے میں مستعمل رہے اسی وجہ سے کسی کا نام اللہ رکھنا درست نہیں یا اگر کسی کا نام شیطان رکھا جائے بیشک جب سنے گا رنجیدہ ہوگا پس اس سے معلوم ہوا کہ معنی وصفی متروک نہیں ہوتے بلکہ اکثر وضع بہ لحاظ معنی وصفی کے ہوا کرتی ہے پس جب حق تعالی نے حضرتؐ کا نام وضع فرمایا وقت وضع معنی وصفی مقصود تھے یعنے احمد کیا گیا پھر جب تک نام مبارک عرش پر اور حق تعالی کے پاس مسطور و مذکور ہے یعنے ازلاً و ابداً حضرتؐ کا ممدوح اور محمود ہونا مستمر ہے فثبت المقصود اگر کوئی اس مقام میں اشتبہ کرے کہ حدیث ابن عباسؓ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حق تعالے نے حضرتؐ کا مرتبہ تبلانے کے لئے عالم کو پیدا کیا اس سے لازم آتا ہے کہ افعال حق تعالی کے معلل بالاغراض ہوں حالانکہ یہ بات خلاف عقیدہ ہے سو جواب اس کا یہ ہے کہ معلل بالاغراض نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ خدائے تعالی کے کام فوائد و منافع سے خالی ہوں ورنہ بڑی قباحت لازم آے گی کہ نعوذ باللہ ہر ایک کام عبث ہو جائے حالانکہ حق تعالی اس کی نفی فرماتا ہے اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی کام میں حق تعالی کو غرض ایسی نہیں جو باعث استکمال ہو جیسے مخلوقات کو ہوا کرتی ہے کیونکہ استکمال بالغیر حق تعالی کے حق میں محال ہے۔ پس اس حدیث شریف کو ایسی سمجھنا چاہیئے جیسے آیہ شریفہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر تا کہ میری عبادت کریں اور ایک تفسیر یہ

(تاکہ پہچانیں مجھ کو) اب یہاں ایک دوسرا شبہ پیدا ہوا کہ اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوا کہ جن و انس کی تخلیق عبادت یا معرفت کے لئے ہے اور حدیث ابن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر واقف کرانے کے لئے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ضرور نہیں کہ ہر کام میں ایک ہی مقصود ہوا کرے ادنیٰ عقلمند کے ایک ایک کام میں کتنے اغراض ہوا کرتے ہیں چہ جائے کہ خدائے تعالیٰ کا کام اور وہ بھی اتنا بڑا جو آفرینش عالم ہے اس میں صرف ایک ہی مقصود رہنا کیا ضرور دیکھ لیجئے عناصر اربعہ سے کتنے کام لئے جاتے ہیں کہ اگر غور کیا جائے تو عقل حیران ہو جائے۔ کیا تخلیق کے وقت یہ سب اغراض و منافع پیش نظر نہ ہوں گے۔ پھر اگر آفرینش ثقلین سے دونوں مقصود ہوں تو کیا قباحت لازم آئے گی۔ بلکہ ثقلین اگر باحسن وجوہ عبادت کریں اور تقرب الٰہی انہیں حاصل ہو جائے تو حضرت کا مرتبہ باحسن وجوہ سمجھ لیں گے۔ ہاں جن و انس کی نسبت اتنا لازم آسکتا ہے کہ ایک قصد اولیٰ ہو اور ایک قصد ثانوی اور ممکن ہے دونوں اولیٰ ہوں۔ اگر کہا جائے کہ جب مقصود یہ تھا تو کفار نے پھر تصدیق کیوں نہ کی۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہی اعتراض بعض لوگ آیہ شریفہ پر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ تخلیق عبادت کے لئے ہے پھر کفار عبادت کیوں نہیں کرتے جو جواب اس کا دیا جاتا ہے وہی جواب یہاں بھی ہوگا۔ حالانکہ کفار کا حضرتؐ کو جاننا خود قرآن شریف سے ابھی ثابت ہو چکا۔ اگرچہ مناسب اس موقع کے اور احادیث و مباحث ہیں مگر بخوف تطویل اختصار کیا گیا۔

ڈھیر کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا
اور از قسم عبادت ہے جو ذکر انبیا
پھر ہو ذکر سرورِ عالم کا کیسا مرتبہ
جس کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا

رفع ذکرہٗ پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولاہ سے

عبادت وکفارہ گناہ بودن ذکر حضا | بیت قولہ ذکر کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا الخ حدیث شریف میں وارد ہے ::

عن معاذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذکر الانبیاء من العبادۃ و ذکر الصالحین کفارۃ و ذکر الموت صدقۃ و ذکر القبر یقربکم من الجنۃ... حدیث حسن لغیرہ کذا فی الجامع الصغیر و سراج المنیر ترجمہ روایت ہے معاذؓ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر نبیوں کا ایک قسم کی عبادت ہے اور ذکر صالحین کا یعنے اولیا اللہ کفارہ ہے گناہوں کا۔ اور ذکر موت کا صدقہ ہے۔ اور یاد کرنا قبر کا نزدیک کرتا ہے تم کو جنت سے الحاصل جب اولیاء اور سائر انبیا علیہم السلام کا ذکر عبادت اور کفارہ گناہ ہو تو سلطان الانبیاء و اولیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور کفارہ گناہوں کا ہوگا یقین ہے کہ اس ذکر پاک میں بجب خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسی خصوصیت ہوگی کہ دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔

بودن ذکر حضرت ذکر حق تعالیٰ | بیت جس کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا ....

کما فی الشفاء وروی ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کما فی صحیح ابن حبان ومسند ابی یعلی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی جبریل فقال لی ان ربی وربک یقول تدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ ورسولہ اعلم قال اذا ذُکِرتُ ذُکِرتَ معی قال ابن عطا جعلت تمام الایمان بذکری معک وقال ایضا جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی ترجمہ :: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبریل علیہ السلام نے میرے پاس آکر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جانتے ہو کہ آپ کا ذکر میں

کیسا بلند کیا ہے میں نے کہا اللہ اور رسول اس کا جانتا ہے کہا جس وقت
ذکر کیا جاتا ہوں میں ذکر کئے جاتے ہو آپ میرے ساتھ ابن عطا کہتے ہیں
کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا تمام و کمال اس بات پر مقرر کیا کہ
آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور آپ کا ذکر میرا ذکر ہے اور امام سیوطی
نے تفسیر در منثور میں لکھا ہے :- واخرج ابو یعلی وابن جریر وابن المنذر و
ابن ابی حاتم وابن حبان وابن مردویہ وابونعیم فی الدلائل عن ابی سعید
الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی جبریل فقال
ان ربک یقول تدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ ورسولہ اعلم قال
اذا ذکرت ذکرت معی ترجمہ :- یعنے تفسیر در منثور میں ہے کہ حدیث موصوف
اتنی کتابوں میں موجود ہے اور قسطلانی نے اس حدیث کو مقصد سادس
مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے مگر اس میں بجائے اللہ ورسولہ اعلم کے اللہ
اعلم ہے اور کہا کہ روایت کیا اس کو طبرانی نے اور ابن حبان نے اس کو صحیح
کہا ہے اور شارح زرقانی نے لکھا ہے کہ حدیث کی ضیائے مقدسی نے بھی
تصحیح کی ہے نکتہ عجب نہیں کہ (اذا ذکرت ذکرت معی) سے اشارہ ہو طرف
حقیقت محمدی علی صاحبہا الف الف صلوۃ کے جس کی تصریح حضرات صوفیہ
و اکابر اولیا فرماتے ہیں والعاقل تکفیہ الاشارہ اور اتنا تو صراحۃً بھی اس حدیث
شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ذکر کیا گیا میں ساتھ ہی
آپ بھی ذکر کئے گئے یعنی بلا تعین وقت والغیب عند اللہ!

قولہ..رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے وَرَفَعْنَا
لَكَ ذِكْرَكَ یعنے بلند کیا ہم نے ذکر آپ کا۔

اس سے کیا بڑھ کر ہو کہ حق تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا ذکر مقرر فرمایا چنانچہ ابی سعیدؓ خدری کی حدیث سے بھی معلو
ہوا اور رفعت ذکر ہی کی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ نام
مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں میں ہر جگہ اور عرش پر اور د
دیوار پر جنت کے بلکہ اس کے ہر ایک پتے پر اور سینوں پر حوروں کے اور فرشت
کے آنکھوں کے بیچ میں اور ہر پتے پر شجرہ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے اور خ
پر سلیمان علیہ السلام کے اور تختی پر اس خزانہ کے جس کا ذکر قرآن شریف میں
لکھا ہوا ہے چنانچہ قریب انشاء اللہ تعالیٰ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہیں
نقل کی جائیں گی۔

اطمینان قلب بذکر حضرات قولہ مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر سے مولاہ سے۔
سیوطیؒ نے درمنثور میں آیہ شریفہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ
الْقُلُوْبُ کی تفسیر میں نقل کیا ہے اخرج ابن ابی شیبہ و ابن جریر و ابن
المنذر و ابن ابی حاتم و ابوالشیخ عن مجاہد اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ
قال بمحمد و اصحابہ ترجمہ: یعنے مجاہد کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ آگاہ
رہو کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں، مراد اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
اور صحابہ کا ذکر ہے **فائدہ** مجاہدؒ نے بِذِکْرِ اللّٰہِ کی تفسیر میں بمحمد و اصحابہ جو کہا
ہے ہر چند بظاہر آیہ شریفہ کے مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایسے محدث جلیل القد
نے تفسیر کی ہے اس کو حسن ظن ماننا چاہیے کیونکہ ان حضرات کو جب تک کسی معنی
کا یقین نہیں ہوتا تفسیر بالرائے نہیں کرتے چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنی جامع کے ابوا
تفسیر قرآن میں اس کی تصریح کی ہے۔ کما قال و اما الذی روی عن مجاہد و
قتادۃ و غیرہما من اہل العلم انہم فسروا القرآن فلیس الظن بہم انہم
قالوا فی القرآن بغیر علم او من قبل انفسہم و قد روی عنہم ما یدل علی ما قلنا

انھم لم یقولوا من قبل انفسھم بغیر علم۔ اہل انصاف ضرور یہاں غور فرمائیں گے امام ترمذیؒ باوجود تجربہ علم و علوشان کے متقدمین کی نسبت کس درجہ کا حسن ظن رکھتے تھے کہ باوجودیکہ تفسیر قرآن کے لئے کمال درجہ کی احتیاط چاہیے تاہم اُن کی تفسیر مجرد کو یہ نہ کہا کہ ایسے اقوال بلا استدلال حدیث قابل اعتبار نہیں بلکہ حسن ظن ظاہر کیا کہ ان حضرات کو ضرور احادیث پہونچی ہوں گی گو ہمیں معلوم نہوں جب اس درجہ کے علماء ایسے مواقع احتیاط میں اقوال متقدمین کو صرف بحسن ظن مان لیں تو ہم لوگوں کو متقدمین کی نسبت کس قدر حسن ظن چاہیے کہ نہ ہمیں ویسا علم ہے نہ ویسا فہم افسوس ہے اُن لوگوں سے کہ جن کو عبارت پڑھنے کا بھی حوصلہ نہیں ائمہ مجتہدین پر اعتراض کرتے ہیں اور اگر بالفرض چند کتب حدیث پڑھ بھی لیں تو کیا کہیں امام ترمذی ہوسکتے ہیں حاشا و کلا۔ ترمذی وہ شخص ہیں کہ جن کی جلالت شان و تبحر علم و کمال قوت حافظہ پر ایک عالم گواہی دے رہا ہے سچ ہے عالی ظرفوں کی بات ہی کچھ اور ہوا کرتی ہے مثل مشہور ہے جیسا آدمی ویسی بات حضرت علیؓ فرماتے ہیں:—

دولۃ الارذال آفتہ الرجال۔

فضیلت نام مبارک و نجات ہمنام حضرتؐ

ذکر نام پاک سے نار جہنم سرد ہو	اور کبھی حضرت کا دوزخ میں نہ جاکے ہمنوا
بوالبشر نے کی وصیت وقت آخر شیث کو	کہ قرین ذکر حق ذکر محمد کیجیو

وحشت آدم کی گئی نام شہ لولاک سے

مرنے زندہ ہوگئے تاثیر نام پاک سے

قولہ:۔ ذکر نام پاک سے نار جہنم سرد ہو۔ مواہب لدنیہ میں ہے۔ روی ان قوما من حملۃ القرآن یدخلونھا فینسیھم اللہ ذکر محمد صلے اللہ

علیہ وسلم حتی یذکرھم جبرئیل علیہ السلام فیذکرونہ فتخمد النار
وتنزوی عنھم ترجمہ :۔ روایت ہے کہ ایک قوم حافظ قرآن دوزخ میں
داخل ہوگی جس سے بہلا دے گا اللہ تعالےٰ ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پھر یاد
دلائیں گے ان کو جبرئیل علیہ السلام جب یاد کریں گے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو تو آگ بجھ جائیگی اور ہٹ جائے گی!

قولہ :۔ اور سمی حضرتؐ کا دوزخ میں نہ جائے گا سو نوٹ مواہب لدنیہ اور
شرح زرقانی میں روایت ہے رونیا ما اخرجہ الحافظ ابوطاہر السلفی وابن بکیر فی
جزیہ من طریق حمید الطویل عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قال یوقف عبدان بین یدی اللہ تعالیٰ فیامر اللہ بھما الی الجنۃ
فیقولان ربنا بما استاھلنا الجنۃ ولم نعمل عملاً یجازینا الجنۃ فیقول اللہ
تعالیٰ ادخلا الجنۃ فانی آلیت علی نفسی ان لا یدخل النار من اسمہ احمد ولا
محمد وروی ابونعیم عن بنیط ابن شریط قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم قال اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی لاعذبت احداً تسمی باسمک فی النار
ترجمہ :۔ روایت ہے انس بن مالکؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم نے کہ دو بندے روبرو اللہ تعالیٰ کے کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا لیجاؤ
ان کو جنت کی طرف وہ عرض کریں گے اے رب کس سبب سے ہم قابل جنت ہوئے
حالانکہ کوئی عمل ہم نے ایسا نہیں کیا جس کا بدلا جنت ہو ارشاد ہوگا جاؤ جنت
میں میں نے قسم کھائی ہے اپنی ذات کی کہ دوزخ میں داخل نہ ہو وہ شخص جس کا نام
احمد یا محمد ہو۔ اور نیز فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے اپنے عزت
وجلال کی قسم کھائی ہے کہ نہ عذاب کریگا دوزخ میں اس شخص کو جو آپ کے نام
کے ساتھ موسوم ہو ہر چند ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ فضیلت تسمیہ کے باب میں جتنی

حدیثیں وارد ہیں سب موضوع ہیں مگر علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ قول قابل اعتبار نہیں البتہ بعض حفاظ نے جو لکھا ہے کہ کوئی حدیث اس باب میں صحیح نہیں یہ بات اور ہے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ کتب اصولِ حدیث میں مصرح ہے اور ایسی حدیث کیونکر موضوع ہو سکتی ہے جس کو اکابر محدثین مثل حاکم اور بزار ابن عدی ابن منصور ابوسعید ابو یعلی طبرانی ابن جوزی سلفی ابو نعیم خرائطی ابن بکیر وغیرہ نے موقوفاً و مرفوعاً روایت کیا ہے بکذا افادہ الزرقانی فی شرح المواہب اور احادیث موقوفہ بھی یہاں حکم میں مرفوع کے ہیں اس لئے کہ صحابہ ایسے امور اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے جیسا کہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ رہا یہ کہ بعض ملاحدہ و زنادقہ بھی نام مبارک کے ساتھ موسوم ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے فضائل بلکہ جمیع اعمال حسنہ بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے مقدم سب سے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور محبت ہے جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہوا تو سوائے جہنم کے پھر کہیں ٹھکانا نہیں الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر عظمت ملحوظ ہے کہ توہین حضرتؐ کے نام کی بھی حق تعالیٰ کو گوارا نہیں۔

مکتوب ہونا نام حضرت بر عرش وغیرہ

قولہ ابوالبشر نے کی وصیت الخ مواہب لدنیہ میں مروی ہے وروی ابن عساکر عن کعب الاحبار قال اقبل آدمؑ علی ابنہ شیث فقال اے بنی انت خلیفتی من بعدی فخذ ھا بعمارۃ التقوی والعروۃ الوثقی فکلما ذکرت اللہ فاذکر الی جنبہ اسم محمد فانی رایت اسمہ مکتوبا علی ساق العرش وانا بین الروح والطین ثم انی طفت السموات فلم ار فی السموات موضعا الا رایت اسم محمد مکتوبا علیہ وان ربی اسکننی الجنۃ فلم ار فی الجنۃ قصراً ولا غرفۃ

الا وجدت اسم محمد مکتوباً علیه ولقد رایت اسم محمد مکتوباً علی نحور الحور العین وعلی ورق قصب اجام الجنة وعلی ورق شجرة طوبیٰ وعلی ورق سدرة المنتھیٰ وعلی اطراف الحجب وبین اعین الملٰئکة فاکثر ذکرہ فان الملٰئکة من قبل تذکرہ فی کل ساعاتھا۔ ترجمہ:۔
روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے فرزند تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو پس خلافت کو عمارت تقویٰ اور دستگاہ محکم کے ساتھ اور جب یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کو تو اس کے متصل نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو کیونکہ میں نے ان کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے جب میں روح وطین میں تھا پھر تمام آسمانوں میں پھر کر دیکھا کہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا نہ ہو۔ اور میرے رب نے مجھ کو جنت میں رکھا وہاں کوئی محل اور کوئی بالاخانہ اور برآمدہ ایسا نہیں دیکھا جس پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو اور سینوں پر تمام حوروں کے ہر جنت کے تمام درختوں اور شجر طوبےٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر دوں کے اطراف اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں نام مبارک محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا ہے اس لئے اکثر ان کا ذکر کیا کرو فرشتے قدیم سے ہر وقت ان کا ذکر کیا کرتے ہیں:

وصیت آدم علیہ السلام بفرزند خود برائے ذکر حضرت

حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو جو کثرت ذکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت فرمائی اس کا منشا ایک تو یہ ہے کہ جب فرشتے ہمیشہ حضرت کا ذکر کیا کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ نہایت عمدہ عبادت ہوگی اور ایسی عبادت زیادہ کرنا بہتر ہوگا۔ دوسرا یہ کہ حق تعالےٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جیسی محبت ہے کسی کے ساتھ نہیں ہرچند حضرت ابراہیم بھی خلیل اللہ ہیں مگر

حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت کچھ اور ہی ہے چنانچہ خود
حضرت خلیل اللہ علیہ السلام معترف ہیں کہ میری خلت اس درجہ کی نہیں
کما فی المواہب و شرحہ للزرقانی ولفظ مسلم عن ابی ھریرۃ وحذیفۃ
قال قال صلی اللہ علیہ وسلم یجمع اللہ الناس فیقوم المومنون
حتی تزلف لھم الجنۃ فیاتون آدم فیقولون یاابانا استفتح لنا الجنۃ
فیقول وھل اخرجکم من الجنۃ الاخطیئۃ ابیکم آدم لست بصاحب
ذلک اذھبوا الی ابنی ابراھیم خلیل اللہ فیقول ابراھیم لست بصاحب
ذلک انما کنت خلیلاً من وراء وراء الحدیث ترجمہ:۔ روایت کی مسلم
نے ابوہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جمع کرے گا حق تعالیٰ لوگوں کو محشر میں کھڑے ہوں گے ایمان والے یہاں تک
کہ قریب ہو گی ان سے جنت تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آکر کہیں گے:۔
اے پدر بزرگوار ہمارے لئے کھلوائیے جنت وہ کہیں گے تمہیں جنت سے تمہارے
باپ آدم ہی کی خطا نے تو نکالا ہے میں اس کام کو نہیں کرسکتا جاؤ میرے
فرزند خلیل اللہ کے پاس۔ ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میں بھی اس کام کا
نہیں ہوں میں خلیل صرف دور ہی دور سے تھا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت ذکر کرنیکے فوائد آدم علیہ السلام پر یہ امر بخوبی منکشف ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت محبت ہے کیونکہ ہر ایک مقام پر نام مبارک
کو لکھنا اور فرشتوں سے ہمیشہ ذکر کروانا فرط محبت پر دلیل قطعی ہے چنانچہ حدیث
شریف میں وارد ہے (من احب شیئاً اکثر من ذکرہ) وھو حدیث
مرفوع رواہ ابو نعیم والدیلمی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ذکرہ فی

المواہب وشرحہا۔ ترجمہ:- فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اکثر اس کو یاد کیا کرتا ہے۔

اس لئے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے۔ وصیت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس وصیت میں بظاہر دو فایدے ہیں (۱) ایک خاص نفع ذاتی شیث علیہ السلام کا کہ بدولت اس کے حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے۔ (۲) دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مدنظر تھی کیونکہ جب سب کو یہ معلوم ہوجائے کہ اپنے پیارے فرزند ولیعہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق ہیں ضرور اس کام پر رغبت کریں گے۔ اس پر بھی اگر کسی ناخلف نے باپ مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اپنا نقصان کیا۔ یہ تو اُن کا ذکر تھا جو خود نبی مقرب تھے۔ اب اس موقع پر ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیاء اولوالعزم نے ذکر نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام و التزام چاہیئے کیونکہ

محبت نبی کے بغیر ایمان نہیں

ہمارا تو دین و ایمان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی محبت کے ساتھ وابستہ ہے۔ دیکھو خود حضور اقدس کیا فرماتے ہیں۔ عن انسؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین رواہ الشیخان واللفظ للبخاری ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی تم میں ایماندار نہیں ہوتا ہے جب تک اس کے دل میں میری محبت اس کے باپ اور بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ ہو یعنے تمام عالم سے زیادہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہو ایمان ہی نہیں غرض ایمان اگر حاصل کرنا ہو تو حضرت

کی محبت حاصل کرنا چاہیئے اور حصول محبت کی مفتاح ذکر ہے چنانچہ ابن قیم نے حادی الارواح الی بلاد الافراح میں لکھا ہے "وقد جعل اللہ لکل مطلوب مفتاحا ومفتاح الولایۃ والمحبۃ الذکر" یعنے حق تعالیٰ نے ہر ایک مطلب کے لئے ایک کنجی مقرر کی ہے اور کنجی قرب و محبت کی ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اگر حاصل کرنا ہو تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر بکثرت کرنا چاہیئے تاکہ محبت حضرت کی پیدا ہو اور بدولت اس کے ایمان حاصل ہو اور اگر ایمان ہے یعنے حضرت کی محبت ہے تو بمقتضائے "من احب شیئاً اکثر من ذکرہ" خود ذکر ہونے لگے گا۔

باعث آفرینش بودن حضرت قولہ شعر لولاہ اشارہ اس حدیث شریف کی طرف ہے جو مواہب لدنیہ میں ہے "وروی انہ لما خرج آدم من الجنۃ رأی مکتوبا علی ساق العرش وعلی کل موضع فی الجنۃ اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم مقرونا باسم اللہ تعالے فقال یا رب ہذا محمد من ہو فقال اللہ تعالیٰ ہذا ولدک الذی لولاہ ما خلقتک فقال یا رب بحرمتہ ہذا الولد ارحم ہذا الوالد فنودی یا آدم لو تشفعت الینا بمحمد فی اہل السموات والارض لشفعناک"

ترجمہ:۔ جب آدم علیہ السلام جنت سے نکلے دیکھا کہ ساق عرش پر اور جنت میں ہر جگہ نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے عرض کیا:۔ یارب یہ محمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا (ہذا ولدک لولاہ ما خلقتک) یعنے یہ تمہارے فرزند ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ عرض کیا یارب بحرمت اس فرزند کے اس والد پر رحم کر ندا آئی کہ۔ "اے آدم اگر تم محمد کے وسیلہ سے کل زمین و آسمان والوں کے حق میں سفارش کرتے تو بھی ہم قبول کرتے"۔ اور اسی طرح لفظ (لولاہ) اس حدیث شریف میں

وارد ہے جس کو روایت کیا امام سیوطیؒ نے درمنثور میں تفسیر آیہ شریفہ۔
فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ رب کے تحت میں کما قال اخرج الطبرانی
فی المعجم الصغیر والحاکم وابونعیم والبیھقی کلاھما فی الدلائل و
ابن عساکر عن عمر بن الخطاب قال قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
لما اَذنب آدمُ الذنبَ الذی اَذنبَ رفع راسہ الی العرش فقال
اسالک بحق محمدٍ الا غفرتَ لی فاوحی اللّٰہ الیہ ومَن محمدٌ فقال
لما خلقتنی رفعت راسی الی عرشک فاذا فیہ مکتوب لا الٰہ الا اللّٰہ
محمدٌ رسولُ اللّٰہ فعلمتُ انہٗ لیس احدٌ اعظمَ عندک قدراً ممن
جعلت اسمہ مع اسمک فاوحی اللّٰہ الیہ یا آدمُ انہٗ آخر النبیین من
ذُریتکَ ولولاہ ما خلقتکَ **ترجمہ** ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ جب آدم علیہ السلام سے وہ گناہ صادر ہوا تو عرش کی طرف سر اُٹھا کر
دعا کی کہ الٰہی بحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم مجھے بخش دے ان پر وحی ہوئی کہ:۔
محمد کون؟ عرض کیا الٰہی جب پیدا کیا تو نے مجھکو تو میں نے عرش کی طرف سر
اٹھا کر دیکھا تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اس سے میں نے جانا کہ
جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ کسی شخص کا مرتبہ
تیرے پاس نہ ہوگا۔ وحی آئی کہ:۔ اے آدم وہ نبیوں سے آخر ہوں گے تمہاری
اولاد میں (ولولاہ ما خلقتک) یعنے اگر وہ نہ ہوتے تو نہ پیدا کرتا میں تم کو۔
ابن جوزی نے بھی کتاب الوفا بفضائل المصطفےٰ علیہ الصلوۃ والسلام
میں اس حدیث کو روایت کیا ہے **فائدہ** اکثر احادیث میں بظاہر اختلاف
ہوا کرتا ہے جس کی توفیق ہر شخص سے ہو نہیں سکتی۔ ایسے مواقع میں یہ خیال نہ
کرنا چاہیے کہ دونوں حدیثوں میں کچھ ضعف آجاتا ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے

کہ ہر ایک حدیث کو دوسری حدیث سے تعداد کی وجہ سے قوت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے کہ ہر ایک حدیث نفس واقعہ کی صداقت پر گویا اور دوسری حدیث کی گواہ ہوتی ہے ہاں جن امور زائدہ میں تعارض ہے ان میں شک پیدا ہوگا نہ کہ نفس واقعہ میں دیکھو احادیث معراج جو صحیحین وغیرہ میں وارد ہیں اس سے ترتیب مقامات انبیا علیہم السلام میں کس قدر اختلاف ظاہر ہے پھر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس وجہ سے وہ سب احادیث ضعیف ہو گئے ہوں بلکہ محدثین حتی الامکان اس قسم کی احادیث میں توفیق دیدیتے ہیں اور کبھی منشا اختلاف کا یہ بھی ہوتا ہے کہ راوی کو ہر چند اصل واقعہ تو یاد ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ بسبب تمادی ایام کے تقدیم یا تاخیر اوقات وغیرہ پورے طور پر یاد نہ رہنے کی وجہ سے اپنے ظن غالب پر بیان کر دیا ہو چنانچہ ان دونوں حدیثوں میں یہی صورت معلوم ہوتی ہے ۰ الحاصل

ہند میں حضرت آدم کا اترنا اور حضرت علی کا ارشاد

ان دونوں حدیثوں سے مخاطبہ حق تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ثابت ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے ۔

قولہ۔ وحشت آدم گئی نام شہ لولاک سے :۔ کما فی المواهب والزرقانی (واخرج ابو نعیم فی الحلیة عن ابی هریرة رفعه لما نزل آدم علیه السلام بالهند استوحش فنزل جبريل عليه السلام فنادى بالاذان الله اکبر الله اکبر مرتين اشهد ان لا اله الا الله مرتين اشهد ان محمدا رسول الله مرتين الحديث ورواه ايضا الحاكم وابن عساكر وقد روى الديلمي عن علي رآني رسول الله صلى الله عليه وسلم حزينا فقال يا ابن

ابی طالب انی اراک حزیناً فمر بعض اھلک یوذن فی اذنک فانہ دواء للھم فجربتہ فوجدتہ کذلک وقال کل من رواتہ جربتہ فوجدتہ کذلک ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب آدم علیہ السلام ہند میں اترے ان کو وحشت ہوئی اس وقت جبرئیل علیہ السلام اترے اور اذان کہی اس طور سے اللہ اکبر اللہ اکبر دو بار اشہد ان لا الہ الا اللہ دوبار اشہد ان محمد رسول اللہ دوبار (آخر حدیث تک) مقصود یہ کہ بدولت اس اذان کے وحشت جاتی رہی۔ علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ:۔ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھکو حزین و غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب تم کو میں غمگین پاتا ہوں کسی سے کہو کہ تمہارے کان میں اذان کہدے وہ غم کی دوا ہے علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو آزمایا فی الحقیقت اس سے حزن جاتا رہا اور اس حدیث کے جتنے راوی ہیں سبھوں نے ایسا ہی کہا کہ ہم نے بھی اسکو آزمایا ہے واقعی یہی تاثیر پائی۔

یہ یاد رکھو جب کوئی اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے تو جتنے خیالات وحشت انگیز ہوں سب محو ہو جاتے ہیں اس لئے کہ جب انسان کو کسی کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہو اور اسی کو یاد کرے تو دل اسی کیساتھ متعلق ہو جاتا ہے جس سے خیال ان امور کا جو وحشت انگیز ہوں باقی نہیں رہتا یعنے کیفیت جدیدہ دل میں متمکن ہونے کی وجہ سے کیفیت سابقہ محو ہو جاتی ہے جب یہ تاثیر ہر محبوب کے یاد کرنے میں عموماً ٹھیری تو محبوب رب العالمین کے یاد کرنے میں کس قدر تاثیر ہونا چاہیے جیسا کہ اہل اسلام کے عقیدت کے مطابق کسی کیفیت قلبی وغیرہ کا وجود بے تخلیق خالق ممکن نہیں اور جب کہ حق تعالیٰ نے ہر محبوب کے یاد کرنے میں تاثیر رکھی ہے۔ ایسی صورت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں اگر

خاص طور پر وہ تاثیر رکھی ہو تو کیا عجب البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ہوگا کہ وہاں تذکرہ کے بعد ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے کیفیت سابقہ محو ہو جاتی ہے۔ اور یہاں توسط کیفیت جدیدہ کی ضرورت نہیں مگر چونکہ تاثیرات اشیا من جانب اللہ ہیں۔ اثر آخری دونوں کا ایک طور پر ہوا۔ جیسے طب یونانی و مصری یا ڈاکٹری کہ کسی میں علاج بالضد ہے اور کسی میں بالموافق۔ ہر چند کیفیات درمیانی متغایر ہوں مگر انجام دونوں کا جو ازالہ مرض ہے ایک ہے۔ الحاصل

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت واندوہ کو دفع کرے میں یقین سمجھتا ہوں کہ یہاں باریک و نازک اسرار ہوں گے جس کو اہل مذاق جانتے ہوں گے۔ اتنا تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ ادھر شان رحمۃ للعالمینی جلوہ گر ہے کہ نام سے آثار رحمت ہویدا ہیں۔ اور ادھر عظمت شان غیوری آمادہ قہر ہے کہ جب عموماً محبوبوں کے ذکر میں وہ تاثیر ہو۔ کیا معنی کہ محبوب رب العالمین کے ذکر میں وہ اثر نہو۔ دونوں پر جبر ہے کہ بخرق عادت بلا توسط کیفیت جدیدہ وحشت واندوہ دفع ہوا کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھ لینا چاہیئے کہ اگر کسی بد اعتقاد قسی القلب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں کچھ فرق ہے۔ بلکہ وہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ محل میں صلاحیت نہیں جیسے اطبا معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیت قبول نہو۔ دوا کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو کچھ تاثیر نہیں کرتی۔ علیٰ ہذا القیاس ادعیہ اور سور قرآنی باوجود قطعیت تاثیر کے اسی وجہ سے کبھی اثر بھی نہیں کرتے ہیں **فائدہ** اگر کوئی یہاں یہ سوال کرے کہ۔ حدیث شریف سے تو صرف اذان کی تاثیر ثابت ہوتی ہے اور اس میں کئی امور مذکور ہیں خاص حضرت کے نام کی تاثیر کہاں سے ثابت

ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ اذاں میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور نماز کی دعوت۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس اذان
سے دعوت نماز مقصود نہیں ورنہ علی کرم اللہ وجہ کو کان میں اذاں کہلانے کا
ارشاد کیوں ہوتا۔ فرما دیتے کہ اذاں وقتیہ سن لو۔ اب رہا خدائے تعالیٰ کا ذکر
سو اس میں کچھ شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے نام پاک میں ہر قسم کی تاثیرات ہیں
اس کا انکار کون کر سکے۔ مگر یہ بھی تو ہے کہ موثر حقیقی وہی ہے اور وہ مختار ہے
چاہے تاثیر کسی شے کی کسی وقت ظاہر کرے چاہے نہ کرے چنانچہ آدم علیہ السلام
جب سے کہ اپنے مقام سے جدا ہوئے کیا ہو سکتا ہے کہ اس محل وحشت اندوہ میں
سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کا ذکر انھوں نے کیا ہوگا پھر باوجود اس کے نام
پاک کی تاثیر ظاہر نہ فرمائی کیونکہ مقصود کچھ اور تھا پھر جب وحشت کو ان کی دفع
کرنا منظور ہوا جبرئیل علیہ السلام بھیجے گئے کہ اذاں کہیں جس میں نام آنحضرت صلی
صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا اب ذرا غور کیا جائے کہ ایسے موقع میں آدمؑ نے
کیا خیال کیا ہوگا یہی وجہ تھی کہ جب نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یاد
دلا دیا گیا تمامی خصوصیات حضرت کے جو وہ دیکھ چکے تھے سب آنکھوں کے سامنے ہو گئے
اور کہنے لگے :۔ الٰہی بحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم مجھے بخش دے" اس سے معلوم ہوا
کہ تمامی اذاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کا ذکر مقصود تھا
جس کی تاثیر ظاہر ہوئی اور اس کی مثال ایسی ہوئی جیسے قیامت میں بلال
رضی اللہ عنہ کی اذاں سے صرف تصدیق رسالت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی مقصود ہوگی۔ کما فی المواهب وشرحها (واخرجها) ای حدیث ابی
هريرة المذكور (الطبرانی والحاكم بلفظ) قال رسول الله صلے الله عليه
وسلم تحشر الانبياء على الدواب وابعث على البراق ويبعث بلال على

ناقتہ من نوق الجنۃ ینادی بالاذان محضاً و بالشہادۃ حقاً حتی اذا قال اشہد ان محمداً رسول اللہ شہد لہا المومنون من الاولین والآخرین) ترجمہ :۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انبیاء کا حشر سواریوں پر ہوگا اور سوار ہوں گا میں براق پر اور بلال ناقہ جنت پر ہوں گے اور اذان خالص کہیں گے اور سچی گواہی دیں گے جب اشہد ان محمداً رسول اللہ کہیں گے تو سب اگلے پچھلے اہل ایمان اس کی گواہی دیں گے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ نہ محشر میں نماز کی ضرورت مقصود ہے کیونکہ مجموع اذان سے دونوں صورتوں میں ایک ہی چیز مقصود ہے اس سے معلوم ہوا کہ اذان میں جو دفع وحشت و اداء کی تاثیر ہے بنظر نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور وحشت آدم علیہ السلام کی اسی سے زائل ہوئی و المطلوب ۔

حدیث لولاک | ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے :۔ لولاک ما خلقت الجنۃ و لولاک ما خلقت النار اور سلمان فارسیؓ سے لولاک ما خلقت الدنیا مروی ہے چنانچہ دوسری اور چوتھی تسدیس میں دونوں روایتیں مذکور ہیں۔ **فائدہ** یہاں معلوم کرنا چاہیے کہ آج کل جو غل مچ رہا ہے کہ لولاک لما خلقت الافلاک حدیث موضوع ہے یہ تسلیم بھی کیا جاوے تو اہل جرح کو اس سے نا ہدہ کیا۔ زمین دریا جنت دوزخ ثواب عقاب۔ جملہ آدمیوں کے جد بزرگوار۔ بلکہ ساری دنیا جب بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی حدیث کو حاکم و بیہقی سبکی بلقینی نے روایت کیا ہے اور زمین و دریا پیدا ہونے کی حدیث کو ابن سبع اور عزفی نے اور دنیا طفیلی ہونے کی حدیث کو ابن عساکر نے اور ثواب و عقاب کی حدیث کو ابن سبع و عزفی نے اور خلق آدم علیہ السلام کی حدیث کو طبرانی

؎ یہ شہادت توحید کیونکہ وہاں تو کفار بھی موحد ہو جائیں گے مقصود۔

حاکم بیہقی ابن عساکر ابو نعیم ابوالشیخ بلقینی سبکی نے چنانچہ دوسری اور چوتھی تسدیس میں ان احادیث کا ذکر ہو چکا۔ اور خصائص کبریٰ میں امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے اخرج الحاکم والبیہقی والطبرانی فی الصغیر وابو نعیم و ابن عساکر عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اقترف آدم الخطیئۃ قال یا رب اسالك بحق محمد لما غفرت لی قال کیف عرفت محمدا قال لانك لما خلقتنی بیدك و نفخت فیّ من روحك رفعت راسی فرایت علی قوائم العرش مکتوبا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فعلمت انك لم تضف الی اسمك الا احب الخلق الیك قال صدقت یا آدم ولولا محمد ما خلقتك۔

ترجمہ:۔ روایت کیا حاکم اور بیہقی اور طبرانی نے صغیر میں اور ابو نعیم اور ابن عساکر نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ روایت کی ہے کہ فرمایا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب آدم علیہ السلام مرتکب خطا ہوئے عرض کی یارب بحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے ارشاد ہوا تم نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا عرض کیا جب تو مجھے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی تو میں نے سر اٹھایا جو دیکھا تو عرش کے ہر پایہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے اس سے میں سمجھ گیا کہ اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام تو نے ملایا ہو گا جو محبوب ترین خلق تیرے پاس ہے ارشاد ہوا اے آدمؑ تم سچ کہتے ہو اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو نہ پیدا کرتا۔

ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ تمام عالم کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی ہے۔ اب ہمہ افلاک اس سے کہاں نکل سکیں گے۔ بلکہ

خود افلاک کا نام بھی صراحۃً علی کرم اللہ وجہہ کی روایت میں آچکا ہے۔ جو دوسری تسدیس میں مذکور ہے اب باقی رہی یہ بات کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ موضوع ہے سو یہ بحث علمی ہے۔ اعتراض کرنے والے سب ایسے نہیں ہیں کہ ابحاث علمیہ سے واقف ہوں بلکہ اکثر تو ایسے ہوں گے کہ لفظ حدیث کے معنی تک نہ جانتے ہوں گے ایسے لوگوں کا ایسے موقع میں مقصود کچھ اور ہی ہوتا ہے خیر الغیب عند اللہ ابن جوزی نے تو اس حدیث کو موضوعات کی کتاب الفضائل میں ذکر نہیں کیا۔ باوجودیکہ کمال تشدد ان کا ظاہر ہے کہ اکثر احادیث ضعیفہ کو بھی داخل موضوعات کر دیا ہے۔ ہاں ملا علی قاری نے موضوعات الحدیث میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ صغانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ معنے اس کے صحیح ہیں کیونکہ دیلمی کی روایت میں لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار اور ابن عساکر کی روایت میں لولاک ما خلقت الدنیا وارد ہے۔

حدیث لولاک صحیح ہے گو الفاظ میں کسی قدر فرق ہو پس اطلاق شد لولاک میں کچھ کلام نہیں وہو المقصود

مُردے زندہ ہوگئے تاثیر نامِ پاک سے:

زندہ شدن مردہ بطفیل ذکر حضرت

مواہب لدنیہ میں ہے۔ وعن انسٍ ان شاباً من الانصار توفی وله امٌ عجوز عمیا فسجیناه وعزیناها فقالت مات ابنی قلنا نعم فقالت اللّٰهم ان کنت تعلم انی هاجرت الیک والی نبیک رجاء ان تعیننی علی کل شدةٍ فلا تحملن علی هذه المصیبة فما برحنا ان کشف الثوب عن وجهه فطعم وطعمنا رواه ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیہقی وابو نعیم ترجمہ:۔ روایت ہے انسؓ سے کہ

کسی انصاری کا انتقال ہوا جو جوان تھے اور ان کی ماں بڑھیا نابینا تھی ہم نے ان پر کپڑا اوڑھا دیا اور اس بڑھیا کی تعزیت کی اس نے پوچھا کیا میرا لڑکا مرگیا؟ ہم نے کہا ہاں وہ یہ دعا کرنے لگی کہ یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے اور تیرے رسولؐ کے طرف ہجرت اس امید پر کی ہے کہ مدد کریگا تو میری ہر سختی میں۔ تو یہ مصیبت مجھ پر مت ڈال انسؓ کہتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ سے ہٹے نہ تھے کہ اُس جوان انصاری نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹایا اور ہمارے ساتھ ملکر کھانا کھایا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت تک وہ زندہ رہے کہ ان کی ماں کا انتقال ان کے روبرو ہوا روایت کیا اس کو ابن عدی و ابن ابی الدنیا اور بیہقی اور ابونعیم نے۔ انتہیٰ

سبحان اللہ کیا قوی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا اُن بی بی کے دل میں متمکن تھا کہ بغیر سوچنے کے ایسی نازک حالت میں زبان پر آگیا۔ اور کیسا اعتقاد کامل تھا کہ شک کو کچھ موقع ہی نہ ملا۔ خوب ذہن نشین تھا کہ جب سب گھر بار چھوڑ کے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت کے ہو رہے تو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو جب اس ذریعہ سے دعا کی جائے گی اگر موت بھی ہو تو ٹل جائے گی۔ پھر جب ایسی عقیدت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں وہ دعا پہنچی جس میں نام مبارک حضرتؐ شریک تھا تو یہ اس کا قبول ہونا کیا عجب کیونکہ ابتداے نشاءعنصری انسانی میں یہ سنت اللہ جاری ہو چکی ہے کہ بہ برکت نام مبارک دعا قبول ہوا کرے۔ اب یہاں یہ بحث باقی رہی کہ تاثیر احیا ہجرت میں تھی یا نیت میں یا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یا مجموع میں۔ اور اگر مجموع میں ہو تو جزو اعظم کون ہے۔ چونکہ یہ بحث مسئلہ تاثیر اذان کے مشابہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا اس لئے بخوف تطویل ناظرین کی طبع رسا اور وجدان سلیم پر حوالہ کر دیا جاتا ہے۔

الحاصل بعد غور کے معلوم ہو سکتا ہے کہ تاثیر نام پاک کی تھی کہ مردہ زندہ ہو گیا

حضرت آدم نے اس فرزند سے یہ بھی کہا ٭ میں تفرج کیلئے جب آسمانوں پر گیا

دیکھا ذکر احمدی میں ہر ملک مصروف تھا ٭ اور ہر اک پتے پہ جنت کے ہے نام ان کا لکھا

سینے حوروں کے ملائک کی جبینیں تا بعرش

ہر جگہ اس نام کا ہے عالم علوی میں نقش

مکتوب بودن نام حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر اماکن علویہ

حضرت آدم نے اس فرزند سے یہ بھی کہا: تذکیس ثالث میں کعب احبار

کی روایت مذکور ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کہاں کہاں لکھا ہوا ہے آسمانوں پر ہر جگہ جنت کے در و دیوار پر حوروں کے سینوں پر سدرۃ المنتہیٰ طوبیٰ اور اشجار جنت کے پتے پتے پر پردوں کے اطراف اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں اور یہ بھی مذکور ہوا کہ فرشتے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر میں مصروف ہیں اور سوائے اس کے اور روایات مرفوعہ بھی اس کے موید ہیں چنانچہ امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں ذکر کیا ہے۔ اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما فی الجنۃ شجرۃ علیھا ورقۃ الا مکتوب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی درخت جنت میں ایسا نہیں جس کے پتوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ لکھا ہو۔ اور امام ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں بسند متصل روایت کیا ہے۔ عن ابن عباسٍ عن علیؓ ابنِ ابی طالبٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما عُرج بی رأیتُ علی ساقِ العرش مکتوبًا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکرِ الصدیقُ

و عمر الفاروق ترجمہ۔ روایت ہے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ۔ شب معراج میں میں نے عرش کی ساق پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق و عمر فاروق لکھا ہوا دیکھا اسی طرح خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔ اخرج ابن عدی و ابن عساکر عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما عرج بی رایت علیٰ ساق العرش مکتوبا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شب معراج میں عرش کی ساق پر میں نے لکھا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی یعنی تائید دی میں نے ان کو علی سے انتہیٰ

اور خصائص کبریٰ میں یہ روایت بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فضائل کی ہمیں خبر دو جو قبل ولادت شریف ظہور میں آئے کہا:۔ میں نے کتب سابقہ میں پڑھا ہے کہ ابراہیم خلیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پتھر پایا تھا جس پر چار سطریں لکھی تھیں پہلی سطر انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدونی۔ دوسری سطر انی انا اللہ لا الٰہ الا انا محمد رسولی طوبیٰ لمن اٰمن بہ واتبعہ الحدیث اور اس کے سوا خصائص کبریٰ اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں بہت روایتیں مذکور ہیں کہ اکثر بلاد میں اشجار و احجار پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا اکثر لوگوں نے دیکھا ہے اور جابر سے روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی مہر کا نقش لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھا اگرچہ ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے مگر امام سیوطی نے تعقبات میں لکھا ہے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت وارد ہے جس کی تخریج طبرانی نے کی ہے الحاصل جو شخص یہ بات جان

ے کہ حق تعالیٰ نے پہلے پہل جب کتابت کو ایجاد فرمایا سب سے پہلے نام پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنے نام کے ساتھ لکھا۔ پھر اس کو اس قسم کی کسی بات میں شک ہو گا بلکہ یہ سمجھ جائے گا کہ یہ چند مواقع ہیں اور اگر سارا عالم نام آوری پر آنحضرت کے گواہی دے تو کوئی بڑی بات نہیں فردوس دیلمی میں روایت ہے اول شئ خط اللہ عزّوجلّ فی الکتاب الاول انی انا اللہ لا الٰہ الا انا سبقت رحمتی غضبی فمن شہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ فلہ الجنۃ (عبداللہ بن عباسؓ) یعنے روایت ہے عبداللہ بن عباسؓ سے کہ پہلی بات جو اللہ تعالیٰ نے پہلی کتاب میں یہ لکھی ہے کہ میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں میری رحمت میرے غصہ سے بڑی ہوئی ہے پھر جو شخص گواہی دے کہ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے بندہ اور رسول ہیں اس کے واسطے جنت ہے۔ الحاصل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جو قدر و منزلت اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ شمار و حساب نہیں اب یہ معلوم نہیں کہ منشاء اور سبب اس کا کیا ہے کیونکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسولوں کے بعد ادا کرنے فرض منصبی یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تحسین ہوتے۔ اس کے کیا معنی کہ ہنوز عالم کا نام تک کسی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسان غیب سے آپ کی نام آوری کے ہر طرف چرچے ہو رہے ہیں۔ آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی پہلے پہل جس چیز پر نظر پڑی آپ ہی کا نام گرامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا

ہر پتا گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتا نہیں اور ہر فرشتہ ذکر میں آپ کے رطب اللسان اور بزبان حال بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر نغمہ سرا ہے ایک طرف انبیائے اولو العزم نعت گوئی میں مصروف ہیں کوئی آرزو امتی ہونے کی کر رہا ہے اور کوئی ان کا توسل کر کے حق تعالیٰ سے مرادیں مانگ رہا ہے معلوم نہیں کونسی جانفشانی آپ کی قبل وجود حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی تھی کہ اس قدر قدر افزائی ہوئی۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابق زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ یہاں عبودیت و عبادت کو کیا دخل۔ یہ ایک خاص فضیلت ہے جس کا وجود قبل تخلیق عالم ہو چکا ہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

محال بودن خاتم النبیین شخص دیگر

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائک و جن و انس وغیرہ کی عبادت کرکے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہو گا نعوذ باللہ من ذلک یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا خالق عالم جل شانہ ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر چکا ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا ابد کا حال بھی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو گا۔

شمہ یہ ہے کہ جنت کی کنجیاں حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی اور سلطنت جنت کی حضرت ہی کو مسلم ہے پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے! اس خدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں۔ کیونکہ یہاں تو انحصار ازل و ابد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حکایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو در کنار۔ خیال تک نہیں آسکتا کہ شرافت و فضیلت ذاتی میں حضرت کے سوا کسی قسم کی تساوی ڈھونڈے اور چہ نسبت

خاک را با عالم پاک) اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین ہونا محال ہے۔ پھر بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے کا خاتم النبیین

لہ تحذیر الناس میں خاتم النبیین کے مسئلہ پر حضرت مولانا صاحب نے ایک فلسفیانہ بحث تحریر فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔ خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں کیونکہ کسی کا تقدم زمانی یا تاخر زمانہ زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق نہیں رکھتا اور بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپکی فضیلت پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکان ذاتی کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے اسی شبہ کا حضرت مولانا مرحوم نے اس مضمون میں وضاحت فرمائی ہے۔

خاتم النبیین کا وصف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو آپ کی ذات گرامی سے مختص ہے کسی اور میں پایا نہیں جاسکتا اور یہ لقب ازل سے آپ ہی کیلئے مقرر ہے اسی کا اطلاق آپکے سوا کسی اور پر ہوتا ہی نہیں اور خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی ہے جزئی حقیقی وہ ہے جس کا اطلاق کثیرین یعنی ایک سے زاید پر عقلاً ممتنع ہے لہذا ذاتی امکان باقی نہیں رہا اسی مضمون کو حضرت مولانا نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تحریر فرمایا ہے اور اس میں وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ جل شانہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام قدیم میں خاتم النبیین فرمایا ہے تو حضور ازل سے اسی صفت خاص سے متصف و مختص ہیں ایسا کوئی زمانہ نہیں جو علم و کلام باری تعالی پر مقدم ہو اور اس میں کوئی اور اس وصف سے متصف ہو سکے پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ ذات گرامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں منحصر ہے دوسرے کا اس صفت سے اتصاف محال ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ جو اصحاب کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ پڑھکر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیئہ متوجب دوزخ قرار دیا کرتے ہیں کیا خاتم النبیین پر فلسفی بحث بدعت نہیں ہے؟ جو نہ قرآن میں ہے نہ اس بارے میں کوئی حدیث وارد ہے نہ قرون ثلثہ (صحابہ تابعین تبع تابعین) میں ایسی کوئی بحث کی گئی ہے اور اس بدعت قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ

باقی برصفحہ ۴۲

ہونا محال وممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہ ہوگا نہ بالذات جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ امکان ذاتی اور امتناع لغیرہ میں کچھ منافات نہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دوسروں پر صادق نہیں آسکتا ۔ اور موضوع لہ اس لقب کا ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہوسکتا ۔ پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے اور کلیت مفہومی جو وضع سے قطع نظر کرنے میں معلوم ہوتی ہے بسبب وضع کے جاتی رہی ۔ جیسا کہ عبد اللہ جب کسی شخص کے لئے وضع کیا جاتا ہے جزئی حقیقی ہوجاتا ہے ۔ اور مفہوم کلی اس لفظ کا اس کی جزئیت میں کچھ فرق نہیں لاتا ۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ مثال بھی پورے طور پر یہاں تائید نہیں دیتی اس لئے کہ عبد اللہ عین وقت وضع میں برابر دوسروں پر کہا جاتا ہے ۔ بخلاف لفظ خاتم النبیین کے جب سے واضع نے اس کو وضع کیا ہے کبھی دوسرے پر اس کا اطلاق کیا ہی نہیں اور نہ اطلاق اس کا سوائے ایک ذات کے دوسرے پر صحیح ہوسکتا ہے ۔ اس لئے کہ ختم انتہا کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انتہا متجزی نہیں ہوسکتی تاکہ دو شخص اس صفت کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) استدلال سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنف تحذیر الناس کا نام پیش کیا اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش ہوگا جس نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو ۔ بلند کروگے تو سارے عمل ضبط کر دیے جائیں گے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حقیقت بنیاد ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا تو دوسرے اور کے نبی ہونے کا امکان یا فرض کر لیا جانا کیونکر درست ہوسکتا ہے ۔

(محمد عبد الحمید شیخ الجامعہ نظامیہ)

متصف ہوں۔ پھر جب عقل نے بہ تبعیت نقل ایک ذات کے اتصاف کو مان لیا اس کے نزدیک محال ہو گیا کہ دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف ہو سکے۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق قولہ تعالیٰ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (آپ) کے جب ابد آلاباد بہ لقب مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم ہی کیلئے ٹھیرا۔ تو جزئیت اس مفہوم کی ابد آلاباد کے لئے ہو گئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلا شک قدیم ہے۔

اس مفہوم کی جزئیت میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ بات عبد اللہ میں نہیں اب اس دعویٰ کا قضیہ بنا کے کہ (غیرہ علیہ السلام خاتم النبیین بالامکان) باد نے تا ثابت ہو جائے گا یہ قضیہ بحمل صحیح منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حمل جزئی حقیقی کا کلی پر صحیح نہیں۔ اور اگر بنظر اہمال موضوع کے جزئی سمجھا جائے پھر خواہ وہ معین ہو خواہ غیر معین غیر موضوع لہ محمول کا ہو گا۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ محمول جزئی حقیقی ہو تو اس کا حمل دوسری جزئی پہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جیسا (زید عمرو) درست نہیں اور حمل مذکور کے عدم جواز کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خاصہ کا حمل غیر ذی الخاصہ پر درست نہیں۔ جیسے (الحمار کاتب) یا (غیر آدم علیہ السلام ابو البشر) یا (زید ابو زید) یعنے زید اپنا آپ باپ ہے مثال آخری ممثل لہ پر اس وجہ سے منطبق ہے کہ عمرو مثلاً زید کا باپ ہے تو یہ صفت اس کا خاصہ ہو گی۔ پھر یہ صفت اگر غیر عمرو پر اطلاق کی جائے تو اس امر میں کہ موضوع غیر ذی الخاصہ ہے زید اور بکر دونوں برابر ہوں گے پس اطلاق ابو زید خاصہ کا اگر بکر پر صحیح ہو تو چاہیئے کہ اسی کی جہت سے زید پہ بھی صحیح ہو کیونکہ غیر ذی الخاصہ ہونے میں دونوں برابر ہیں واللازم باطل فالملزوم مثلہ۔ اور قطع نظر اس کے یہ توضیح ہے کہ زید کا باپ حقیقی جب عمرو ہو تو یہ صفت دوسرے

پر کیونکر صادق آسکے۔ الحاصل

خاصہ ایک شے کا دوسرے پر صادق نہیں آسکتا۔ ورنہ وہ خاصہ خاصہ نہ ہوگا وہو خلف۔ لم اس کا یہ ہے کہ محمول کو چاہئیے کہ ذاتی موضوع کا ہو یا عرضی۔ اور حمل وہی صادق آتا ہے جہاں مبدا محمول کا ذاتی موضوع کا ہو جیسے الانسان ناطق، یا صفت منضمہ ہو جیسے زید کاتب یا منتزعہ ہو خواہ بالاضافت جیسے "السماء فوقنا" یا بلا اضافت جیسے "الاربعۃ زوج" پھر جب مبدا محمول کا خاصہ کسی دوسری چیز کا ہو تو غیر ذی الخاصہ کی نہ ذاتی ہو سکے گا۔ نہ وصف منضمہ نہ منتزعہ۔ اس سبب سے خاصہ کا حمل غیر ذی الخاصہ پر صحیح نہیں پس معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کا حمل غیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صحیح نہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ نسبت حکمیہ وقت حمل پیدا ہوتی ہے۔ پھر حمل پیدا ہوتی ہے۔ پھر حمل ہی نہیں تو نسبت حکمیہ کہاں۔ اور جب نسبت ہی کا پتا نہ ہو تو جہت امکان کیونکر ثابت ہو سکے۔ اس لئے کہ جہت تو نسبت کی کیفیت کا نام ہے تو ضرور ہوا کہ ثبوت کیفیت کے پہلے ثبوت نسبت ہو کیونکہ ثبوت الشئی للشئی فرع ثبوت ثبت لہ ہے۔ یا یوں کہئے کہ ثبت العرش ثم انقش الحاصل اس سے معلوم ہوا کہ قضیہ مذکورہ غلط ہے۔ اور سنئے المحمول قضیہ کا جو جزئی حقیقی ہے اگر دوسری چیز پر حمل کیا جاوے تو سلب الشئے عن نفسہ لازم آئے گا۔ دیکھو اس حمل کی نظیر بعینہ (زید عمر) ہے سو جب تک زید سے زیدیت یا عمرو سے عمرویت مسلوب نہو عمرویت زید میں قایم نہیں ہو سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ سلب الشئے عن نفسہ محال ہے۔ پھر یہ محال جو لازم آرہا ہے وقت حمل ہے یعنی ہنوز نسبت ہی کا وجود نہیں ہوا کہ محال لازم آگیا تا بہ امکان چہ رسد اور علی سبیل التنزل اگر صادق بھی ہو تب بھی امکان کو محل نہ ملا۔ اس تقریر سے بھی یہی ثابت ہے کہ

وہ قضیہ باطل ہے۔ کیونکہ مستلزم محال محال ہوا کرتا ہے اب اگر کہا جائے
کہ یہ بھی منجملہ وجوہ امتناع لغیرہ ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا
سے امکان ذاتی کا وجود باطل ہو گیا اگر اس بطلان کو بھی منجملہ وجوہ
امتناع لغیرہ کے تصور کر لیں تو امتناع کا پلہ خوب ہی بھاری ہو جائے گا
جس میں بطلان ذاتی یعنے امتناع ذاتی بھی شریک ہوگا۔ سو وہ دعوی
امکان ذاتی کا کہاں رہا۔ اور اس دعوی کا ابطال اس تقریر سے بھی ہو سکتا
ہے کہ مفہوم خاتم النبیین کا اگرچہ کلی ہے مگر کلیت اس کی ایسی نہیں جیسے
انسان وغیرہ کی ہے اس لئے کہ انسان کے افراد کثیرہ ہونے میں کوئی قباحت
لازم نہیں آتی بلکہ موجود ہیں بخلاف خاتم النبیین کے کہ اس کے معنی میں کثرت
صادق آ ہی نہیں سکتی جیسے مرکز یا اول یا آخر یا مبدا۔ حال مرکز کا معنے کہ
مرکز اس نقطہ کو کہتے ہیں کہ جتنے خطوط اس سے نکل کر محیط تک پہنچیں سب
آپس میں برابر ہوں۔ وہ خطوط نصف قطر دائرہ ہوں گے جن کے ملتقی کا نام
مرکز ہے۔ پھر اگر ان خطوط کی ابتدا محیط دائرہ سے لیجائے تو مرکز منتہی ان
خطوط کا ہوگا اور اگر مرکز سے لیجائے تو وہ مبدا ان کا ہوگا۔ بہرحال خواہ وہ مبدا
ہو یا منتہی مرکز ایک نقطہ معین ہوگا جس کا فرض کرنا ہر جگہ مثل اور نقطوں کے
ممکن نہیں۔ اور اسی نقطہ میں یہ صفت قائم ہوگی کہ مبدا یا منتہی ان تمام خطوط
کا ہے جو نصف قطر دائرہ ہو سکیں۔ اب اگر سوائے اس نقطہ معینہ کے دوسرا
نقطہ فرض کریں اور کہیں کہ ممکن ہے کہ وہ بھی مرکز اس دائرہ کا ہو تو یہ
فرض محال ہوگا اس لئے کہ وہ صفت مختصہ (یعنے منتہی ان خطوط کا ہونا)
دوسرے میں قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دوسرا نقطہ اس دائرہ میں جس
جگہ فرض کیا جاوے اصلی مرکز سے ہٹکر ایک نصف قطر پر ہوگا تو جملہ خطوط

مذکورہ کا مبدا یا منتہی ہونا تو درکنار خود اس خط کا مبدا یا منتہی نہیں ہوسکتا جس پر وہ واقع ہے اس لئے کہ آخر وہ خط بھی نصف قطر ہے اور ہر نصف قطر کا مبدا مرکز حقیقی ہونا لازم ہے ورنہ خط نصف قطر نہ ہوگا۔ الحاصل مصداق مرکز کا اگر دوسرا فرض کیا جاوے تو "انسلاخ الشئے عن لوازمہ بل عن ذاتہ" لازم آجائے گا اور یہ محال لذاتہ ہے۔ اب اس دائرہ کے کسی نقطہ میں صلاحیت اور امکان نہیں کہ مرکز اور منتہی ان خطوط کا بن سکے۔ یہاں تک کہ اگر خود واضع اس دائرہ کا چاہے کہ کسی دوسرے نقطہ کو اس دایرہ کا مرکز قرار دے تو نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی میں صلاحیت ہی نہیں ہاں وقت دایرہ کھینچنے کے ممکن تھا کہ جس نقطہ کو چاہتا مرکز بنا دیتا لیکن جب اس نقطہ کو معین کرچکا تو سب نقاط موجودہ وغیر موجودہ کو اس دائرہ کے مایوسی کلی حاصل ہوگئے کہ اب کوئی مرکز نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ مرکز کوئی شئے موجود فی الخارج نہیں وجود اس کا صرف علم میں ہے کیونکہ مرکز بھی ایک نقطہ ہے اور ماہیت نقطہ کی یہی ہے کہ طرف خط ہو اور ظاہر ہے کہ خود خط بالفعل موجود نہیں ورنہ ترکب سطح کا خطوط سے لازم آئے گا جو باطل ہے۔ پھر جب خط ہی کا وجود نہیں تو مرکز جو طرف اس کا ہے کہاں۔ مگر باوجود اس کے مرکز ایک معین شئے ہے اس لئے اس دائرہ یا کرہ پر اطلاق دائرہ کا جب ہی ہوگا کہ نسبت محیط کی مرکز کے ساتھ ہر جہت میں برابر ہو اور اگر مرکز ہی نہو جو احد المنتسبین ہے تو نسبت کیسی۔ پھر جب سے کہ مرکز معین ہوا وہ صفت مختصہ اس کی یعنے (منتہی جمیع خطوط مذکورہ کا ہونا) بھی اس پر صادق آرہی ہے۔ ہرچند یہ صفت بھی کلی ہے مگر کلیت اس کی بھی مثل کلیت مرکز کے ہے کہ قبل تعین مصداق کے علی سبیل البدلیت مصادیق اس کے بہت

سے ہوسکتے ہیں اور جب مصداق معین ہوگیا اب احتمال کثرت کا جاتا رہا۔ پس یہ صفت اگرچہ کہ علم مرکز کا نہیں مگر اختصاص میں اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ عند الاطلاق سوائے اس مرکز کے جو جزئی حقیقی ہے دوسرے کے طرف ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا اسی طرح خاتم النبیین کا مفہوم کہ عند الاطلاق سوائے اس ایک ذات خاص کے دوسرا کوئی متبادر نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ بعد تعین مصداق کے مرکز اور مبدا اور منتہا میں کثرت نہیں آسکتی اسی طرح اول و آخر سلسلہ کا مبدا اور منتہی ہوگا وہاں بھی اسی قسم کی تقریر جاری ہوگی۔ چونکہ خاتم النبیین کے معنی بھی منتہائے نبیین ہے اس سبب سے یہ بھی اس قسم کی کلی ہوگی کہ بعد تعین مصداق کے جزئی حقیقی ہو جائے اور سوائے ایک ذات کے دوسرے پر صادق نہ آسکے ہاں کلیت اس کی قبل تعین مصداق متحقق ہے کہ علی سبیل البدلیت بہت افراد پر صادق آسکتی تھی جیسے مرکز مثال مذکورہ میں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ازل سے صفت خاتم النبیین سے متصف ہیں

اب یہ دیکھا جائے کہ مصداق اس کا کب سے معین ہوا سو ہمارا دعوی یہ ہے کہ ابتدائے عالم امکان سے جس قسم کا وجود فرض کیا جائے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت مختصہ کے ساتھ متصف ہیں کیونکہ حق تعالی اپنے کلام قدیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما چکا ہے۔ اب کونسا ایسا زمانہ نکل سکے گا کہ صفت علم و کلام پر باری تعالی ا... مقام ہو۔ پھر تعین ذات خاصہ اور اتصاف اس صفت مختصہ کے لئے وجود خارجی شرط نہیں جیسے مرکز میں ابھی معلوم ہوا۔ اور قطع نظر اس کے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے اور جس کو

حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے "کُنتُ نبیا وآدم بین الماء والطین" یعنی ہنوز آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے اور میں نبی تھا اب ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازل سے متصف اس صفت خاصہ کے ساتھ ہیں اور جو جو تقلبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عالم میں ہوئے ہیں اس کو ہم ایسے سمجھتے ہیں جیسے لڑکپن جوانی وغیرہ کہ ذات ہر وقت میں محفوظ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے "وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ" امام سیوطیؒ نے مسالک الحنفا میں نقل کیا ہے "وقد قال ابن عباسؓ فی تاویل قول اللہ وتقلبک فی الساجدین ای تقلبک من اصلاب طاہر من اب بعد اب الی ان جعلک نبیاً۔ اسی مضمون کو حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے نظم میں لکھا ہے۔

تنقل احمد نور عظیم ۔۔۔ تلألا فی جبین الساجدینا

تقلب فیھم قرنا فقرنا ۔۔۔ الی ان جاء خیر المرسلینا

ذکرہ الامام السیوطیؒ فی مسالک الحنفا اور حافظ العصر ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے

نبی الھدی المختار من آل ھاشم ۔۔۔ فعن فخرھم فلیقصر المتطاول

تنقل فی اصلاب قوم تشرفوا ۔۔۔ بہ مثل ما للبدر تلک المنازل

ذکرہ السیوطیؒ فی المقامات السندسیہ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عالم شہادت کے پہلے بھی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ تھی کیونکہ تقلب صفت ہے اور تمام اور قیام صفت کا بغیر ذات موصوف کے محال ہے اس عالم میں تشریف فرما ہونے کے بیشتر آدم علیہ السلام سے پہلے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جو کنت نبیا اور اوّل ما خلق اللہ نوری سے معلوم ہوا اور بعد آدم علیہ السلام کے بھی جو وتقلبک فی الساجدین سے معلوم ہوا

الحاصل وجود جزئی حضرت کا ثابت ہے اگرچہ اطوار وجود مختلف ہوں اور
حالت جزئیت میں اتصاف اس صفت کے ساتھ ہی موجود رہا پھر خاتم النبیین
کے جزئی حقیقی ہونے میں کیا کلام اگر کہا جاوے کہ اس تقریر سے خاتم النبیین مثل
دوسرے اعلام کے ایک علم ہوجائیگا تو اس میں فضیلت ہی کیا ہوئی۔ اس کا جواب
یہ ہے کہ پہلے علم کی حقیقت معلوم کر لیجئے کہ ہر جماعت انسان اپنے مافی الضمیر
ظاہر کرنے میں محتاج اس امر کی ہے کہ ہر چیز کے مقابلہ میں ایک لفظ مقرر کرے تاکہ
جو شخص اس وضع سے واقف ہو وہ لفظ سنتے ہی سمجھ جائے کہ مقصود متکلم کا یہ ہے
اب اس وضع کے وقت یہ ضرور نہیں کہ اس لفظ میں کوئی معنے وصفی ہوں بلکہ
حروف ہجی سے چند حروف لے کر جو لفظ ترکیب دیدیا جائے وہی علم ہوجائیگا
اور اگر کوئی لفظ معنی دار علم ہو تو معنے سابق اس میں نہیں ہوتے اس سے معلوم ہوا
کہ تقرر علم کا صرف اس واسطے ہے کہ اس کے کہنے سے ذات معینہ معلوم ہوجائے
بخلاف صفت کے سوائے ذات کے ایک دوسرے معنی پر بھی اس سے دلالت
ہوتی ہے مثلاً عالم کہ اس سے ذات مع صفت علم سمجھی جاتی ہے اور صفت کا
مبدا اس ذات میں موجود ہوگا۔ اور علم میں یہ بات نہیں اب دیکھیے کہ صفت ختم
نبوت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں ازل سے قائم ہے
جیسے ابھی مذکور ہوا اگر صفت مختصہ ہونے کی وجہ سے انحصار اس صفت کا ذات
مبارک میں ہے اس انحصار سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ خاتم النبیین علم ہوجائے
کیونکہ یہ لفظ ذات مع الصفت پر دلالت کرتا ہے نہ صرف ذات پر الحاصل
صفت خاتمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازلاً وابداً مسلم ہوگئی اب کسی
دوسرے کا اتصاف اس صفت مختصہ کے ساتھ محال ہے جیسے کہ سوائے نقطہ مخصوصہ
کے متصف بصفت مرکزیت ہونا کسی دوسرے لفظ کا دائرہ خاص میں محال ہے

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کل بدعتہ ضلالتہ پڑھ پڑھ کے ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ یا قرون ثلثہ میں کسی نے کی تھی پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر جسب واقع کیا استحقاق پیدا کیا۔ اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر۔ دیکھئے حدیث شریف میں وارد ہے۔ فی المشکوٰۃ وعن جریرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہٖ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئٌ الحدیث رواہ مسلم۔ یعنے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اسلام میں برا طریقہ نکالے تو علاوہ اس جرم ارتکاب کے جتنے لوگ اس کے بعد اس پر عمل کرتے رہیں سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور ان کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی روایت کیا اس کو مسلم نے۔ انتہٰی

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک وبدعت رکھی تھی جو شاخ شانے نکالے گئے۔ یہ تو بتلائیے کہ ہمارے حضرتؐ نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ ایسے طور پر کیا جا رہا ہے کہ فضیلت خاصہ کا مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں کمال تشویش ہوئی کہ ہائے فضیلت مختصہ ثابت ہوئی جاتی ہے جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دو دم ان سے لیکر میدان میں آکھڑے ہوئے۔ افسوس

ہے اِس ذہن میں یہ کبھی نہ سونچا کہ معتقدین سادہ کو انتظار اس خاتم فرضی کا کس قدر کنوئیں جھکائے گا۔ مقلدین سادہ کے دلوں پر اس تقریر معقولی کا اتنا تو ضرور اثر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا گو دقائق معقولی کو نہ سمجھے ہوں۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف و لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت اُن نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آیندہ جو انبیا پیدا ہوں گے ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔ معاذ اللہ اس تقریر نے کہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔ ذرا سونچئے تو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو خاتم النبیین ہونے میں یہ احتمالات نکالے جاتے تو کس قدر حضرتؐ پر شاق ہوتا

حضور اقدسؐ کے زمانے میں حضرت موسیٰ بھی ہوتے تو حضورؐ ہی کی اتباع کرتے

عمر رضی اللہ عنہ نے صرف توراۃ کے مطالعہ کا ارادہ کیا تھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیسی متغیر ہوگئی کہ چہرہ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے صحابیؓ جلیل القدر پر کیسا عتاب فرمایا کہ جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ مذاق تقرب و اخلاص سے واقف ہیں اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود موسیٰؑ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میری اتباع کے ان سے کچھ نہ بن پڑتی۔ دیکھ لیجئے وہ روایت مشکوۃ شریف میں ہے۔ یعنے روایت ہے جابرؓ سے کہ ایک بار عمرؓ نے توراۃ کا نسخہ لاکر عرض کی یا رسول اللہ یہ توراۃ کا نسخہ ہے حضرتؐ خاموش ہوگئے وہ لگے پڑھنے ادھر چہرہ مبارک متغیر ہونے لگا ابوبکرؓ نے یہ دیکھکر کہا اے عمرؓ تم تباہ ہوگئے کیا چہرہ مبارک کو نہیں دیکھتے۔ عمرؓ یہ دیکھتے ہی کہنے لگے میں پناہ مانگتا ہوں خدا و رسول کے غضب سے ہم راضی ہیں اپنے

پروردگار اور دین اسلام اور اپنے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ تم میں ظاہر ہوتے اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو خود گمراہ ہو جاتے اگر موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے اور میری نبوت کے زمانہ کو پاتے تو میری ہی اطاعت کرتے اور روایت احمد و بیہقی میں "وما وسعہ الا اتباعی" ہے یعنی سوائے میری اتباع کے ان سے کچھ بن نہ پڑتی۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی۔ تو کسی زید و عمرو کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت میں شک ڈال دیتی ہے۔ کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی ہرگز نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ پ ...... ترجمہ۔ جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اللہ کے رسول کو لعنت کرے گا ان کو اللہ دنیا اور آخرت میں اور مہیا کر رکھا ہے ان کے واسطے ذلت کا عذاب۔ نسأل اللہ تعالیٰ توفیق الادب وھو ولی التوفیق

فضائلِ درودِ شریف

ہے درودِ پاک بھی ذکر شہِ عالی مقام ہر طرح سے جس کا خالق کو ہے منظور اہتمام
بھیجتا ہے خود درود اس فخرِ عالم پر مدام اور فرشتے دائماً مشغول ہیں جس میں تمام
کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

قولہ:۔ ہے درودِ پاک بھی ذکر شہ عالی مقام ؛ یتسری تسدیس میں معلوم ہوا کہ

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ایسی کچھ رفعت دی ہے کہ کسی کو وہ بات نصیب نہیں۔ اور اسی وجہ سے نام مبارک ہر جگہ آسمانوں وغیرہ میں لکھا ہوا ہے جس کا بیان تسدیس رابع میں گزرا جیسا کہ حدیث شریف مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ حبیب کا ذکر جس قدر ہو اچھا معلوم ہوتا ہے عام اس سے کہ خود کریں یا کوئی دوسرا۔ پھر جو سخن شناس اس نکتہ سے واقف ہیں ظاہر ہے کہ اپنے خالق کی رضا جوئی کے واسطے خود اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بکثرت کریں گے ان کے لئے کوئی ترغیب کی ضرورت نہیں۔ باقی رہے وہ لوگ کہ جب تک کسی کام میں کوئی نفع خاص نہیں دیکھ لیتے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کے لئے اقسام کی ترغیبیں دی گئیں۔ پھر ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں (۱) بعضوں کا میلان نفع دنیوی کے طرف زیادہ ہوتا ہے (۲) اور بعضوں کا نفع اخروی کے طرف ہر ایک کو اسکی خواہش کے مطابق وعدے دئے گئے۔ چنانچہ صنف اول کیلئے ارشاد ہوتا ہے کہ بدولت اس ذکر خاص کے قرض رفع ہوتا ہے۔ رزق کشادہ ہوتا ہے۔ بلکہ کل امور کے لئے اس میں کفایت ہے۔ اور کوئی فکر باقی نہیں رہتا۔ جو لوگ کثرت ثواب کے طالب۔ اور نفع اخروی پر راغب ہیں ان کی رعایت سے ارشاد ہے کہ ثواب اس ذکر خاص کا پہاڑوں برابر صدقہ دینے کے اور کئی غلام آزاد کرنے کے مساوی ہے۔ اور جہاد سے بڑھ کر بلکہ تمام روئے زمین کے لوگ جتنا عمل کریں سب کے برابر۔ اور حق تعالیٰ کے پاس سب عملوں سے زیادہ اس کی فضیلت ہے اس کے سبب سے ہزارہا نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ہزارہا گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ ذاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرنے کے پیشتر اپنا مقام جنت میں دیکھ لے گا روزِ

قیامت عرش کے سایہ میں رہکر ہول و وحشت سے وہاں کے نجات پائے گا شفاعت اور قربت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کو نصیب ہوگی سب کام آخرت کے اس پر آسان ہوں گے۔ حق تعالےٰ کے غضب سے امن پائے گا اور برعایت ان لوگوں کے جو طالب رضائے حق ہیں ارشاد ہے کہ اس سے دل طاہر ہوتے ہیں حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے فرشتے اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کیا کرتے ہیں اور خود حق تعالیٰ آمین فرماتا ہے پھر عموماً اہل ایمان کی ترغیب کے واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔ کہ میں بذات خود مع تمامی ملایک کے ذکر خیر آنحضرت کا کیا کرتا ہوں۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس کے سوائے اور بہت سی ترغیبیں دی گئیں۔ پھر اگر اس پر بھی کوئی نہ مانے تو سزا اس کی یہ ہوئی کہ نہ طہارت اس کی پوری ہو نہ نماز اور نہ دعا قبول ہو اور وہ شقی جنت کی راہ سے بھٹک کر داخل دوزخ ہوگا۔ الحاصل

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی نام سے یاد نہیں کیا بلکہ آپکو آپکی کسی صفت سے یاد فرمایا	جس طرح حق تعالےٰ نے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ فرمایا رفع ذکر کے ذریعے بھی ویسے ہی قایم کیے

تا قطع نظر ان طرق رفع ذکر کے جو مذکور ہوئے ہر مسلمان بھی طوعاً و کرہاً ذکر خیر میں مصروف رہے۔ پھر وہ ذکر جس کے واسطے وعدے وعید ہیں ایسا نہیں ہے کہ صرف نام مبارک کی تکرار ہوا کرے کیونکہ اس میں بے ادبی ہے بلکہ خود حق تعالیٰ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی نام سے یاد نہ فرمایا بلکہ جب کبھی خطاب کیا یا یاد فرمایا کسی نہ کسی صفت کے ساتھ ذکر کیا جیسے۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْل اور یَا اَیُّھَا النَّبِیّ۔ وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْل وغیرہ۔ مگر ایک دو جا ہے جہاں بالکل تعیین مقصود تھی صفت کے ساتھ نام کو ذکر فرمایا۔ بخلاف دوسرے

انبیاء کے کہ ہر جگہ ان کے نام کی تصریح فرمائی اور خطاب بھی اصلی نام کے ساتھ
کیا جیسا قلنا یا آدم اسکن (الخ) ونادیناہ ان یا ابراہیم (ب) اور یا موسیٰ
اتبل وغیرہ۔ الغرض ذکر شریف مودبانہ ہونے کے لئے ایک خاص وضع مقرر
کی گئی جو مقتضائے ادب ہے۔ پھر جو شخص اس وضع کی پابندی کے ساتھ
ذکر موصوف کیا کرے وہی مستحق ان وعدوں کا ہوگا۔ اور وہ وضع بعینہ
دعا کی سی ہے جس میں توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور معلوم ہے کہ دعا کو
خضوع وخشوع ضرور چاہیئے۔ پھر اس کے چند صیغہ مقرر کئے گئے۔ اور ہر
صیغہ میں جدائی تاثیر رکھی گئی۔ پھر ان صیغوں کو ایک خاص قسم کی شرافت
عطا ہوئی اور وہ نام سرفراز ہوا جو خاص معبود حقیقی کی عبادت کا نام ہے
یعنے صلاۃ پس معلوم ہوا کہ صلاۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قسم کے
ذکر کا نام ہے نکتہ تدلیس سابق میں یہ بات ثابت ہوئی کہ جب حق تعالیٰ
کا ذکر ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی ہوتا ہے کہ کما قال اللہ تعالیٰ
اذا ذکرت ذکرت معی (ب) اور یہاں معلوم ہوا کہ جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو حق تعالیٰ کا ذکر بھی لازم ہے اس تلازم طرفین
نکتہ سنجان رمز شناس مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی (ب) کے معنی
سمجھ سکتے ہیں امر جدائی بیان کے قابل نہیں۔ **قولہ**

ہر طرح سے جس کا ہے خالق کو منظور اہتمام ؎

ضرورت اہتمام درود شریف

ابھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بکثرت ہوا کرے اس لئے تمام مسلمانوں کو
درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا اور کس خوبی کے ساتھ کہ میں خود اس کام
میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی اے مسلمانو تم کو بھی چاہیئے کہ اس کام میں

مصروف رہو مطلب یہ کہ جب خود خدائے تعالیٰ اور تمام ملائک تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجا کریں تو تم کو چاہئیے کہ بطریق اولیٰ اس میں دلدہی اور جانفشانی کرو نہ یہ کہ ایک دو بار پر اکتفا کر لو کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جو احسان امتیوں پر ہیں اظہر من الشمس ہیں اگر فکر ہے تو ہماری بخشائش کا ہے۔ اگر دعا ہے تو ہماری بخشائش کی ہے ہمیشہ ہماری بھلائی کی ہی فکر میں گزاری۔ اگر امتیوں کو کچھ ارشاد ہوتا ہے تو یہی مقصود ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے دنیا و آخرت میں قہر الٰہی سے محفوظ رہ کر فوائد دارین حاصل کریں۔ اور اگر حق تعالیٰ کے ساتھ گفت و شنود ہے تو اسی بارہ میں کہ کسی نہ کسی طرح سے راستہ ان کی نجات کا نکلے اور پروردگار ان سے راضی ہو جاوے باوجودیکہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ وغیرہ آیتوں سے تسکینیں دی گئیں۔ مگر خدا جانے فرط محبت امت نے کیا کیا خیالات پیش کردئے تھے کہ ہر وقت خلوت و جلوت میں حالت نزع تک امت ہی کا خیال اور اسی کی بخشائش کا حق تعالیٰ سے سوال و جواب رہا۔ اب ایسا کون کمبخت ہو جو ایسے محسن کے احسانوں کو بھول جائے۔ مقتضائے انسانیت تو یہ ہے کہ بمصداق "الانسان عبید الاحسان" کے ساری عمر شکر گزاری میں بسر کریں۔ اور یہ صرف مقتضائے انسانیت ہی نہیں شریعت بھی یہی کہہ رہی ہے کہ جس نے اپنے محسن کی شکر گزاری نہ کی خدا کا شکر بھی نہ کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَن لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللهَ رواہ الترمذی کذا فی تجرید الاصول یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اپنے محسن کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہ کیا۔ انتہی

اُن احسانوں کا شکر تو کسی سے کیا ہو سکتا ہے اتنا تو ہو کہ ذکر خیر میں حضرت کے رطب اللسان رہیں۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ خدائے تعالیٰ اور فرشتے تو ذکر خیر میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رہیں اور باوجود احسانوں کے ہم سے یہ بھی نہ ہو سکے۔ میرے خیال میں نہیں آتا کہ کوئی شخص امتی ہونے کا دعویٰ کرے اور پھر حضرتؐ کے ذکر خیر سے اس کو انکار ہو۔ الغرض جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن مدارج سے واقف ہو جس کا اہتمام ازل سے ہو رہا ہے اور یہ جان لے کہ باوجود اس رفعت شان کے ہمہ تن ہماری خیر خواہی کی طرف متوجہ ہیں تو پھر یہ نہ ہو سکے گا کہ ذکر خیر میں حضرت کے کوتاہی کرے یا منتظر حکم جدید رہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے اہتمام اس امر کا فرما دیا کہ جب عشاق حضرتؐ پر درود پڑھیں۔ (جو ایک قسم کا وہ بھی ذکر خیر ہے) تو چاہیئے کہ شکریہ اس کا بھی عالم غیب سے ہوا کرے

ایک فرشتہ کی ماموری

چنانچہ جب سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے خلق ہوئے ہیں ایک فرشتہ خاص اسی کام پر مقرر ہے کہ جب کوئی حضرت پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ گویا شکریہ میں اس کے کہتا ہے کہ تجھ پر بھی حق تعالیٰ رحمت کرے چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبرئیلؑ نے میرے پاس آکر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو امتی آپ کا آپ پر درود پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے بدلے دس نیکیاں لکھتا ہے دس گناہ مٹاتا ہے دس درجہ بڑھاتا ہے اور فرشتہ اس کے حق میں وہی کہتا ہے جو وہ آپ کے لئے کہتا ہے کہا میں نے اے جبرئیلؑ فرشتہ کیسا کہا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک متعین ہے اس غرض سے کہ جو آپ کا امتی آپ پر درود

پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے (وانت صلی اللہ علیک) یعنے تجھ پر بھی خدا رحمت کرے روایت کیا اس کو طبرانی نے اور ابن جوزی نے کتاب الوفا میں مع زیادتی کے۔ انتھی

۲ھ میں درود شریف پڑھنے کا حکم مذکورہ حدیث کو کنز العمال اور مسالک الحنفا اور وسیلۃ العظمی میں فتوحات ربانیہ شرح اذکار نودیہ میں شیخ محمد بن علی نے حافظ ابوذر ہروی کا قول نقل کیا ہے کہ درود شریف کا حکم ۲ھ دو ہجری میں نازل ہوا بعض کہتے ہیں مہینہ شعبان کا تھا اسی واسطے شعبان کو شہر صلواۃ کہتے ہیں۔ انتھی

اب دیکھئے کہ درود شریف پڑھنے کا حکم ۲ھ سے ہوا اور فرشتہ موصوف پہلے ہی سے مقرر کیا گیا ہے کس قدر اہتمام درود شریف کا اس سے ظاہر ہے اور یہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہوں گے سوائے اس کے اور دو فرشتے خاص اس کام پر مقرر ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کسی کے روبرو ہو اور وہ درود پڑھے تو وہ فرشتے اس کے واسطے مغفرت کی دعا کیا کریں جیسا کہ وسیلۃ العظمی میں ہے۔ روایت ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقرر کئے حق تعالی نے میرے لئے دو فرشتے کہ جب کسی بندہ مسلمان کے آگے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں "غفر اللہ لک" یعنی بخشے اللہ تعالی تجھ کو پھر خود حق تعالی اور دوسرے فرشتے جواب میں ان کے آمین کہتے ہیں اور جس نے میرا ذکر سن کر درود نہ پڑھا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں نہ بخشے تجھ کو اللہ تعالی اور آمین فرماتا ہے اللہ تعالی اور دوسرے فرشتے ان کے

جواب ہیں۔ انتھیٰ۔ اور اسی مضمون کی یہ بھی روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کیا بات ہے۔ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علم پوشیدہ ہے۔ اگر تم نہ پوچھتے تو نہ خبر دیتا میں تم کو اس سے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے میرے لئے مقرر فرمائے ہیں کہ جب کسی مسلمان کے آگے میرا ذکر ہوتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ کہتے ہیں غفر اللہ لک اور حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان کے جواب میں آمین کہتے ہیں اور جس نے میرا نام سنا اور درود نہ پڑھا تو وہ دونوں کہتے ہیں نہ بخشے خدائے تعالیٰ تجھکو اور ویسا ہی جواب میں آمین ارشاد ہوتا ہے۔ انتھیٰ

زہے طالع ان لوگوں کے کہ جس کی خاص دعا کے واسطے فرشتے مقرر ہیں اور خود حق تعالےٰ اور تمام فرشتے آمین کہتے ہیں ۔۔۔ یہ صرف طفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کا ہے ورنہ شان کبریائی کہاں اور یہ لفظ کہاں۔ اگرچہ یقین ہے کہ معنے اس لفظ کے کچھ اور ہیں۔ مگر اس لفظ کو استعمال تو فرمایا سبحان اللہ بطفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کو کیا کیا رتبے مل رہے ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا مگر یہ بھی معلوم رہے کہ فقط امتی ہونا کافی نہیں مدار اس کا صرف اسی بات پر ہے کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ ٹھیک رہے ورنہ رتبے کیسے۔ ایمان کا پتا لگنا دشوار ہے حدیث لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِکَ کو دیکھ لیجئے کہ کیا کہہ رہی ہے۔ کلام اس میں تھا کہ حق تعالےٰ نے خاص اس کام کے لئے دو فرشتے معین کئے ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں دعائے خیر کیا کریں اب ان فرشتوں کی عظمت کو سوچئے کہ کل روئے زمین کے مسلمان جب کبھی درود پڑھیں وہ سن لیتے

ہیں اور ہر ایک کا جواب فوراً ادا کرتے ہیں۔ اگر دونوں کی خبر ان کو پہنچنا دشوار سمجھا جائے تو چاہیے کہ جسم اُن کا اتنا بڑا ہو کہ کل آبادی کو گھیرے اور جسم بڑا بھی ہوا تو کیا صرف دو کان کفایت کریں گے ہر شخص کے پاس ایک کان لگا رہنا ضرور ہوگا۔ اول تو صرف دور کی آواز سننا ہی دشوار تھا علاوہ اس کے ہر ایک کو فوراً جواب دینا دوسری مشکل ہے اب اگر حدیث کا بالکل انکار کر لیا جائے اس خیال سے کہ سمجھ میں نہیں آتی تو اکابر محدثین پر الزام آجائے گا جنھوں نے اس کو روایت کیا ہے اور اگر کسی محدث نے اس کو حدیث متروک کہا جب بھی خلاصی نہیں کیونکہ متروک کے معنی موضوع اور بناوٹی ہوئی نہیں۔ پھر جب موضوع نہ ہوئی تو بالکل اس کے مطلب کا انکار کر لینا جایز نہ ہوا بالفرض اگر اس ایک حدیث سے انکار کرکے جان چھڑائی بھی تو کیا۔ عزرائیل علیہ السلام کے ہاتھ سے کہاں جا سکیں گے وہ تو مشرقی کو چھوڑیں نہ مغربی کو سب کی خبر آن واحد میں برابر لیتے ہیں۔ کیا ان کے وجود کا بھی انکار کیا جائے گا۔ پھر جب عزرائیل علیہ السلام کا وجود اس صفت کے ساتھ مان لیا جائے تو ان دو فرشتوں کے انکار سے کیا فائدہ ہوا اس قسم کے امور کا استبعاد و انکار اکثر اسی وجہ سے ہوا کرتا ہے کہ جو صفت آدمی اپنی جنس یا محسوسات میں نہیں پاتا اس کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے اور جب سمجھ میں نہ آئے تو اس کا انکار کر بیٹھتا ہے پھر بسا اوقات اسی انکار کی وجہ سے نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے نعوذ باللہ من ذالک نجات کا یہی طریقہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لائیں اور یہ سمجھ لیں کہ حق تعالیٰ جب کسی کو قدرت دینا ہے تو اس سے سب کچھ ہو سکتا ہے پھر اس کے خلاف میں عقلی

لگانا گمراہی ہے۔ الحاصل

تقرر دو فرشتگان برائے کتابت درود شریف وغیرہ

دو فرشتے ایسے جلیل القدر حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں کہ ہر ایک کا درود برابر سنتے ہیں اور اس کے حق میں دعاے خیر کیا کرتے ہیں اور بے انتہا فرشتے اس کام پہ مقرر ہیں کہ جس قدر درود شریف پڑھا جاوے اور لکھ لیا کریں چنانچہ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں نقل کیا ہے۔

روایت ہے عقبہ بن عامر سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسجدوں میں اوتاد ہوا کرتے ہیں کہ جن کے ہم نشین فرشتے ہیں جب وہ غائب ہوتے ہیں تو ڈھونڈتے ہیں ان کو فرشتے اور جب بیمار ہوتے ہیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں ان کو تو مرحبا کہتے ہیں اور اگر کوئی حاجت طلب کرتے ہیں تو وہ مدد دیتے ہیں پھر جب بیٹھتے ہیں وہ لوگ تو گھیر لیتے ہیں ان کو فرشتے ان کے پاؤں سے آسمان تک ہاتھوں میں ان کے کاغذ چاندی کے ہوتے ہیں اور قلم سونے کے لکھتے ہیں وہ درود جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ پڑھا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوالقاسم ابن بشکوال نے اور ذکر کیا اس کو صاحب درمنظوم نے۔ انتہی۔

امام سخاویؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کئے ہوے درود شریف پڑھ رہے تھے اس حالت میں ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اس کو کاغذ پہ لکھ رہا ہے جب آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہوگیا اور سوا ان کے کئے فرشتے اس کام کے لئے خاص کئے گئے ہیں کہ جمعہ کے دن اور رات آسمانوں سے اتریں اور جو لوگ درود پڑھیں لکھ لیا کریں جیسا حدیث شریف میں وارد ہے:۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً خُلِقُوْا مِنَ النُّوْرِ لَا یَھْبِطُوْنَ اِلَّا لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ بِاَیْدِیْھِمْ
اَقْلَامٌ مِّنْ ذَھَبٍ وَّدَوِیٌّ مِّنْ فِضَّۃٍ وَّقَرَاطِیْسُ مِنْ نُّوْرٍ لَا یَکْتُبُوْنَ اِلَّا
الصَّلٰوۃَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَوَاہُ الدَّیْلَمِیُّ عَنْ عَلِیٍّؓ ذَکَرَہٗ فِی
الْوَسِیْلَۃِ الْعُظْمٰی وَکَنْزُ الْعُمَّالِ **ترجمہ**۔ روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ
کئی فرشتے نورانی حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں جو صرف جمعہ کی رات اور دن میں
آسمان سے اترتے ہیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم اور دواتیں
چاندی کی اور کاغذ نور کے ہوتے ہیں کام ان کا صرف یہی ہے کہ
جو درود شریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے جاتے ہیں لکھ لیتے ہیں انتہیٰ
اور درود شریف پڑھنے سے بسا اوقات فرشتے بہ کثرت آسمان سے
اتر آتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ طبرانی اور وسیلۃ العظمیٰ میں
روایت ہے زید بن ثابتؓ سے کہ ایک روز صبح کے وقت ہم آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب ہم مدینہ منورہ کے چوراہ میں پہونچے
دیکھا کہ ایک اعرابی اپنے اونٹ کی مہار پکڑے ہوے چلا آرہا ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر اس طرح سلام کیا السلام علیک ایہا النبی
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضرت نے اس کا جواب دیا ساتھ ہی ایک دوسرے
شخص نے پہنچکر کہا یا رسول اللہ یہ اعرابی میرا اونٹ چرا لایا ہے اونٹ
نے اس وقت کچھ آواز کی جس کے سنتے ہی حضرت نے اس کی طرف متوجہ
ہوکر فرمایا کہ دور ہو خود اونٹ گواہی دیرہا ہے کہ تو جھوٹا ہے چنانچہ وہ
چلا گیا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے طرف متوجہ ہوکر فرمایا جس وقت
تو یہاں پہنچا کیا کہا تھا عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر سے فدا ہوں یہ
درود پڑھا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے یا اللہ درود بھیج محمد پر اتنا کہ نہ باقی

رہے کوئی درود۔ یا اللہ برکت نازل کر محمد پر اتنی کہ نہ باقی رہے کوئی برکت
یا اللہ درود وسلام بھیج محمد پر اس قدر کہ نہ باقی رہے کوئی سلام یا اللہ درود
اور رحمت نازل فرما محمد پر اس قدر کہ نہ باقی رہے کوئی رحمت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر وہ ظاہر فرما دیا تھا جبکہ اونٹ اپنا
عذر بیان کر رہا تھا اور فرشتوں نے اس وقت افق کو بھر دیا تھا یعنے اس درود کی برکت
سے اونٹ نے اصل واقعہ بیان کر دیا اور فرشتے اس قدر نازل ہوئے کہ تمام افق ان سے بھر گیا

استغفار ملائک برائے درود خوان

بعض درودوں کا اس قدر اہتمام ہوتا
ہے کہ بے انتہا فرشتے تعظیماً آسمان
سے اتر آتے ہیں اور جب تک کوئی شخص درود پڑھتا ہے تمام فرشتے اس کے
واسطے استغفار کیا کرتے ہیں چنانچہ کنز العمال اور وسیلہ عظمیٰ اور مسالک
الحنفا میں منقول ہے۔ عن عامر بن ربیعۃ قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ما من عبد یصلی علیّ الا صلت علیہ الملٰئکۃ مادام
یصلی علیّ فلیقلل العبد من ذلک او لیکثر رواہ احمد وابن ماجہ
والضیاء ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بندہ مجھ پر
درود پڑھتا ہے فرشتے اس کے حق میں اس وقت تک دعا کرتے رہتے
ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہتا ہے اب چاہیں زیادہ درود پڑھیں یا کم انتہی
لفظ ملائکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب فرشتے مراد ہیں کیونکہ اس حدیث
میں کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے الف ولام عہد کا سمجھا جاوے بلکہ بقرینہ
ترغیب معلوم ہوتا ہے کہ الف ولام استغراق کا ہے اور اس میں کچھ استبعاد
بھی نہیں اس لئے کہ حدیث شریف سے یہ بات آئندہ ثابت ہو جائے گی
کہ ایک ایک درود کے بدلے خود حق تعالیٰ ستر ستر صلوٰۃ اس پر بھیجتا ہے

تو تمام فرشتے کیا اگر تمام عالم اس پر درود بھیجے جب بھی کم ہو گا۔ اس قرینہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ الف ولام استغراق کا ہے جو بات یہاں تک ثابت ہوئی مؤید اس کی اور بہت سی حدیثیں ہیں بخوف طویل یہ چند نقل کی گئیں بعد اس اہتمام کے نوبت ان فرشتوں کی پہنچتی ہے جو بارگاہ رب العزت میں اس کو پیش کرتے ہیں اور اس شان وشوکت سے اس کو عرش کے طرف لے جاتے ہیں کہ جہاں جہاں ان کا گذر ہوتا ہے وہاں کے فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس کے بھیجنے والے پر درود پڑھو اور اس کی مغفرت چاہو۔

عروج ملائکہ یا درود سوئے عرش

چنانچہ مسالک الحنفا اور وسیلۃ العظمی میں مروی ہے۔ عن ابی طلحۃ الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یکون لصلوتہ منتھی دون العرش لا تمر بملک الاقال صلوا علی قائلھا کما صلی علی النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث کذا ذکرہ السخاوی فی القول البدیع ترجمہ۔ ذکر کیا سخاوی نے قول بدیع میں کہ روایت کیا حدیث ابی طلحہ انصاری کو ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ان کی روایت میں یہ بات زاید ہے کہ وہ درود سوائے عرش کے کہیں تھمتا نہیں پھر جس فرشتہ پر اس کا گذر ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ درود پڑھو اس کے کہنے والے پر اور استغفار کرو اس کے لئے جیسا کہ پڑھا اس نے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر انتھی

گذارش درود بخدمت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد عرض بر حق تعالے

یہ تتمہ ہے ابو طلحہ انصاری رض کی اس حدیث کا جو کنز العمال سے ابھی نقل کی گئی جس کا شروع یہ ہے اتانی جبرئیل فقال یا محمد من

صلی علیک الحدیث الحاصل

لیجاتے ہیں ملائک اس درود کو راست عرش کبریائی تک اور حاضر کرتے ہیں بارگاہ عزت میں اس وقت ملائکہ کو ارشاد ہوتا ہے کہ لیجاؤ اس کو حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تاکہ خوش ہوں اور اس پڑھنے والے کو دعائے خیر سے یاد فرماویں۔ چنانچہ روایت ہے کنز العمال میں ما من عبد يُصَلِّي عَلَيَّ صَلوٰةً الا عَرَجَ بِهَا مَلَكٌ حتى يجيء بها وجه الرحمن فيقولُ الله عزوجل اِذهَبُوا بِهَا اِلٰى قَبْرِ عَبْدِي يَسْتَغْفِرُ لقائلها و يقربها عينه الديلمي عن عائشة۔ ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو لے جاتا ہے اس کو فرشتہ یہاں تک کہ حاضر کرتا ہے اس کو روبرو حق تعالیٰ کے (یعنے اس مقام میں کہ ہمارے آثار و رشد خلق ہے)۔ پس فرماتا ہے حق تعالیٰ کہ۔ لیجاؤ اس کو میرے بندہ (یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر کے طرف تا استغفار کریں اس کے کہنے والے کے حق میں اور ٹھنڈی کریں اس سے اپنی آنکھیں روایت کیا اس کو دیلمی نے قسطلانی رحمہ نے لکھا ہے کہ روایت کیا اس کو ابراہیم بن رشید ابن مسلم نے اور حسن بنا نے۔ اب اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ہدیہ درود بارگاہ مرجع عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش ہو۔ حق تعالیٰ صرف بنظر عزت افزائی اپنی پیشگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو بدعائے خیر یاد فرماویں سبحان اللہ کیا ذریعہ عظیم الشان قائم کیا گیا ہے کہ کسی کو نصیب نہوا۔ اگر ہم لوگ درود شریف پڑھا کریں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے فرشتے

ہمارے حق میں دعائے خیر کیا کریں۔ خود رب العالمین لفظ آمین ارشا
فرماوے۔ اور مورد عطوفت فخر المرسلین ہو جائیں۔ یہ سب حبیب کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے ورنہ ہم کہاں اور یہ مدارج کہاں ؟

عرض سلام بوساطت جبرئیل علیہ السلام

اور کیسی سرفرازی ہے کہ جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے جبرئیل علیہ السلام
بنفس نفیس حضرت کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر
میں روایت کیا ہے عن عبد الرحمن بن عوف ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال ما منکم من احد یسلم علیّ اذ امتّ الاجاء نی سلامہ
مع جبرئیل ویقول یا محمد ھذا فلان بن فلان یقرأ لک السلام فاقول و
علیہ السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے کہ جو کوئی تم سے مجھ پر سلام عرض کرے میرے انتقال کے بعد تو
اس کا سلام مجھکو پہنچے گا۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کہیں گے وہ اے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فلاں شخص فلاں کا بیٹا آپ کو سلام عرض
کرتا ہے میں کہوں گا اس پر بھی سلام ہو جیو اور رحمت اور برکتیں اللہ تعالیٰ کی

وصول درود بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتوسط یک فرشتہ

درود شریف پہنچنے کا ایک ذریعہ وہ ہے کہ عرش سے ہو کر مع پیام حضرت رب العزت
گذرانا جاتا ہے۔ دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ
اسی وقت بالابالا اس فرشتہ کے ذریعہ پہونچ جاتا ہے جو خاص اسی کام پر
مقرر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ یا عمار ان اللہ ملکا اعطاہ سماع الخلائق
وھو قائم علی قبری اذا متُّ الی یوم القیمۃ فلیس احد من امتی یصلی
علیّ صلوۃ الاسمی باسمہ واسم ابیہ قال یا محمد صلی فلان علیک کذا

وکذا نیصلی الرب علی ذلک الرجل بکل واحدۃ عشراً طب عن عمار نقلہ فی کنز العمال ترجمہ ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عمار حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے اور اس کو تمام خلایق کی سماعت دی ہے وہ میرے انتقال کے بعد میری قبر پر کھڑا ہوگا پھر جو کوئی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے گا تو وہ فرشتہ مجھ سے کہے گا کہ فلاں شخص فلاں کے بیٹے نے یہ درود آپ پر پڑھا پھر ہر درود کے بدلے حق تعالیٰ اس پر دس درود بھیجے گا یہ روایت کنز العمال میں ہے اور وسیلۃ العظمیٰ میں طبرانی سے اسی روایت کو نقل کیا ہے مگر بجائے نیصلی الرب الحدیث کے یہ ہے وضمن الرب تعالےٰ انہ من صلے علیّ صلوۃ صلے اللہ علیہ عشراً وان زاد زاد اللہ یعنے حق تعالیٰ ضامن ہوا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھے خدائے تعالےٰ اس پر دس درود بھیجے گا ۔ اور زیادہ پڑھے تو زیادہ بھیجے گا ۔ اور کنز العمال میں اسی روایت کو ابن نجار سے بھی نقل کیا ہے مگر اس میں بجائے فیصلی الرب الخ کے وقد ضمن لی الرب تبارک وتعالیٰ انہ ان ارد علیہ بکل صلوٰۃ عشراً یعنے ضامن ہوا ہے حق تعالیٰ کہ اس شخص پر درود کے بدلے دس درود بھیجے ۔

کہا قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں کہ روایت کیا اس حدیث کو بزار اور ابوالشیخ ابن حبان اور حافظ عبدالعظیم منذری نے لیکن منذری نے کتاب الترغیب میں لکھا ہے کہ روایت کیا اس کو سبھوں نے نعیم بن ضمضم بن حمیری سے اور وہ معروف نہیں اور امام بخاریؒ نے ان کو لین کہا ہے یعنے ان کی روایت میں چنداں قوت نہیں مگر ابن حبان نے ان کو ثقات تابعین میں داخل کیا ہے ۔ انتھیٰ

اور موید اس کے یہ بھی روایت ہے جو کنز العمال اور وسیلۃ عظمیٰ میں مروی ہے اکثروا الصلوٰۃ علی فان اللہ وکل لی ملکا عند قبری فاذا صلی علی رجل من امتی قال لی ذالک الملک یا محمد ان فلان ابن فلان صلی علیک الساعۃ رواہ الدیلمی عن ابی بکر الصدیق ترجمہ۔ روایت ہے ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ مجھ پر زیادہ درود پڑھو حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کیا ہے کہ وہ میری قبر کے پاس رہے گا جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے گا تو وہ فرشتہ مجھ سے کہہ دے گا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) فلاں ابن فلاں نے اسی وقت آپ پر درود پڑھ رہا ہے۔ انتہیٰ

اور اس روایت سے یہی بات ثابت ہے۔ عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلے علی صلے اللہ علیہ وملک موکل بہا حتی یبلغنیہا رواہ الطبرانی وسندہ جید ذکرہ ابن حجر فی مسالک الحنفا ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھ پر درود پڑھے تو حق تعالیٰ اس پر درود بھیجتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر ہے کہ پہنچا دیتا ہے وہ درود مجھ کو۔ اور اسی قسم کی یہ بھی روایت ہے جس کو امام سخاویؒ نے قول بدیع میں نقل کیا ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کا اہتمام

عن یزید الرقاشی قال ان ملکا موکل یوم الجمعۃ من صلی علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم یبلغ النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول ان فلانا من امتک یصلے علیک رواہ بقی بن مخلد ومن طریقہ ابن بشکوال واخرجہ سعید بن منصور فی سننہ واسمٰعیل القاضی فی فضل الصلوٰۃ۔ ترجمہ روایت ہے

زیادہ رقاشی سے کہ ایک فرشتہ مقرر ہے جمعہ کے روز نبی صلی اللہ علیہ و
سلم پر جو کوئی درود پڑھتا ہے تو پہونچاتا ہے اس کو وہ فرشتہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور عرض کرتا ہے کہ فلاں شخص آپ کا
امتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے
روز جو درود پڑھے جاتے ہیں ان کو پہنچانے کے واسطے ایک جدا فرشتہ
مقرر ہے سوائے اس فرشتہ کے جس کا ذکر اوپر کی روایتوں میں ہوا اس کی
وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے روز درود پڑھنے کی فضیلتیں بکثرت وارد ہیں اس لئے
اس روز نہایت اہتمام ہوتا ہے اور بہت سے فرشتے بتکلف تمام صرف
درود لکھنے کو اترتے ہیں چنانچہ اس کا حال بھی انشاء اللہ تعالیٰ قریب معلوم ہوگا

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلٰوت اور انبیاء کا احیاء

ان روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک فرشتہ تمام روئے
زمین کے درود سنتا ہے اور خدمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض
کرتا ہے - اور اس کو ویسی ہی سماعت دی گئی ہے - جیسے ان دو فرشتوں
کو دی گئی ہے جو اس کام پر مقرر ہیں کہ درود پڑھنے والوں کے حق میں
دعائے خیر کیا کریں جن کا حال ابھی معلوم ہوا جب انہی حدیثوں سے یہ بات
ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہے اور آن واحد میں
ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہل ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا اس لئے منفی شک و انکار کا
یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفت لازم آتا ہے - پھر جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے خدام میں یہ صفت موجود ہے تو چاہئے کہ خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم میں بطریق اولیٰ اور بوجہ اتم ہو چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کی تصریح فرمادی کما فی الجبرانی لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صوتہ قلنا یارسول اللہ وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ذکرہ ابن حجر مکی فی جوہر منظم ترجمہ۔ فرمایا جو کوئی مجھ پہ درود بھیجتا ہے اس کی آواز میں سنتا ہوں صحابہ نے عرض کیا۔ کیا آپ کے وفات کے بعد بھی یا رسول اللہ فرمایا ہاں خدائے تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے اجساد کو کھائے رہی یہ بات کہ جب حضرت خود سنتے ہیں تو پھر درود وسلام پہونچانے پر جو ایسے عظیم الشان وکثیر التعداد فرشتے مقرر ہیں جن کا حال کچھ معلوم ہوا اور کچھ معلوم ہوگا اس سے کیا فائدہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت کے حضور میں بھی اعمال بذریعہ ملائک پیش ہوا کرتے ہیں اور باوجود اس کے صفت علمیہ کا انکار ممکن نہیں حاصل یہ کہ شئے واحد کے حصول علم کے طریقے اگر متعدد مختلف ہوں تو کچھ قباحت لازم نہیں آتی بلکہ اس سے کمال قدرت وعظمت الہٰی معلوم ہوتی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بھی دو طریقے ٹھیرائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ صفت علمیہ جو کمال نشاء انسانی ہے عطا کی گئی تاکہ اس کے حاصل کرنے میں افضل مخلوقات کی احتیاج ان ملائک کے طرف نہو جو فی الحقیقت خدام آپ کے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ کہ عظیم الشان ملائکہ اس خدمت پر مامور کئے گئے جس سے شان مصطفائی اور تزک فرمان روائی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام انبیاء وملائک پر آشکار ہو جائے اور وہ خصوصیت وعظمت جو ازل سے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت مرعی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام تمام ہمہ گی کو اپنے انجاح مرام کا وسیلہ اور

ذریعہ ٹھیرایا گیا کہ بعد نشا عنصری حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی سب پر مشہود و منکشف ہوجاتے امراول یعنے علم بلا واسطہ کی نسبت یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ عموماً اموات کا سماع قریب بدلائل ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ جو کفار بدر کے کنوئیں میں ڈال دئے گئے تھے ان کی طرف جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا کہ فھل وجدتم ما وعد ربکم حقاً یعنے کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پا لیا۔ صحابہ نے عرض کیا کیا آپ مردوں کو پکارتے ہیں یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، فرمایا ہاں ما انتم باسمع منھم ولکن لایجیبون یعنے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔

اور سوائے اس کے سماع موتی کے باب میں کئی روایات و آیات وارد ہیں الحاصل جب عموماً اہل قبور قریب سے سنتے ہوں تو چاہیئے تھا کہ قبر شریف کے پاس اگر کوئی شخص سلام عرض کرے تو اس کی اطلاع کے واسطے فرشتہ کا توسط ہوتا حالانکہ یہ سلام بھی فرشتہ ہی کے ذریعہ سے پہونچتا ہے چنانچہ تصریحاً فرماتے ہیں ما من عبد یسلم علی عند قبری الا وکل اللہ بھا ملکاً یبلغنی رواہ فی الشعب کذا فی مسائل الحنفا ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بندہ مجھ پر سلام کرے گا میری قبر کے پاس تو ایک فرشتہ مقرر ہوگا کہ وہ سلام مجھ کو پہونچا دیا کرے گا۔ اور کنز العمال میں اسی حدیث کو اس طور سے روایت کیا ہے۔ ما من عبد یسلم علی عند قبری الا وکل اللہ بہا ملکا یبلغنی وکفی امر آخرتہ ودنیاہ وکنت لہ شہیداً یوم القیمۃ عن ابی ھریرۃ ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بندہ عرض

کرے گا مجھ پر سلام میری قبر کے پاس تو حق تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرما دیگا جو وہ سلام مجھ کو پہونچا دے گا اور کافی ہوگا اس کے دنیا و آخرت کے کاموں کے لئے اور میں اس کا گواہ ہوں گا قیامت کے دن!

اور قول بدیع میں امام سخاوی نے لکھا ہے۔ وفی السمعونیات بسند ضعیف عن ابی ھریرۃؓ ایضا مرفوعًا من صلی علیّ عند قبری وکل بھا ملک یبلغنی وکفی امر دنیاہ وآخرتہ وکنت لہ یوم القیمۃ شھیدًا وشفیعًا ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو ایک فرشتہ مجھے وہ پہونچا دیگا جو اس کام کے لئے مقرر ہوگا اور کفایت کرے گا وہ اس کے دنیا و آخرت کے کاموں کو۔ اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ ہوں گا اور شفاعت کروں گا۔

اور روایت ہے کہ ایک شخص قبر شریف کے پاس آکر سلام عرض کیا کرتا تھا حسن بن حسینؓ نے اس کو فرمایا کہ تو اور وہ شخص جو اندلس میں ہے برابر ہیں یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دونوں کا برابر ہے چنانچہ اسکو بدیع میں نقل کیا ہے قد روی ان رجلا ینتاب قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الحسن بن حسین یا ھذا ما انت ورجل بالاندلس سواء

فائدہ۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مقامات دور دراز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا کرتے ہیں وہ بھی حضوری سے محروم نہیں ہیں اب رہی وہ حدیث شریف جو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے تو میں سنتا ہوں اور دور سے ملائک پہنچاتے ہیں تو بعد ان دلائل کے جواب اس کا آسان ہے اس لئے کہ اس میں نفی سماع کی تصریح نہیں ہے۔ ایک طریقہ علم کا، فرما دیا جس میں سامعین کو استبعاد

بھی نہو اور مقصود بھی حاصل ہو جاوے۔ چونکہ عادت شریف تھی کہ حتی الامکان بحسب عقول و فہم سامعین کے کلام فرمایا کرتے تھے۔ اور پہلے سے فرشتوں کی عظمت سامعین کے اذہان میں جمی ہوئی تھی اور ان کی وسعت علم کا کسی کو استبعاد نہ تھا اس لئے برعایت بعض سامعین ارشاد فرمایا کہ جو درود پڑھا جاوے فرشتہ پہونچا دیا کرتا ہے۔ فہم سامعین کی رعایت دوسری حدیثوں سے ثابت ہے چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے حدثوا الناس بما یعرفون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ رواہ الدیلمی عن علی ورفعہ وھو فی البخاری موقوف علیہ ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیان کرو تم لوگوں سے وہ باتیں جو وہ پہچانتے ہوں کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب ہو جائے ..... یعنے ایسی باتیں کہنا چاہیئے کہ مخاطب کی سمجھ میں آسکیں اور اسی مضمون کی مؤید یہ بھی حدیث ہے جو زرقانی میں مروی ہے روی الحسن بن سفیان عن ابن عباس یرفعہ امرت ان اخاطب الناس علے قدر عقولھم قال الحافظ وسندہ ضعیف جدا لا موضوع ترجمہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حکم کیا گیا میں کہ خطاب کروں لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق انتہی

اس وجہ سے جو وقائع شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائے ہر شخص سے بیان نہ فرمایا بلکہ ہر ایک کو اس کے حوصلہ کے موافق خبر دی چنانچہ توفیق احادیث معراج میں صاحب مواہب نے اس کی تصریح کی الحاصل کسی مصلحت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع میں اپنے علم ذاتی کی تصریح نہ فرمائی جو دوسری احادیث میں مصرح ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حق تعالے ایک فرشتہ کو تو اس قدر علم سے سرفراز کرے

اور خاص اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو اس سے ممتاز نفرماوے یہ بسبب
غرابت مقام کے اسی پر اختصار کیا گیا۔ یہاں کلام اسی میں تھا کہ تمام روے
زمین پر جس قدر درود پڑھے جاتے ہیں سب کو ایک فرشتہ سنتا ہے اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی وقت عرض کر دیتا ہے۔
اور یہ طریقہ سوائے اس کے ہے جو عرش سے ہو کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں درود گزرانا جاتا ہے اور سوائے اس کے علیحدہ فرشتے بھی
مقرر ہیں جو درود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنتے ہیں چنانچہ
اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ من صلی علی صلوۃ جاءنی بھا ملک
فاقول بلغہ عنی عشرًا وقل لہ لو کان من ھذہ العشرۃ واحدۃ لدخلت
معی الجنۃ وحلت لک شفاعتی رواہ ابو موسی المدنی عن ابی ھریرۃ رض
ذکرہ فی الوسیلۃ العظمی ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو
شخص مجھ پر ایکبار درود پڑھے ایک فرشتہ وہ درود میرے پاس لاتا ہے
پس میں کہتا ہوں کہ میری طرف سے دس درود اس کو پہونچا اور کہدے اگر ان
دس میں سے ایک بھی ہو تو تو میرے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے اور میں
تیری شفاعت کروں

اور اسی طرح سلام پہونچانیکے لئے بھی کئی فرشتہ مقرر ہیں کہ ہمیشہ اسی
تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ پھر جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً گزران دیتے
ہیں چنانچہ مسالک الحنفا میں روایت ہے۔ عن ابن مسعود قال ان للہ
ملٰئکۃ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام رواہ احمد والنسائی والدارمی
والبیھقی وابن حبان والحاکم فی صحیحھما وقال صحیح الاسناد ترجمہ۔ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے کئی فرشتے مقرر کئے ہیں کہ سیاحت

کیا کرتے ہیں اور پہونچاتے ہیں مجھہ کو سلام میری امت کا۔
پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف گزراننے جانیکی دو ذریعہ ہیں اسی طرح سلام عرض ہونے کے بھی دو ذریعہ ہیں ایک جبرئیل علیہ السلام دوسرے یہ ملائک۔ مناسب اس مقام کے اور بہت سے حدیثیں صحیح وضعیف وغیرہ ہیں منجملہ ان کے دو تین حدیثیں یہاں بیان کی جاتی ہیں ہرچند بعض محدثین نے ان میں کلام کیا ہے مگر ہم یہاں اتباع ان محدثین کا کرتے ہیں جنہوں نے ان کو روایت کیا ہے قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں اس حدیث کو نقل کیا عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی صلوۃ تعظیما لحقی جعل اللہ من تلک الکلمۃ ملکا جناح لہ فی المشرق وجناح لہ فی المغرب ورجلاہ فی تخوم الارض وعنقہ ملتویۃ تحت العرش یقول اللہ تعالی لہ صلی علی عبدی کما صلے علی نبیی فھو یصلی علیہ الی یوم القیمۃ رواہ ابن شاھین فی الترغیب والدیلمی فی مسند الفردوس وابن بشکوال وھذا حدیث منکر ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مجھہ پر ایک درود پڑھے میرے حق کی تعظیم کے واسطے تو حق تعالیٰ اس کلمہ سے ایک فرشتہ ایسا پیدا کرتا ہے کہ ایک بازو اس کا مشرق میں ہوتا ہے اور ایک مغرب میں اور پانوں زمین کے نیچے اور عرش کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو فرماتا ہے تو درود پڑھ اس میرے بندہ پر جیسا کہ اس نے میرے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو وہ قیامت تک اس پر درود پڑھتا رہے گا روایت کیا اس کو ابن شاہین نے اپنی کتاب ترغیب میں اور دیلمی نے فردوس میں۔ اور ابن بشکوال نے۔ اور یہ روایت بھی مسالک الحنفا میں ہے۔

وعن معاذ بن جبلؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان اللہ اعطانی ما لم یعط احداً من الانبیاء و فضلنی علیہم و
جعل لامتی فی الصلوٰۃ علیّ افضل الدرجات و وکل بقبری ملکا یقال
لہ منطوش رأسہ تحت العرش ورجلاہ فی تخوم الارض السفلی ولہ
ثمانون الف جناح فی کل جناح ثمانون الف ریشۃ تحت کل ریشۃ
ثمانون الف زغبۃ تحت کل زغبۃ لسان یسبح اللہ تعالیٰ و بحمدہ و
یستغفر لمن یصلی علیّ من امتی و من لدن رأسہ الی بطون قدمیہ
افواہ و لسن و ریش و زغب لیس فیہ موضع شبر الا و فیہ لسان یسبح
اللہ تعالیٰ و بحمدہ و یستغفر لمن یصلی علیّ من امتی حتی یموت رواہ
ابن بشکوال و ھو غریب منکر بل لوائح الوضع لائحۃ علیہ ترجمہ ۔ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیئے
ہیں جو کسی نبی کو نہ ملے اور مجھکو سب نبیوں پر فضیلت دی ۔ اور اعلیٰ درجے
مقرر کئے میری امت کے لئے مجھ پر درود پڑھنے میں اور متعین فرمایا میری
قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منطوش ہے ۔ اس کا سر عرش کے نیچے
اور پاتوں نتہائے زمین اسفل ہیں ۔ اور اس کے اسی ہزار بازو ہیں اسی ہزار
پر اور نیچے ہر پر کے اسی ہزار رونگٹے اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے
ہے جس سے تسبیح و تحمید اللہ تعالیٰ کی کیا کرتا ہے اور اس شخص کے لئے دعائے
مغفرت کیا کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے اس کے سر سے قدم کے نیچے
تک تمام منہ اور زبانیں اور پر اور رونگٹے ہیں ۔ کہیں بالشت بھر جگہ اس میں ایسی
نہیں کہ جس میں زبان نہ ہو اس کا کام یہ ہے کہ تسبیح اور تحمید اللہ تعالیٰ کی
اور طلب مغفرت ان لوگوں کے حق میں کیا کرے جو مجھ پر درود پڑھا کرتے ہیں

رنے تک روایت کیا اس کو لشکوال نے انتہیٰ

اور وسیلۃ العظمیٰ میں مروی ہے من عطس فقال الحمد للہ علی

کل حال ما کان من حال وصلی اللہ علی محمد وعلی اہل بیت

اخرج اللہ من منخرہ الایسر طیراً اکبر من الذباب واصغر من الجراد

یرفرف تحت العرش یقول اللھم اغفر لقائلھا رواہ ابن لشکوال

عن ابن عباسؓ ترجمہ روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ جو شخص چھینک کر کہے

الحمد للہ الخ نکالتا ہے حق تعالیٰ اس کی ناک کے بائیں نتھنی سے ایک پرندہ

مکھی سے بڑا اور ٹڈے سے چھوٹا جو عرش کے نیچے پر ہلاتا ہوا یہ کہتا ہے ۔۔۔

(اللھم اغفر لقائلھا) یعنے یا اللہ بخشش دے اس حمد وصلوٰۃ کے کہنے

والے کو روایت کیا اس کو ابن لشکوال نے ۔ انتہیٰ

امام سخاوی نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ سند اس حدیث کی ٹھیک

ہے مگر اس میں یزید بن ابی زیاد ہیں کہ اکثروں نے ان کو ضعیف کہا ہے لیکن

مسلم نے ان کی حدیث کو بطور متابعت ذکر کیا ہے ۔

اب یہاں بمناسبت مقام کے چند بحثیں کی جاتی ہیں ۔

بعض ضروری مباحث اور جوابات | اگر ناظرین اس کو پیش نظر رکھیں تو توقع ہے کہ

اکثر مقامات میں بکار آمد ہوں گی ۔

بحث اول یہ ہے کہ شاید بعض لوگوں کو اس بات کے سمجھنے میں تامل

ہوگا کہ الفاظ سے پرندہ کیونکر پیدا ہو سکے ۔ تو اس شبہ کو یوں دفع کرنا

چاہیے کہ اس قسم کے امور میں کبھی فکر کرنے کا اتفاق نہوا ۔ ورنہ قطع نظر اس

کے کہ قدرت خدائے تعالیٰ کی مانی جائے ۔ خود ہمارے روبرو ایک ایسا کارخانہ

جاری ہے کہ جس سے اس قسم کی شبہات کا جواب ہو رہا ہے ۔ دیکھ لیجئے کہ ہر

روز جو غذائیں از قسم نباتات کھائی جاتی ہیں اُن سے خون وغیرہ اخلاط پیدا ہوتے ہیں پھر ان سے گوشت اور بعض وہ فضلات کہ جن سے اولاد ہوتی ہے۔ اب ان صورتوں کے انقلاب کو دیکھئے کہ نبات کو حیوان سے کیا تعلق ہے جو اس سے یہ تولید ہو رہی ہے اسی طرح اور دوسری جسمانی قوتوں کا مدار غذا ہی پر ہے۔ حالانکہ باہم کوئی مناسبت نہیں۔ اور اکثر لوگوں نے دیکھا ہے کہ گملے سے (جو ایک قسم کا کیڑا ہے) پرندہ پیدا ہوتا ہے اور اقسام کے کیڑوں کو ڈکوری اپنے جنس سے بنا لیتی ہے۔

الحاصل تعمق نظر سے بہت نظیریں مل سکتی ہیں جن سے معلوم ہو جائے کہ توالد کے لئے جنسیت شرط نہیں یعنے ضرور نہیں کہ ہر چیز اپنی جنس ہی سے پیدا ہوا کرے۔ پھر اگر انہیں محسوسات میں مشاہدہ سے قطع نظر کرکے دیکھئے تو اکثر لوگوں کی عقل اس کے سمجھنے میں حیران ہو جائے دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی خبر دے کہ غلے اور پتوں سے آج ایک لڑکا پیدا ہوا تو یکایک یہ سمجھ میں نہ آئے گا حالانکہ یہی بات ایک اعتبار سے صحیح بھی ہے پھر یہ تولید جو سمجھ میں آتی ہے یہ بھی بطفیل مشاہدہ کے ہے ورنہ عقل اس کو بھی باور نہ کرتی اس سے معلوم ہوا کہ مدار ایسی عقل کا صرف مشاہدہ پر ہے۔ اس عقل کے روبرو جب تک چراغ مشاہدہ کا نہ ہو ایک قدم نہ چل سکے گی اور منزل مقصود تک کبھی نہ پہنچائے گی اگر منظور ہو امتحاناً کسی سے پوچھ دیکھئے کہ تم نے کسی جسم کو مثلاً دیوار کو کبھی آنکھ سے دیکھا بھی ہے یا یوں ہی صرف عقل سے جانتے ہو کہ جسم ہے تو غالباً یہی کہے گا کہ جسم شے محسوس ہے ہمیشہ دیکھا کرتے ہیں۔ پھر یہ پوچھئے کہ جسم کس کو کہتے ہیں۔ یہی کہے گا کہ جس کو طول عرض عمق ہو۔ پھر پوچھئے کہ بھلا طول و عرض تو دکھائی دیتا ہے۔ کیا عمق

یعنے دل بھی نظر آتا ہے۔ اب اگر کہیے کہ ہاں نظر آتا ہے تو جھوٹ ہے کہ سطح کے اندر جسم میں نظر نہیں گھستی اور اگر کہے نہیں تو معلوم ہوا کہ جسم کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ کیونکہ جسم کا دیکھنا تو جب ہی صادق آئے کہ اس کے تینوں جزو دیکھا ہو اور جو اس سے ایک بھی نہ دیکھا تو وہ جسم نہ ہو بلکہ جس چیز کو دیکھا وہ سطح ہے جو جسم کا ایک عرض ہے اب دیکھیے کہ سمجھ رہے تھے کہ جسم نظر آتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ جسم کا ایک عرض نظر آتا ہے حالانکہ جسم جوہر ہے اس سے بھی عقل کا حال معلوم ہو گیا کہ اکثر حکم میں غلطی کیا کرتی ہے پھر ہر شخص کو اسی عقل پر ناز ہے کہ جس سے بڑے بڑے عقلا پر اعتراض کردیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عقل لگانے پر بعض لوگ مستعد ہو جاتے ہیں سو یہ بڑی خطرناک بات ہے ہر مسلمان کو اس سے بچنا لازم ہے ورنہ کہیں حال ان لوگوں کا سا نہ ہو جائے جو لا الٰہ الا اللہ سن کر کہنے لگے

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (پ ـــ)

یعنے کیا بنادیا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) تمام معبودوں کو ایک معبود یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی دیکھ لیجیے کہ اسی عقل نارسا نے ان کو کیسے بے راہ چلایا اور آخر کہاں پہونچادیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ شاید اتنے بڑے فرشتہ کا وجود مستبعد سمجھا جائے گا تو دیکھنا چاہیے کہ یہ استبعاد کس چیز سے ناشی ہے آیا تخلیق اس کی مستبعد ہے باوجود فی نفسہٖ تخلیق میں استبعاد کی گنجایش نہیں اس لیے کہ چھوٹی سی چھوٹی مخلوق اور بڑی سی بڑی تخلیق کے حق میں برابر ہے۔ کیونکہ وہاں تو سوائے قول کن کے کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں چنانچہ فرماتے ہیں

قولہ تعالیٰ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ
یعنے جب ہم ارادہ کرتے ہیں کسی چیز کے پیدا کرنے کا تو صرف "کُن" کہہ دیتے ہیں
اور وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر جب حق تعالیٰ اس کو پیدا کردے تو وجود اس کا
ضروری ٹھیرا۔ اب اس کو عقل سے دور سمجھنا عقل کی کوتاہی پر دلیل ہے
تیسری بحث یہ ہے کہ قسطلانیؒ نے ان بعض حدیثوں کی نسبت جو
کہا ہے کہ منکر ہیں اور آثار وضع کے ان سے نمایاں ہیں سو اس میں تصریح
اس امر کی نہیں کہ واقع میں موضوع ہیں یہ بحث فن اصول حدیث سے متعلق
ہے۔ ہم نے اس باب میں ایک رسالہ الکلام المرفوع فی الحدیث الموضوع
لکھا ہے اس میں محدثین کی تصریحات سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اس
قسم کے اطلاقات سے یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ الفاظ حدیث قطعاً موضوع اور
کسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ **قولہ:** "بھیجا ہے خود درود اس فخر عالم پر مدام"
الخ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا **ترجمہ** تحقیق کہ اللہ تعالیٰ
اور فرشتے اس کے درود بھیجتے ہیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم پر) اے وہ لوگو
جو ایمان لائے درود بھیجو تم ان پر اور سلام بھیجو سلام کہنا اس مقام
میں چند فوائد لکھے جاتے ہیں جن پر اہل ایمان کو مطلع ہونا مناسب بلکہ
ضرور ہے **فائدہ** معنے صلوٰۃ میں۔ صلوٰۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں۔
چنانچہ خطیب شربینیؒ نے تفسیر میں لکھا ہے۔ الصلوٰۃ فی اللغۃ الدعا
قال تعالیٰ وصل علیہم ای ادع لھم اور بخاری شریف میں ہے۔ عن
ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال
الملئکۃ تصلے علی احدکم ما دام فی مصلاہ ما لم یحدث تقول اللھم

اغفرلہ اللّٰھم ارحمہ ترجمہ روایت ہے ابوہریرہؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ملائک صلوٰۃ بھیجتے ہیں جب تک کوئی تم میں کا اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے جب تک کہ حدث نہ کرے کہتے ہیں وہ یا اللہ بخش دے اس کو یا اللہ رحم کر اس پر۔

صلوٰۃ کی تفسیر اس دعا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی لیکن چونکہ معنی دعا کے اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ پر صادق نہیں آسکتے اس لئے اُس کے معنی میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا کہ اس سے رحمت مراد ہے تا ہر ادی اور لغوی معنی میں مناسبت ہو اور وجہ مناسبت کی یہ ہے کہ رحمت لازم اور غایت دعا کی ہے چنانچہ مواہب لدنیہ اور اس کی شرح میں لکھا ہے قال المبرو الصلوٰۃ من اللہ الرحمۃ اے الانعام او ارادتہ لان المعنی الحقیقی للدعاء لا یتصور فی حق اللہ تعالےٰ فارید بہ لازمہ و غایتہ اور یہی معنے بعض احادیث میں مصرح بھی ہیں چنانچہ درمنثور میں امام سیوطیؒ نے روایت کیا ہے۔ واخرج عبدالرزاق وابن المنذر و ابن ابی حاتم عن الحسن فی قولہ ھوالذی یصلی علیکم قال ان بنی اسرائیل سالو اموسیٰ ھل یصلی ربک نکان ذلک کبر فی صدر موسیٰ فاوحی اللہ علیہ اخبرھم انی اصلی وان صلوتی رحمتی سبقت غضبی واخرج عبد بن حمید عن شھر بن حوشب فی الآیۃ قال قال بنو اسرائیل یا موسیٰ سل لنا ربک ھل یصلی فتعاظم ذلک علیہ فقال یا موسیٰ ما یسألک قومک فاخبرہ قال نعم اخبرھم انی اصلی وان صلوتی ان رحمتی سبقت غضبی ولولا ذلک ھلکوا ترجمہ ھوالذی یصلی علیکم کی تفسیر میں روایت ہے کہ سوال کیا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے

(هل یصلی ربک) اور شہر بن حوشب کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے درخواست کی موسیٰ علیہ السلام سے کہ حق تعالیٰ سے اس امر کا سوال کریں الغرض شاق ہوئی یہ بات موسیٰ علیہ السلام پر پس استفسار فرمایا حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہ کیا پوچھتی ہے قوم تمہاری پس عرض کیا انھوں نے سوال انکا ارشاد ہوا ہاں میری صلوٰۃ رحمت ہے جو سابق ہوئی میرے غضب پر اگر نہوتی یہ صلوٰۃ ہلاک ہو جاتے وہ لوگ۔ انتہی

موسیٰ علیہ السلام پر ان کا سوال جو شاق گذرا سو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دعا کے جو حق تعالیٰ کی نسبت محال ہے پھر حق تعالیٰ نے خود تصریح فرما دی کہ میری صلوٰۃ میری رحمت ہے پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد رحمت ہوا کرتی ہے اور یہی ہے مذہب ابن عباسؓ اور عکرمہ اور ضحاک اور سفیان ثوری وغیرہ اہل علم کا اور ایک قول ابو العالیہ کا بھی یہی ہے چنانچہ الدر المنضود فی الصلوٰۃ علی صاحب المقام المحمود میں ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے وقیل ھی (ای الصلوٰۃ) منہ تعالیٰ رحمۃ و نقلہ الترمذی عن الثوری وغیر واحد من اھل العلم ونقل عن ابی العالیۃ ایضاً وعن الضحاک اور در منثور میں ہے واخرج عبد بن حمید وابو المنذر عن عکرمۃ قال صلوٰۃ الرب الرحمۃ وصلوٰۃ الملٰئکۃ الاستغفار اور مسالک الحنفا میں قسطلانیؒ نے لکھا ہے قال ابن عباسؓ اراد اللہ ان یرحم النبی صلے اللہ علیہ وسلم وملٰئکتہ یدعون وھو معنی قول الضحاک صلوٰۃ اللہ رحمۃ اور امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے الصلوٰۃ من اللہ عزوجل ھی رحمۃ ومن الملٰئکۃ الاستغفار ومن الامۃ الدعاء والتعظیم اور بعضونکا قول یہ ہے کہ مراد اس سے ثنا ہے کما فی البخاری قال

ابو العالیہ صلوٰۃ اللہ ثناؤ علیہ عند الملئکۃ اور اسی قول کو ابن قیم نے پسند کیا ہے چنانچہ مسالک الحنفا میں قسطلانیؒ نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جلاء الافہام میں ابن قیم نے چھ وجہ قایم کئے ہیں کہ صلوٰۃ کے معنے رحمت نہیں ہوسکتے ایک یہ کہ حق تعالے فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور عطف مقتضی مغایرت کو ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ رحمت غیر صلوٰۃ ہے۔ دوسری یہ کہ صلوٰۃ خاص انبیاء اور مومنین کے واسطے ہے اور رحمت عام ہے اور ہر شئے کو شامل ہے۔ تیسری یہ کہ اگر صلوٰۃ بمعنی رحمت کے ہو تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے چاہئیے کہ اللّٰھم ارحم سیدنا محمدًا وآل سیدنا محمد کہنے سے وجوب ساقط ہوجاوے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ چوتھی یہ کہ اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے مثلاً کھانا کھلایا تو رحمہ کہتے ہیں نہ کہ صلّی علیہ یعنے یہاں رحمت صادق آتی ہے اور صلوٰۃ صادق نہیں آتی۔ پانچویں یہ کہ اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو یہ آیہ شریفہ کے یہ معنے ہوں گے (اللہ تعالیٰ اور فرشتے رحمت اور استغفار کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تو تم دعا کرو اون کے لئے) حالانکہ وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اول و آخر کلام اس معنے پر باہم مرتبط نہیں ہوتا بخلاف اس کے کہ معنی صلوٰۃ کے ثنا ہوں تو تینوں جائے مضمون ایک ہوجائے گا۔ ثنا اللہ تعالے کی اور فرشتوں کی تو ظاہر ہے رہا یہ کہ صلوٰۃ مومنین کی بصورت دعا ہے تو وہ بھی متضمن ثنا ہوگی کیونکہ ثنا کا حق تعالیٰ سے طلب کرنا بھی ایک قسم کی ثنا ہے۔ اور قطع نظر اس کے طالب رحمت کو مسترحم کہتے ہیں نہ کہ مصلی جیسے طالب مغفرت کو مستغفر کہتے ہیں۔ چھٹی یہ کہ حق تعالے

فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پ) یعنے مت پکارو تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو یعنے رسول وغیرہ القاب سے پکارنا چاہئے صرف نام لیکر پکارنا درست نہیں اور یہ نہی صرف کفار کو تھی ورنہ اہل اسلام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یارسول اللہ کہکر خطاب کرتے تھے اور یہ بات جب خطاب میں تھی تو جو اس کے معنی میں ہے یعنی دعا اسمیں بھی یہی لحاظ چاہئے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا بھی ایسی کرنا چاہیئے جو کسی کے واسطے نہ کیجاوے۔ اور ظاہر ہے کہ دعا رحمت کی ہر مسلمان بلکہ کفار و حیوانات کے واسطے بھی کیجاتی ہے چنانچہ استسقامیں کہا جاتا ہے اللّٰهُمَّ ارحم عبادك وبلادك وبهائمك یعنے یا اللہ رحم کر اپنے بندوں پر اور شہروں پر اور جانوروں پر الحاصل ان وجوہات سے صلوٰۃ کے معنی رحمت لینا درست نہیں۔

اور بعضوں نے کہا مراد اس سے مغفرت ہے کمافی مسالك الحنفا وثانيهما ان صلوٰة الله مغفرته ورجح القرا في هذا وقربه البيضاوى اور مواہب لدنیہ میں ہے۔ وروى ابن ابى حاتم عن مقاتل بن حيان قال صلوٰة الله مغفرته وقال الضحاك بن مزاحم صلوٰة الله رحمته وفى رواية عنه مغفرته حاصل یہ کہ بیضاوی نے صلوٰۃ اللہ کی تفسیر مغفرت کے ساتھ کی ہے اور میلان قرا کا بھی اسی طرف ہے اور یہی قول مقاتل کا ہے اور ضحاک بن مزاحم سے بھی ایک روایت ایسی ہی وارد ہے۔ ان حضرات کی دلیل شاید یہ حدیث ہوگی جس کو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے حدثني يعقوب الدورقى حدثنا ابن علية حدثنا ايوب عن محمد بن

بیرین عن عبدالرحمن بن بشیر بن مسعود الانصاری قال لما نزلت اِنَّ اللہَ وملٰئکتہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پ) قالوا یا رسول اللہ ھذا لسلام قد عرفناہ فکیف الصلوٰۃ وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال قولوا اللھم صلی علی محمد کما صلیت علی آل ابراھیم اللھم بارک علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم - ترجمہ - روایت ہے عبدالرحمن بن بشیرؓ سے کہ جس وقت نازل ہوئی آیہ شریفہ اِنَّ اللہ وملئکتہ تو عرض کیا صحابہ نے یا رسول اللہ اس سلام کی کیفیت تو ہمیں معلوم ہے لیکن صلوٰۃ آپ پر کیونکر ہو سکے کہ اگلے پچھلے گناہ آپ کے حق تعالیٰ نے بخشدئے ہیں فرمایا کہو اللھم صل علی محمد الخ

سوال صحابہؓ سے صاف معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کے معنے مغفرت سمجھے گئے اور ظاہر ہے کہ یہ کام اللہ تعالےٰ کا ہے اور پہلے ہی مغفرت ہو چکی تھی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ۔ یَغْفِرَ لَکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (پ) اس لئے صلوٰۃ کے امتثال میں ضرورت سوال کی ہوئی پھر جب ارشاد ہوا کہ کہو اللھم صل تو گویا صحابہ نے امتثالاً للامر تسلیم کر لیا ۔ اور سوائے اس کے یہ بھی دلیل ان کی ہو سکتی ہے کہ اس آیۃ شریفہ میں کمال درجہ کی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحسب اجماع ثابت ہے کما فی المواھب اللدنیہ والاجماع منعقد علی ان فی ھذہ الآیۃ من تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتنویہ ما لیس فی غیرہ اور جیسے رحمت میں اختصاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں رہتا ویسا ہی تنا میں بھی کوئی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں کیونکہ حق تعالےٰ تمام مسلمانوں کی ثنا کیا کرتا ہے ۔

کمافی الدر المنثور للسیوطیؒ واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیۃ فی قولہ
هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰئِکَتُهٗ قال صلوٰۃ اللہ ثناؤہ وصلوٰۃ الملٰئکۃ
الدعا البتہ مغفرت تطہیر خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے - کما قال تعالیٰ
اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ
(پ) اور کسی دوسرے کو یہ بات نصیب نہیں -
کما روی القاضی عیاضؒ فی الشفاء عن ابن عمر رضی اللہ عنہ لبعثت بین
یدی الساعۃ ومنہ روایۃ ابن وھب انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
قال اللہ تعالیٰ سل یا محمد فقلت ما اسأل یا رب اتخذت ابراھیم
خلیلا وکلمت موسیٰ تکلیما واصطفیت نوحا واعطیت سلیمان ملکا لا
ینبغی لاحد من بعدہ فقال اللہ تعالیٰ ما اعطیتک خیر من ذالک
اعطیتک الکوثر وجعلت اسمک مع اسمی ینادی بہ فی جوف السماء
وجعلت الارض طهوراً لک ولامتک وغفرت لک ما تقدم من ذنبک
وما تاخر فانت تمشی فی الناس مغفوراً لک ولم اصنع ذالک لاحد
قبلک وجعلت قلوب امتک مصاحفها وخبأت لک شفاعتک و
لم اخبأها لنبی غیرک **ترجمہ** - روایت کیا قاضی عیاض نے شفا میں اور
کہا ملا علی قاری نے شرح میں کہ روایت کیا اس کو احمد نے بسند حسن ابن عمرؓ
سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ
کچھ مانگو میں نے عرض کیا اے پروردگار کیا مانگوں تو نے ابراہیم کو خلیل بنا
لیا اور موسیٰ سے کلام کئے نوح کو برگزیدہ کیا اور سلیمانؑ کو وہ ملک دیا جو
ان کے بعد دوسرے کو سزاوار نہیں ارشاد ہوا جو تم کو میں نے دیا وہ ان سب
سے بہتر ہے تم کو کوثر دیا تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ رکھا جو پکارا جاتا

ہے آسمان میں اور تمہارے اور تمہاری امت کے لئے زمین کو طہور اور پاک بنایا اور اگلے پچھلے گناہ تمہارے بخشدئے اب لوگوں میں تم مغفور ہو یہ عطائیں پہلے کسی کے لئے نہیں، تمہاری امت کے دلوں کو مصحف بنایا اور مقرر رکھی ہے تمہارے لئے شفاعت کسی نبی کے واسطے یہ بات نہ ہوئی۔

چونکہ دوسرے انبیا کو یہ قطعیت مغفرت حاصل نہیں اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام روز حشر مقام خوف میں ہوں گے چنانچہ حدیث شریف سے جو بخاری شریف میں بکرات ومرات وارد ہے یہ بات ظاہر ہے۔ اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ مراد اس سے اسلام ہے کما فی المواہب وحجۃ الحلیمی ان یکون الصلوٰۃ بمعنی السلام شاید دلیل اس قول کی یہ ہوگی کہ مغفرت ما تقدم وما تاخر وقت واحد میں بالکلیہ ہوچکی اس میں تجدد و استمرار صادق نہیں آتا حالانکہ آیہ شریفہ سے تجدد و استمرار ثابت ہے جیسا کہ قریب میں معلوم ہوگا۔

ثنا و تعظیم

البتہ سلام میں استمرار ہوسکتا ہے اور سوائے اس کے ابن قیم کے ان بعض دلیلوں سے اس قول کا بھی ابطال ہوتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ مراد اس سے ثنا و تعظیم یا فقط تعظیم ہے کما فی المواہب وقیل صلوتہ علی خلقہ تکون خاصۃ وتکون عامۃ فیکون صلوتہ علی انبیائہ ما تقدم من الثناء والتعظیم وصلوتہ علی غیرہم الرحمۃ التی وسعت کل شی وقال الحلیمی فی الشعب معنی الصلوٰۃ علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم تعظیمہ اور اسی کے قریب یہ قول بھی ہے کہ مراد اس سے تشریف و زیادت تکریم ہے کما فی المواہب وحکی القاضی عیاض عن بکر التستری انہ قال الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللہ

تشریف و زیادۃ تکرمۃ شاید دلیل ان اقوال کی یہ ہوگی کہ آیہ شریفہ میں
صلوا علیہ وسلموا سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ کچھ اور ہے اور سلام اور
چنانچہ صحابہؓ نے یہی سمجھا اور سوائے اس کے سلام میں کبھی کوئی خصوصیت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْيَاسِينَ اکثر وارد ہوا ہے۔

الحاصل ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمال تعظیم و خصوصیت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور علو شان و
رفعت منزلت درود شریف کی ثابت ہو یہاں تک کہ جنہوں نے صلوٰۃ سے
رحمت مراد لی ہے ان کا بھی مطلب یہ نہیں کہ وہ رحمت عامہ ہے بلکہ وہ رحمت
مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص کیگئی ہے جیسا کہ زرقانی
نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحب مواہب نے اس قول پر
وارد کیا ہے کہ اس آیہ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
(پ) سے صلوٰۃ و رحمت میں مغایرت ثابت ہے حیث قال واجیب بان
الصلوٰۃ الرحمۃ المقرونۃ بالتعظیم فھی اخص من مطلق الرحمۃ وعطف
العام علی الخاص کثیر مستعمل اور اس تقریر سے صاحب مواہب کا یہ اعتراض
بھی دفع ہو جاتا ہے کہ جب یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ
سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا یعنے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ
اللہ وبرکاتہ صلوٰۃ آپ پر کس طور پڑہیں فرمایا کہو اللّٰھُمَّ صل علی محمد آخر حدیث
سو اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت ہی ہوتے تو فرما دیتے سلام میں ہی تم نے اس کو بھی
جان لیا کیونکہ اس میں (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) موجود ہے۔ یہ اعتراض اس وجہ
سے دفع ہو سکتا ہے کہ رحمۃ اللہ سے مراد رحمت عامہ ہے اور صلوٰۃ سے
مراد رحمت خاصہ اور ضرور نہیں کہ عام کے معلوم ہونے سے خاص بھی معلوم ہو جائے

کما قال الزرقانی والجواب ما قد علم فسوالھم ول علی ان الصلوٰۃ
اخص من مطلق الرحمۃ پھر جب صلوٰۃ رحمت خاصہ کا نام ٹھیرا تو رحمت
کے ذکر سے صلوٰۃ کا ذکر لازم نہیں آتا کیونکہ جہاں خاص کا ذکر مقصود ہو
عام کا ذکر کافی نہیں جیسا کہ انسان کا ذکر جہاں مقصود ہو وہاں حیوان کہنا
درست نہ ہوگا اسی وجہ سے ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم کے ذکر کے وقت رحمہ اللہ تعالیٰ کہنا درست نہیں کما قال السخاوی فی
القول البدیع جزم ابن عبدالبر بالمنع فقال لا یجوز لاحد اذا ذکر
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقول رحمہ اللہ لانہ قال من صلی علی و
لم یقل من ترحم علی ولا من دعی لی وان کان معنی الصلوٰۃ الرحمۃ
ولکنہ خص ہذا اللفظ تعظیما لہ فلا یعدل الی غیرہ دلو بیدہ۔
قولہ تعالیٰ۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ
بَعْضًا اس تقریر سے پانچ اعتراض ابن قیم کے بھی دفع ہو گئے باقی رہا
چھٹا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ کی ہیئت ہرچند دعا کی
ہے مگر جب تکیف الصلوٰۃ کے جواب میں وہ ارشاد ہوا تو بحسب تعیین شارع
صلوٰۃ اسی کا نام ہوگا۔ اسی وجہ سے ان الفاظ مشروعہ کو کوئی پڑھ لے تو
صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا صادق آجائے گا نہ دعا لہ حالانکہ
وضع صیغہ دعا کے واسطے ہے نکتہ یہ امر ظاہر ہے کہ جس کام کا حکم حق تعالیٰ
نے فرمایا اس کے امتثال میں کوئی کام کیا جاتا ہے مثلاً نماز کے حکم پر قیام و
رکوع وغیرہ ادا کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم پر بھوکے پیاسے رہتے ہیں
بخلاف اس کے درود شریف پڑھنے کے لئے جب صَلُّوْا ارشاد ہوا تو کوئی کام
نہیں کیا جاتا بلکہ یہی کہا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ یہ تو بلاتشبیہ ایسا ہوا

جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے حکم کے جواب میں فقاتلا کہا یعنے تمہیں لڑلو وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عہدہ برائی اس کی کسی سے نہ ہوسکے گی فرمایا یہ کام اللہ تعالیٰ ہی کے تفویض کر دیا کرو یعنے تفویض کر دینا ہی صلوٰۃ ہو جائے گا اسی مسئلہ میں امام ابومنصور ماتریدی نے اپنی تفسیر مسمی بتاویلات القرآن میں اسی قسم کی تقریر کی ہے جس کی اجمالی تفصیل یہ ہے کہ ہر شئے کے لئے ایک حقیقت اور ہویت مختصہ حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ (پ) ایضاً قال وَكُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (پ) اور نظائر اس کے بہت ہیں جیسا کہ موت کی صورت دنبے کی ہے اور قیامت میں ذبح کیجائے گی۔ اور نیل و فرات کی حقیقت کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کما فی کنز العمال من البخاری رفعت الی سدرۃ المنتھیٰ منتھاھا فی السماء السابعۃ نبقھا مثل قلال ھجر و ورقھا مثل اذان الفیلۃ فاذا اربعۃ انھار نھران ظاھران و نھران باطنان فاما الظاھران النیل والفرات والباطنان نھران فی الجنۃ الحدیث یعنے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس میں نے دو نہریں دیکھیں دو ظاہر کی دو باطن کی ظاہر کی دو نہریں نیل و فرات ہیں اور باطن کی جنت میں دو نہریں ہیں اسی طرح ایک خزانہ ہے جس میں اچھے اچھے اخلاق رکھے ہیں کما فی الجامع الصغیر للسیوطی ان محاسن الاخلاق مخزونۃ عند اللہ تعالیٰ فاذا احب اللہ عبداً منحہ اخلقاً حسناً الحکیم عن العلاء بن کثیر مرسلاً ترجمہ روایت ہے علاء بن کثیر سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھے اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ

کے پاس مخزون ہیں جب کسی کو حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے تو اس کو کوئی اچھا خلق عنایت فرماتا ہے جامع الصغیر میں ہے الحمد للہ تملأ المیزان والتسبیح والتکبیر یملأ السموات والارض والصلوٰۃ نور الحدیث حمن ھ حب ابی مالك الاشعری ترجمہ۔ فرمایا حضرت نے الحمد للہ میزان کو بھر دے گا اور تسبیح و تکبیر آسمانوں کو اور زمین کو بھر دیتی ہیں اور نماز نور ہے جیسا کہ زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے واخرج احمد وابن حبان والضیاء برجال الصحیح عن جابر مرفوعًا اتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق جاءنی بہ جبریل علیہ قطیفۃ من سندس یعنے میرے پاس دنیا کی کنجیاں لائی گئیں جن کو جبرئیل علیہ السلام ابلق گھوڑے پر میرے پاس لائے اور اس قسم کی روایتیں بکثرت موجود ہیں حاصل یہ کہ حق تعالےٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و موجود ہے لیکن بعضوں کا وجود اس عالم میں محسوس ہے اور بعضوں کا محسوس نہیں اور ہر حقیقت دوسری سے ممتاز ہے بہ تشخص خاص۔

قیامت کے دن ایمان شرک حاضر ہوں گے حلاوۃ کی تشریح

مذکورہ احادیث کے علاوہ یہ حدیث بھی اس پر دلیل ہے جو کنز العمال میں ہے اذا کان یوم القیمۃ جاء الایمان والشرك یجثوان بین یدی الرب فیقول للایمان انطلق انت واھلك الی الجنۃ فی تاریخہ عن صفوان بن عسال ترجمہ روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے روز ایمان اور شرک حاضر ہوں گے اور حق تعالیٰ کے روبرو دو زانو بیٹھ جائیں گے ایمان کو ارشاد ہوگا کہ:۔ تو اپنے اہل کے ساتھ جنت میں چلا جا۔

اسی طرح درود شریف کا بھی حال سمجھنا چاہیئے کہ ایک شے ممتاز ہے اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں اور نہ ادراک اس کا حواس جسمانیہ سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے متعلق ہے اور تعجب نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ بھی لیتے ہوں کیونکہ ملکوت وغیرہ عوالم کی اشیا جن تک خیال کی رسائی دشوار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس تھیں۔ اس سے بڑھکر کیا چاہیئے کہ قیامت کی اشیا کو یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ کما فی الفردوس لدیلمی عن جابرٍ اَنَّ اللہَ رَفَعَ لی بیتَ المَقدَسِ وَ انا عند الکعبۃِ فجعلتُ انظرُ الیہِ والیٰ ما فیہ ولقد رَاَیتُ جہنّمَ واھلھا فیھا واھلَ الجنۃِ فی الجنۃِ قبلَ اَن یَدخُلوھا کما اَنظرُ الیکُم یعنے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس روبرو میرے کیا گیا جس کو میں دیکھ رہا تھا اور قبل اس کے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں میں ان کو اپنے اپنے مقامات میں دیکھ لیا ہوں جس طرح تم کو دیکھتا ہوں وفی المواھب روی الشیخان من حدیث عقبۃ ابن عامر قال صلی رَسُولُ اللہِ صلے اللہُ عَلیہِ وَسَلّمَ علیٰ قتلیٰ اُحدٍ بعدِ ثمانِ سنین کالمُوَدِّعِ للاَحیاءِ وَالاَموَاتِ ثم طَلَعَ المنبرَ فقالَ اِنّی بینَ اَیدیکُم فرطٌ وَاَنا علیکُم شَھیدٌ وَاِنَّ مَوعِدَکُم الحوضُ وَاِنّی لانظرُ الیہِ وَانا فی مَقامی ھذا وَاِنّی قد اُعطیتُ مَفاتیحَ خزائنِ الارضِ الحدیث۔ ترجمہ۔ نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد جیسا کہ کوئی رخصت کرتا ہے زندوں اور مردوں کو پھر چڑھے حضرتؐ منبر پر اور فرمایا۔ میں تمہارے لئے میر منزل ہوں اور تمہارا شاہد ہوں اور

ہمارے اور تمہارے ملنے کی جائے حوض ہے جس کو میں اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھ کو دی گئیں۔

اور سوا اس کے اس دعویٰ پر اور بہت سی دلیلیں ہیں۔ الغرض صلوٰۃ کا ادراک و احساس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے دوسرا اس پر واقف ہو نہیں سکتا جیسا کہ کور مادرزاد سیاہ و سفید پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ اور مثال اس کی ایسی سمجھنا چاہیئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال یعنے درپے روزے بلا افطار رکھنا شروع کئے صحابہؓ نے بھی اتباع کا قصد کیا ارشاد ہوا کہ مجھکو اپنے پر قیاس مت کرو کھلاتا ہے مجھکو میرا رب اور پلاتا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے عن ابی سعید الخدریؓ انہ سمع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقولُ لاتواصلوا فایکم اراد ان یواصل فلیُواصل حتی السحر قالوا فانک تواصل یا رسولَ اللہِ قال لستُ کھیئتکم انّی ابیتُ لی مُطعم یُطعمنی وساقٍ یَسقین۔ وفی روایۃ منہ یُطعمُنی ربی ویسقینِ اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے یا پانی کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور "لست کھیئتکم" وغیرہ کیوں فرماتے۔ ایسا ہی صلوٰۃ کا ادراک و احساس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے اور تعجب نہیں کہ وقرۃ عَینی فی الصلوٰۃ سے اسی کے طرف اشارہ ہو اگرچہ اکثر محدثین نے معنی اس کے نماز کے لئے ہیں مگر اس پر کوئی قرینہ نہیں بخلاف معنی درود کے کہ اس پر یہ حدیث قرینہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی مامن عبدٍ یُصلّی علی الّا عرج بھا ملک حتی یجیی بھا وجاہ الرحمٰن فیقولُ اللہُ عزوجلّ اذھبوا بھا الی قبرِ عبدیِ یستغفرُ لقائلھا وتقرّبھا عینہ الدیلمی عن

عائشہ کذا فی کنز العمال یعنے درود جب حق تعالیٰ کے پاس گزرانا جاتا ہے تو فرماتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کو لے جاؤ تا اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اسی وجہ سے بعضوں کا مذہب یہی ہے کہ مراد قرۃ عینی فی الصلوٰۃ سے درود ہے کما قال القسطلانی فی مسالک الحنفا معنے قرۃ عینی فی الصلوٰۃ فی حدیث حُبّب لی من دنیاکم ثلاث النساء والطیب و جُعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ الصلوٰۃ التی ذِکرُھا فی

قولہ تعالیٰ اِنّ اللّٰہَ وملٰئِکَتَہٗ عند بعضٍ

یہ تو اللہ تعالےٰ کی صلوٰۃ کا حال تھا اب رہی صلوٰۃ ملائکہ اور مومنین سو محدثین نے لکھا ہے کہ مراد اس سے استغفار و دعا ہے وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ یعنے رحمت خاصہ کا خزانہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی کو اس میں دخل نہیں۔ خیر خواہوں کا کام صرف دعاگوئی ہے۔ اور وہ بھی صرف اس غرض سے کہ ہم بھی دعاگو رہیں ورنہ پیاپے رحمت خاصہ کا اترنا بغیر دعا کے ہمیشہ جاری ہے جیسا کہ خود حق تعالیٰ اس آیہ شریفہ میں بصیغہ استمرار اس کی خبر دیتا ہے۔ مگر چونکہ اس دعا و استغفار پر بھی صلوٰۃ ہی کا اطلاق فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس صلوٰۃ کی صورت دعائیہ کو بدل کر اسی صلوٰۃ کی صورت میں جلوہ گر فرماتا ہے جو مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور کچھ مستبعد نہیں۔ کیونکہ جب ایمان لانے والوں کی سیئات کی صورت کو بدل کر حسنات کی صورت میں جلوہ گر کرتا ہے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دعا کی صورت کو ان کی خوشنودی کے واسطے بدل دینا مالک کن فیکون کے نزدیک کونسی بڑی بات ہے

دیکھ لیجیے سیات کو حسنات بنا دینا اس آیہ شریفہ سے ثابت ہے قال
تعالےٰ۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ
یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔
(ترجمہ۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک
اپ
پس بدل دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ اور
اللہ غفور و رحیم ہے اس صورت میں تینوں صلوات کی صورت با تنال
ایک ہی ہو گی۔ اس پر یہ بھی قرینہ ہو سکتا ہے کہ جب آیہ صلوٰۃ نازل
ہوئی صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ سلام کی کیفیت تو ہمیں معلوم
ہوئی صلوٰۃ کا کیا طور ہوگا چنانچہ درمنثور وغیرہ اکثر کتب میں اس مضمون
کی روایتیں وارد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے واخرج ابن ابی سعید
واحمد وعبد بن حمید والبخاری والنسائی وابن ماجۃ وابن مردویہ
عن ابی سعید الخدری قال قلنا یا رسول اللہ ھذا السلام علیك
قد علمنا فکیف الصلوٰۃ قال قولوا اللّٰھم صل علیٰ محمد عبدك
ورسولك کما صلیت علیٰ آل ابراہیم وبارك علیٰ محمد وعلیٰ آل
محمد کما بارکت علیٰ ابراہیم۔ کذا فی الدر المنثور للسیوطی فی تفسیر
آیہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ اس سے معلوم ہوا کہ صلّوا سے مراد صحابہ نے دعا
سمجھی ورنہ ہر شخص دعا گوئی میں مصروف ہو جاتا استفسار کی وجہ یہی ہوگی
کہ رحمت نازل کرنا تو خاص اللہ تعالےٰ کا کام ہے اس امر کا امتثال ہم
سے کیونکر ہو سکے ارشاد ہوا کہ تمہارا کام اتنا ہی ہے کہ ان الفاظ کو
کہہ دیا کرو اس تقریر سے ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا
مطلب بھی معلوم ہو گیا جو ابھی مذکور ہوا اور وہ اشکال بھی دفع ہو گیا جو

قسطلانی نے شرح بخاری میں وارد کیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ میں
لفظ اللہ کی خبر محذوف ہے یا اللہ وملئکتہ دونوں کی خبر یُصَلُّوْنَ
ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ یصلون دونوں کی خبر ہو کیونکہ اللہ کی صلوٰۃ کچھ اور ہے
ملئکہ کی کچھ اور ایک لفظ کا استعمال دو معنے مختلف میں وقت واحد میں
درست نہیں۔ اور اگر کہا جاوے کہ لفظ اللہ کی خبر محذوف ہے یعنی یصلی
اور یصلون ملئکہ کی خبر ہے تو وہ بھی درست نہیں اس لئے کہ نحو میں تصریح
ہو چکی ہے کہ جب معنی دو خبروں کے جدا جدا ہوں تو اس وجہ سے کہ دوسری
خبر محذوف پر دلالت نہیں کرتی ایک کو حذف کرنا درست نہیں اگرچہ لفظ
دونوں کا ایک ہو جیسے زید ضارب وعمرو میں اگر محذوف ضارب سے چلنے
والا مراد ہو یعنے مسافر اور مذکور سے مارنیوالا کما قال القسطلانی فی شرح
البخاری - اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ اُخْتُلِفَ هَلْ يُصَلُّوْنَ
خبرٌ عَنِ اللّٰهِ وَملائكتِهٖ وَعَنِ الملٰئكةِ فقط وخبرُ الجلالةِ محذوفٌ
لِتَغَايُرِ الصلاتَيْنِ صلوٰةَ اللّٰهِ غيرِ صلوتهم اَىْ اِنَّ اللّٰهَ وملٰئكة
يُصَلُّوْنَ اِلَّا اَنَّ فيه بحثًا وذلك اَنَّهُمْ نصُّوْا على اَنَّه اِذا اخْتَلَفَ
مدلولا الخبرَيْنِ فلا يجوزُ حذفُ احدِهما لِدلالةِ الآخرِ وان كانا
بلفظٍ واحدٍ فلا تقولُ زيدٌ ضاربٌ وعمرٌو يعنے وعمرٌو ضاربٌ
فى الارضِ اے مسافرٌ وجہ دفع اشکال یہ ہے کہ تینوں صلوٰۃ حقیقت میں
ایک ہیں اور مصداق سب کا ایک ہی قسم کا ہے۔ نہ مختلف **نکتہ** آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین فرمایا ہے تو گویا ذات مبارک
منبع رحمت ہے کہ تمام عالموں سے متعلق رحمتوں کا اضافہ یہیں سے ہوتا ہے
اس لئے صلوٰۃ ورحمت الٰہی پیارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی

ہے تا اُدھر سے استفادہ اور اِدھر سے افاضہ برابر جاری رہے۔
فائدہ اس آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ یعنے اُس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں اور آدم علیہ السلام کے سجدہ کے باب میں فرمایا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ یعنے تمام فرشتوں نے اُن کو سجدہ کیا۔ اہل مذاق وجدان سلیم سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس اضافت وترک اضافت میں کس قدر لطف رکھا ہے امر وجدانی تو بیان میں آنہیں سکتا مگر بحسب ظاہر ہر شخص اس قدر سمجھ سکتا ہے کہ اس اضافت میں کوئی معنی زاید ایسے ہوں گے جو صرف ملائک کہنے میں نہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اضافت تعریف یا تخصیص کے واسطے ہو جیسے غلام زید میں۔ کیونکہ زید کے سوائے دوسروں کے بھی غلام ہوتے ہیں تو غلام زید سے فائدہ تعریف یا تخصیص کا ہوگا بخلاف ملائکہ کے اس لئے کہ سب فرشتے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں کسی دوسرے کے نہیں پس "ملائکتہ" کہنے سے نہ تعریف ہوئی نہ تخصیص۔ بلکہ اس اضافت سے یہ معلوم ہوا کہ جس فرشتہ کو نسبت حق تعالیٰ کے طرف ہے یعنے تمام فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرتے ہیں اور اس حکم سے کوئی فرشتہ مستثنےٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ جو مستثنیٰ ہوگا اس سے یہ نسبت جاتی رہے گی اور یہ محال ہے۔ پھر یہ بات ظاہر ہے کہ سب فرشتے اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں باوجود اس کے جب نسبت اپنی طرف فرمائی تو معلوم ہوا کہ صرف عزت افزائی ان کی اس نسبت سے مقصود ہے جیسے فرماتا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ یعنے جب شیطان نے آدمیوں کو گمراہ کرنے پر اپنی آمادگیاں ظاہر کیں ارشاد ہوا کہ میرے بندوں پر تیرا کچھ غلبہ نہیں حالانکہ سب بندے اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ تو جیسے "عبادی" کی اضافت سے شرافت ان عباد کی ظاہر ہوتی ہے جو دام میں شیطان کے نہیں آتے ویسا ہی ملائکتہ کی اضافت سے

شرافت ان ملائک کی ظاہر ہوتی ہے جو درود پڑھتے ہیں۔ اور شرافت کی وجہ یہی
ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی نسبت ان کی طرف
کی گئی ورنہ یہی ملائک ہیں جن کا ذکر فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ میں بھی کیا گیا ہے
کچھ ایسے طور پر کہ جس سے کوئی شرافت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیوں نہو حبیب
کا خیرخواہ بھی اپنا ہی سمجھا جاتا ہے الحاصل وملٰئکتہ یصلون کا یہ مطلب ہوا کہ
جتنے فرشتے عالم علوی اور سفلی میں ہیں سب کے سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ
درود پڑھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو وہ فضیلت وخصوصیت عطا ہوئی کہ جس
کا عوض مذہب عشاق میں شاید جان بھی فدا کریں تو نہ ہوسکے کیونکہ عشاق اس بات
کو خوب جانتے ہیں کہ محبوب جب کسی عاشق کو اپنا کہدے تو اس کی کیا حالت ہوگی
غرض "وملٰئکتہ" میں جو باتیں رکھی ہوئی ہیں "فسجد الملٰئکۃ" میں نہیں ہیں۔ فائدہ تعداد
وتمام ملائک کی جو ہمیشہ درود شریف کے پڑھنے میں مشغول ہیں حق تعالیٰ ہی
جانتا ہے کہ کس قدر ہے چنانچہ مصرح ارشاد ہے وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ
ترجمہ نہیں جانتا ہے آپ کے پروردگار کے لشکروں کو کوئی سوائے اس کے۔
مزید توضیح کے واسطے یہاں چند حدیثیں ذکر کیجاتی ہیں جن سے یہ بات ثابت
ہو جائے گی کہ شمار فرشتوں کا حد سے باہر ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو امام سیوطیؒ
نے حبائک میں ذکر کیا ہے واخرج ابو الشیخ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ يَنْزِلُ
مَعَ الْمَطَرِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اَكْثَرُ مِنْ وُلْدِ آدَمَ وَ اِبْلِيْسَ يُحْصُوْنَ كُلَّ قَطْرَةٍ
وَاَيْنَ يَقَعُ وَمَنْ يُرْزَقُ ذٰلِكَ النَّبَاتَ ترجمہ:۔ یعنے پانی کے ساتھ اس قدر
فرشتے اترتے ہیں کہ ان کی تعداد آدمیوں اور جنات سے بڑھی ہوئی ہے وہ ہر قطرہ
کو شمار کرلیتے ہیں اور یہ بھی معلوم کرلیتے ہیں کہ وہ کہاں گرے گا اور اس سے
جو سبزی پیدا ہوگی کس کا رزق ہے۔

اور ایک یہ ہے جو عجائب ہی میں مذکور ہے واخرج ابو الشیخ من طریق مجاہد عن ابن عباسٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس من خلق اللہِ اکثر من الملٰئکۃِ ما من شیئٍ ینبت اِلّا ملکٌ موکّلٌ بھا۔

ترجمہ:۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مخلوق خدا کی فرشتوں سے زیادہ نہیں ہے کوئی نبات ورد نیا کی ایسی نہیں کہ جس پر ایک فرشتہ موکل او رمتعین نہیں

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام عالم میں جس قدر موجودات ہیں سب سے زیادہ فرشتے ہیں اور خصائص کبریٰ میں سیوطیؒ نے روایت کیا ہے واخرج الترمذی وابن ماجہ وابونعیم عن ابی ذرؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنّی اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون اطّت السماء وحق لہا ان تئط لیس فیہا موضع ربع اصابع اِلّا وملکٌ واضع جبہتہٖ ساجداً ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان بوجھ کے سبب سے چرچراتا ہے اور یہ بات اس کو سزاوار ہے کیونکہ اس میں کوئی چار انگل کی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ پیشانی رکھے ہوئے سجدہ میں نہو۔

حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے عن عبد اللہ بن عمر اَنّ اللہ تعالیٰ جزّء الخلق عشرۃ اجزاءٍ فجعل الملٰئکۃ اجزاءً وسائر الخلقِ جزءً ترجمہ روایت ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ حق تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے دس حصے کئے نو حصے فرشتے بنائے اور ایک حصہ تمام مخلوقات۔

اور سوا اس کے کئی حدیثیں ہیں جن سے یہ بات ثابت ہے کہ ملائک اس کثرت سے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں اگر اس کی تفصیل پر مطلع ہونا ہو تو الحبائک فی اخبار الملائک "جو خاص ملائک ہی کے احوال میں

امام سیوطیؒ نے لکھی ہے اس کو دیکھ لیجئے حاصل یہ ہے کہ اس قدر مقربان بارگاہ الٰہی جن کی تعداد تمام عالم کے موجودات سے کئی حصہ بڑھ کر ہے ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں مصروف ہیں اور خود حق تعالیٰ ہمیشہ کے لئے اس کام میں اپنی مشغولی بلا کیف ظاہر فرماتا ہے تو تھوڑے سے آدمیوں کا درود وہاں کس قطار و شمار میں ہو سکتا ہے مگر زہے شان "رحمۃ للعالمینی" کہ باوجود اس کے امیتوں سے اس تحفہ محقرہ کی درخواست فرماتے ہیں اور وہ بھی کس خوبی کے ساتھ کہ اگر تم ایک بار درود پڑھو گے تو خدائے تعالیٰ تم پر ستر بار درود بھیجے گا اور تمام فرشتے تمہارے حق میں دعا کریں گے اور کل حاجتیں دینی و دنیاوی تمہاری روا ہوں گی۔ اگر انصاف ہو تو معلوم ہو کہ یہ صرف بندہ نوازی ہے ورنہ "چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک" وہاں یہ تحفہ محقرہ کس قطار و شمار میں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہِ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمادیں اور اس کی کچھ پروا نہ کی جاے پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفانہ ایسی دلیلیں قایم کی جائیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت کے موافق عمل کیا جاوے تو اس میں قباحتیں لازم آئیں گی نعوذ باللہ من ذلک واقع میں اُدھر سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں مگر ادھر جب تنگی حوصلہ ہو اور قابلیت و استعداد نہو تو اس کا کیا علاج سچا ہے :: طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست ÷ الٰہ العالمین جیسا تو نے اپنے حبیب کو ہماری خیر خواہی کی طرف متوجہ فرمایا ایسا ہی انہیں کے طفیل سے ہمیں فہم سلیم بھی عطا کیجو کہ ان کی نوازشوں اور خیر خواہیوں کو سمجھیں اور تیری اور اُن کی قدر کریں۔

اب ہم ذرا ان حضرات سے پوچھتے ہیں (جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضرور نہیں) کہ کیا آپ نے کچھ اللہ تعالیٰ کی بھی قدر کی ہے یا وہ بھی صرف دعویٰ زبانی ہے کیونکہ اس آیہ شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کس قدر ہوگی جو ہمیشہ کے لئے ان پر اپنا صلوٰۃ بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔ پھر اگر عظمت حق تعالیٰ کی مسلم ہے تو چاہئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہوتی برخلاف اسکے جب تعظیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق آگیا تو معلوم ہوا کہ اور مثال اسکی جو قدردانیاں اور عزت افزائیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ نے فرمائی ہیں اسکی کچھ وقعت نہیں۔ اور یہ بالکل منافی دعوئ عظمت کبریائی ہے۔ میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہ ہوگا کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان نے جو آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس نے اپنے زعم میں حق تعالیٰ کی عظمت خوب جمارکھی تھی کہ کسی کی عظمت کو اس کے دل میں مطلقاً جا نہ تھی۔ مگر جب حق تعالیٰ نے ان کا مرتبہ ظاہر فرمایا اور اس نے ان کی بے قدری کی اور معظم نہ سمجھا صرف اسی وجہ سے مردود ٹھیرا۔ اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ گو حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعوے تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا اور اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے جیسا ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ مگر بت پرستی اور لوازم اس کے اس قول کو ان کے باطل کئے دیتے تھے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں

گر بہ پرسی گبر را کایں آسماں ؎ آفریدہ کیست وین خلق جہاں

ترجمہ:- اگر آتش پرست سے پوچھیں کہ آسمان اور یہ ساری کائنات کس نے پیدا کی

گوید آنہا آفریدہ آں خداست ؎ کافرینش بر خدائیش گواست

ترجمہ:- تو وہ کہے گا کہ یہ سب اسی خدا کی تخلیق ہے اور یہ تخلیق اس کی خدائی کی گواہ ہے

کفر و ظلم و ستم بسیار او ۔۔ نیست لائق با چنیں اقرار او

ترجمہ:۔ اس کا اس قدر کفر اور ظلم و ستم   اس اقرار کے لائق نہیں ہے

فعل او کردہ دروغ آں قول را ۔۔ باشد او لائق عذاب ہول را

ترجمہ:۔ اس کے عمل نے اس کے قول کو غلط ثابت کیا ہے   اس لئے وہ مستحق عذاب ہے

اسی طرح جس کے دل میں درود شریف کی وقعت نہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (جس کا ذکر قریب آتا ہے) کہ جو شخص ایک بار درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے حق تعالیٰ اس پر دس بلکہ ستر درود بھیجتا ہے۔ اب دیکھئے کہ جس کے نزدیک حق تعالیٰ کے صلوٰۃ کی کچھ بھی وقعت ہوگی تو درود شریف کی ضرور اس کو رغبت ہوگی۔ اور جب درود شریف پر رغبت نہیں جس کی وجہ سے صلوٰۃ الٰہی حاصل ہوسکے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الٰہی کی اس کو کچھ قدر نہیں ایسی ہی باتوں سے شاید حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

فائدہ علماء رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے کہ یُصَلُّوْنَ کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع ہے یا صرف ملائکہ کی طرف۔ امام قرطبیؒ نے اپنے تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کا قول ہے یُصَلُّوْنَ کی ضمیر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف راجع ہے مقصود اس سے فرشتوں کو شرافت دینا ہے کہ ایک کام کی [illegible] اور نسبت ایک ہی صیغہ سے اپنے اور ان کی طرف ہو یہ بڑی تشریف و تکریم ہے کہ اس امر خاص پر جو صیغہ دلالت کرتا ہے اس میں حق تعالیٰ نے ان کو اپنے ساتھ جمع فرمایا یہاں اگر کوئی اعتراض کرے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ کسی خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں خطبہ پڑھا جس میں یہ الفاظ تھے ومن یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فقد غوی یعنے جس شخص نے

خدا اور رسول کی اطاعت کی راہ راست پائی اور جس نے ان دونوں کی
نافرمانی کی گمراہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو برا خطیب ہے۔
ومن یعص اللہ ورسولہ فقد غوی کہہ مقصود یہ کہ ایک ضمیر میں خدا اور
رسول کو جمع کرنا نہ چاہئے اس صورت میں یصلون کی ضمیر خدائے تعالےٰ اور
ملائک کی طرف پھیرنا کیونکر درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالےٰ
مختار ہے عدم جواز کا حکم وہاں جاری نہیں ہوسکتا اور ایک جماعت کا یہ
قول ہے کہ ضمیر یصلون کی صرف ملائکہ کی طرف راجع ہے اور خبر لفظ اللہ کی
محذوف ہے یعنے "ان اللہ یصلی" اس صورت میں اجتماع اللہ اور ملائکہ کا ایک
ضمیر میں لازم نہیں آتا جس کی ممانعت ہے جماعت اولیٰ کا ایک جواب یہ بھی
ہے کہ جمع مذکور مطلقاً ممنوع نہیں۔ رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب
کو لفظ یعصہما سے منع فرمایا سو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ ایک ضمیر میں اللہ
اور رسول کو اس نے جمع کیا تھا بلکہ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس نے ومن یعصہما پر
سکوت جمع کیا تھا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے نافرمانی خدا اور رسول کی
کی وہ بھی راہ راست پر ہے چنانچہ ابو داؤد نے عدی بن حاتم سے روایت
کیا ہے اِنَّ خطیباً خطب عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ومن
یُطِعِ اللہَ ورسولہٗ فقد رشد ومن یعصہما فقال قم بئس الخطیب
انتہیٰ لیکن اس کا جواب ہوسکتا ہے کہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ
ضمیر تثنیہ ہی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب کو زجر فرمایا
تھا کیونکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد زجر کے فرمایا کہ ومن یعص
اللہ ورسولہ کہہ اور اگر وقف وسکوت کی وجہ سے زجر مقصود ہوتا تو فرماتے
ومن یعصہما فقد غوی متصل کہہ انتہیٰ ملخصاً

ملخصاً اگرچہ امام قرطبیؒ نے اس مقام میں طویل وعریض بحث کی ہے جیساکہ معلوم ہوا مگر ہنوز اس میں نظر کو گنجایش ہے اس لئے کہ مسلم شریف کی روایت باوجود معارض ہونے روایت ابی داؤد کے اگر مسلم بھی ہو تو اس سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ ایک ضمیر میں خدا و رسول کو جمع کرنا درست نہیں۔ اس لئے کہ جایز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس خطیب کو (اس وجہ سے کہ قریب العہد بشرک ہے) جمع کرنے سے منع فرمایا ہو تو یہ منع کرنا ایک مصلحت خاص کی وجہ سے ہو گا نہ عموماً جیساکہ ابتدائے زمانہ حرمت خمر میں ظروف خمر یعنے دبا حنتم نقیر اور مزفت کا استعمال ممنوع تھا اس وجہ سے کہ اُن سے شراب یاد آتی تھی پھر بعد ایک زمانہ کے جب خمر سے نفرت پیدا ہوگئی استعمال اُن ظروف کا جایز کردیا گیا چنانچہ حرمت اور اجازت کی روایتیں صحاح میں موجود ہیں اور دلیل اس بات کی کہ کسی دوسری وجہ سے خاص اُس خطیب کو ومن یعصہما کہنے سے منع فرمایا تھا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ایسے صیغوں کو استعمال فرمایا ہے چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے عن ابی ذرؓ قال قُلتُ یارَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما الایمانَ قالَ اَن تشھدَ اَن لا اِلٰہ اِلّا اللہُ وحدہٗ لاشریکَ لہٗ وَاَنَّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ وان یکون اللہُ ورسُولہٗ اَحبَّ الیکَ مِما سِواھما الحدیث رواہ احمد فی مسندہ ترجمہ۔ یعنے ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے فرمایا یہ کہ گواہی دو توحید ورسالت کی اور یہ کہ اللہ اور رسولؐ کی محبت تمام چیزوں سے زیادہ ہو دیکھئے سواہما کی ضمیر خدائے تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف پھرتی ہے۔ بلکہ خود لفظ من یعصہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ ابوداؤد میں ہے عن ابنِ مسعودٍ اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کان اذا تشھد قال الحمد للہ نستعینہ و نستغفرہ و
نعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل
فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و
رسولہ ارسلہ بالحق بشیرا و نذیرا بین یدی الساعۃ من یطع
اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ ولا
یضر اللہ شیئا وعن یونس انہ سال ابن شھاب عن تشھد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ فذکرہ نحوہ وقال ومن یعصھما
فقد غوی الحدیث رواھما ابوداؤد ترجمہ روایت ہے ابن مسعودؓ سے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو اس میں فرماتے ومن
یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ اور ایک روایت ومن یعصھما فقد غوی ہے
انتھی ملخصا ان حدیثوں سے یہ بھی بات ثابت ہے کہ یہ خطبہ ہمیشہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الحذر میں اور
ابن عساکر نے تاریخ میں موسی ابن عقبہ سے خطبہ طولانی نقل کیا ہے جس میں یہ
الفاظ بھی موجود ہیں۔ ومن یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن
یعصھما فقد ضل ضلالا مبینا ذکرہ فی کنز العمال جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کا ومن یعصھما ہمیشہ خطبہ میں پڑھنا ثابت ہے تو
یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ضمیر میں جمع کرنا درست
نہیں فائدہ اہل عربیت کے نزدیک مسلم ہے کہ جملہ میں ثبوت محکوم بہ کا محکوم علیہ
کیلئے ہوا کرتا ہے خواہ وہ جملہ فعلیہ ہو خواہ اسمیہ لیکن جملہ اسمیہ میں بہ نسبت فعلیہ
کے دو باتیں زائد ہوتی ہیں ایک اس ثبوت کی تاکید دوسرا اس کا دوام چنانچہ
سعد الدین تفتازانی نے مختصر معانی میں لکھا ہے الجملۃ الاسمیۃ تفید تاکید الثبوت

و دوام اس سے ثابت ہوا کہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ سے تاکید اس
امر کی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ
درود بھیجتے ہیں۔ یہ مفاد صرف جملہ اسمیہ کا ہوا۔ پھر مسند یعنے یصلون کے فعل
مضارع ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فعل مسند الیہم سے آناً فاناً صادر ہوتا جاتا
ہے کہ کما قال ابن حجر فی الدر المنضود ولما افاد الجملۃ الدوام لکونہا
اسمیۃ کذلک تفید التجدد ونظر الخبرھا کما قالوا فی اللّٰہ یستھزئ
بھم وکما قال القسطلانی فی شرح البخاری تحت الآیۃ الموصوفۃ
وخبر بصیغۃ المضارع لیدل علی الدوام والاستمرار۔ غرض
استمرار صلوۃ کا دو طور سے ثابت ہوا ایک بدلیل جملہ اسمیہ۔ دوسرا اس وجہ
سے کہ فعل مضارع خبر ہے اور اس کی تاکید بھی جملہ اسمیہ ہونے کے سبب سے ہو گئی
جب اللہ تعالیٰ نے کلام قدیم میں اپنے اور ملائکہ کے ہمیشہ درود بھیجنے پر ایسے
قرائن قائم کر دیے تو اب کون مسلمان ہوگا کہ باوجود اس کے اس میں تردد یا انکار
کرے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس پر بھی کفایت نہ کر کے اس جملہ کو لفظ اِنَّ کے ساتھ
موکد فرمایا جو تردد اور انکار کے دفع کرنے کو لایا جاتا ہے۔ کما فی التلخیص وان
کان المخاطب متردداً فی الحکم طالباً لہ حسن تقویتہ بموکد و
ان کان منکراً وجب توکیدہ بحسب الانکار۔ اب یہاں دیکھنا
چاہیئے کہ وہ کون لوگ ہوں گے جن کا تردد اور انکار اس کلام قدیم میں ملحوظ
ہوا۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ زمانہ نزول آیہ شریفہ میں یا اہل ایمان تھے یا منافق
یا کفار۔ کفار و منافقین تو اس خطاب میں شریک ہی نہیں اس لئے کہ مخاطب اہل ایمان
ہیں جو یا ایھا الذین امنوا کے ساتھ ندا کیے گئے ہیں۔ اب رہے اہل ایمان
یعنے صحابہ بفضلہ تعالیٰ ایمان ان حضرات کا اس درجہ قوی تھا کہ اگر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو کوئی خبر دیتے تو بلا تردد مان لیتے تھے چہ جائیکہ
خود حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں خبر دے اور ان کو تردد ہو شان صحابیت
ہرگز اس کو قبول نہیں کر سکتی غرض اُن کا حال بھی مقتضی تاکید نہ تھا جب
تینوں اصناف موجودہ کے لحاظ سے تاکید نہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ سوائے اُن کے کوئی
اور لوگ ہوں گے جن کا لحاظ اس تاکید میں کیا گیا اور یہ ممکن نہیں کہ بغیر لحاظ
کسی کے تردد اور انکار کے اس کلام بلیغ معجز میں تاکید لائی گئی ہو۔ اگرچہ مصداق
اُن کا معین کرنا ہمارا کام نہیں۔ مگر ہر شخص کا ذہن بادنے تامل اُنہیں آخری زمانے
کے مسلمانوں کی طرف متبادر ہوگا جن کا ایمان قرآن شریف پر تو ہے۔ مگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحق ایسے مدارج عالیہ کے نہیں سمجھتے فی الحقیقت بیکمال
عنایت حق تعالیٰ کی ہے کہ تنبیہ فرما دیا۔ تا سمجھ جائیں کہ جب اس درجہ کی
اعتنا بالشان اور مشغول دائمی اپنی اور ملائک کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی صلوٰۃ میں اس اہتمام سے بیان فرماتا ہے تو کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی ہم لوگوں کے دلوں میں متمکن ہونا چاہئے۔ اگر اس پر بھی عقیدہ کو
کچھ حرکت نہ ہو تو بارگاہ لاابالی میں کیا پرواہ وہاں تو نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی کا عمل
جاری ہے **فائدہ** جب حق تعالیٰ نے کمال عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اور اہتمام صلوٰۃ عالم ملکوت میں اور استمرار اپنی صلوٰۃ کا صراحۃً اور کنایۃً
ہر طرح سے فرما دیا۔ عنایات ازلی نے جوش کیا اور توجہ اس طرف ہوئی کہ حضرت
امتی بھی اس دولت عظمیٰ اور ذریعہ قصویٰ سے بے نصیب نہ رہیں اول اُن کو
یا ایّھا کہہ کر خواب غفلت سے جگایا تاکہ ہوشیار ہو جاویں اور بگوش جان سنیں
کیا ارشاد ہوتا ہے کیونکہ اہل عربیت نے تصریح کی ہے کہ لفظ ایّھا تنبیہ کے
واسطے ہے اہل ایمان تو پہلے ہی سے مستعد اور مشغول تھے چنانچہ بشیر اس کا حال

معلوم ہوچکا اس پر یہ تنبیہ گویا تازیانہ شوق ہوگئی اب تو یہ حضرات بیخود ہیں اور مارے خوشی کے اپنے میں سماتے نہیں۔

اول تو یہ خوشی کہ اپنے ہدیہ محقرہ کو بھی ایسی صلاحیت عطا ہوئی کہ بارگاہ باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرانا جا سکے۔ اور اس پر یہ سرفرازی کہ ایسے امر میں اشتغال مطلوب ہے جس کے طرف حق تعالیٰ اپنی توجہ دائمی ظاہر فرماتا ہے اس حسن خطاب کا لطف وہی حضرات جانتے ہیں جن کے دل ایمان اور محبت خدا و رسولؐ سے مالامال ہیں۔

فائدہ۔ جب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ یہ باوقعت کام یعنے تحفہ صلوٰۃ بارگاہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں گزرانا جن و انس سے بھی لیا جاوے تو اُن میں سے اعلیٰ درجہ کے افراد منتخب کر کے خطاب فرمایا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ ۔ کیونکہ مومنین وہ باوقعت اور معزز لوگ ہیں کہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک اُن سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں چنانچہ کنز العمال میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ طص عن ابن عمر ذکر فی کنز العمال وعن انس قال قال رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ ابن النجار ذکرہ فی کنز العمال ۔ ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملائکہ مقربین سے اور ہر چیز سے زیادہ تر بزرگ ہے اور ابن ماجہ میں روایت ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَطُوْفُ بِالْکَعْبَۃِ وَیَقُوْلُ مَا اَطْیَبَکِ وَاَطْیَبَ رِیْحَکِ مَا اَعْظَمَکِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَکِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ (صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) بِیَدِہٖ لَحُرْمَۃُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ

لله احرمة منك ماله ودمه وان نظن به الا خيراً ترجمہ۔ عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ عین طواف خانہ کعبہ میں فرماتے تھے کہ کیا اچھا ہے تو اور تیری خوشبو اور کیا عظمت ہے تیری اور تیرے حرمت کی خدا کی قسم مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

لحفاً اور اہلِ ایمان کی شان میں صدیقین و شہدا کا لقب وارد ہے چنانچہ تفسیر درمنثور میں امام سیوطیؒ نے کئی حدیثیں اس مضمون کے نقل کی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے۔ واخرج ابنُ جرير عن البراء بن عازب سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مُؤمِنو اُمَّتِي شهداء ثم تلا النبي صلى الله عليه وسلم وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ ترجمہ۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے میری امت کے مومنین شہدا ہیں پھر پڑھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والذین آمنوا الآیہ۔ یعنے جو لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائے وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیقین و شہدا ہیں۔

اور ایک روایت یہ ہے اخرج ابن ابی حاتم عن ابی هريرةؓ انه قال يوماً وهم عنده كلكم صديق وشهيد قيل له ما تقول يا ابا هريرة قال اقرؤا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ترجمہ۔ ایک روز ابو ہریرہؓ نے اپنے رفقا سے کہا کہ تم لوگ سب صدیقین و شہدا ہو کسی نے کہا اے ابی ہریرہؓ یہ کیا کہتے ہو کہا اگر تامل ہو تو اس آیت کو پڑھ لو وَالَّذِينَ آمَنُوا الآیہ

اور اس میں یہ روایت بھی ہے۔ واخرج عبد الرزاق و عبد ابن حمید عن مجاہد قال کل مومن صدیق و شہید ثم تلا والذین آمنوا باللہ ورسولہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم ترجمہ مجاہد نے کہا ہر مومن صدیق وشہید ہے اور استدلال میں یہ آیت پڑھی والذین آمنوا باللہ ورسولہ الآیۃ تفسیر درمنثور میں اسی مضمون کی کئی روایتیں ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور عبد الرزاق اور عبد حمید اور ابن حبان سے ذکر کی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کو مراتب صدیقین و شہداء کے حاصل ہیں اور مومنین وہ لوگ ہیں جن کو گناہ کچھ ضرر نہیں دیتا چنانچہ ارشاد ہے:۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما لا ینفع مع الشرک شیئ کذلک لا یضر مع الایمان شیئ خط عن عمر حل عن ابن عمر ذکرہ فی کنز العمال ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ شرک کے ساتھ کوئی چیز نفع نہیں دیتی اسی طرح ایمان کے ساتھ کوئی چیز ضرر نہیں دیتی۔

یعنے اہل ایمان کو گناہ سے کچھ ضرر نہیں اہل ایمان وہ لوگ ہیں جن کی دل شکنی حق تعالیٰ کو بالکل منظور نہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ ما ترددت عن شیئ انا فاعلہ ترددی عن قبض المومن یکرہ الموت وانا اکرہ مساء تہ الحدیث ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کام کو میں کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے کبھی تردد نہیں ہوتا جس قدر کسی ایماندار کی روح کے قبض کرنے

یں ہوتا ہے کہ وہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور اس کے رنجیدہ کرنے کو میں
مکروہ جانتا ہوں۔

اللہ اکبر مومن کی کیا شان ہے باوجودیکہ موت خود اس کے حق
یں ایک نعمت عظمیٰ ہے مگر صرف اس کی خاطر شکنی کے لحاظ سے حق تعالیٰ
کو اس میں تردد ہوتا ہے اور ان لوگوں کی بینائی کا یہ حال ہے کہ اللہ
تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسۃ المومن فانہ
ینظر بنور اللہ عزّ وجلّ تخ عن ابی سعید الحکیم الترمذی
وسمویہ طب عد عن ابی امامۃ وابن جریر عن ابن عمر کذا فی الجامع
الصغیر۔ ترجمہ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کی فراست
سے ڈرتے رہو وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے الحاصل اہل ایمان
کے فضائل وخصوصیات بکثرت ہیں جن میں سے چند بطور مشتی نمونہ از
خروارے ذکر کی گئیں۔ اب غور کیجئے کیا ہر مسلمان مستحق ان مراتب عالیہ کا
ہوسکتا ہے یا ہر کس وناکس اپنے آپ کو مصداق ان کرامات کا سمجھ سکتا ہے
واقع میں ایمان حقیقی نہایت ہی عزیز الوجود ہے فقط چند اعمال ظاہری سے
یہ رتبہ نہیں مل سکتا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا
قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ
قُلُوْبِكُمْ ترجمہ۔ کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے
لیکن یوں کہو کہ فرمانبرداری ہم نے قبول کی اور ہنوز تمہارے دلوں میں ایمان
داخل نہیں ہوا۔

اسی وجہ سے جب حارثہ بن سراقہ نے کہا اصبحت مومنا حقا فرمایا حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے انظر ما ذا تقول یعنے دیکھو کیا کہتے ہو سمجھ کر کہو جب صحابی کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استبعاد ظاہر فرمایا ہو تو ہر کس وناکس کا ایمان کس شمار میں پورا واقعہ اس کا یہ ہے کہ جس کو ابن اثیرؒ نے اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ میں ذکر کیا ہے عن انسؓ قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی اذ استقبلہ شابٌ من الانصار فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف اصبحت یا حارثۃ قال اصبحت مومنا حقا قال انظر ما ذا تقول فان لکل قول حقیقۃ فما حقیقۃ ایمانک قال یا رسول اللہ عزفت نفسی عن الدنیا فاسھرت لیلی واظمأت نھاری وکانی بعرش ربی عزوجل بارزا وکانی انظر الی اھل الجنۃ یتزاورون وکانی انظر الی اھل النار یتعادون فیھا قال الزم عبد نور اللہ الایمان فی قلبہ فقال یا رسول اللہ ادع اللہ لی بالشھادۃ فدعا لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنودی یوما فی الخیل فکان اول فارس رکب واول فارس استشھد فبلغ ذلک امہ فجاءت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان یکن فی الجنۃ لم ابک ولم احزن وان یکن فی النار بکیت ما عشت فی دار الدنیا قال یا ام حارثۃ انھا لیست بجنۃ واحدۃ ولکنھا جنات وان حارثۃ فی الفردوس الاعلیٰ فرجعت امہ وھی تضحک وتقول بخ بخ لک یا حارثۃ ترجمہ روایت ہے انسؓ سے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک جوان انصاری سامنے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کس حالت میں تم نے صبح کی عرض کی اِس حالت میں کہ سچا مومن ہوں فرمایا

دیکھو کیا کہتے ہو ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے بتلاؤ تو تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے عرض کی میں نے اپنے نفس کو دنیا سے علیحدہ کیا راتیں بیداری میں بسر کرتا ہوں اور دن تشنگی میں اب حالت یہ ہے کہ عرش رب العالمین کو گویا دیکھ رہا ہوں اور گویا دیکھ رہا ہوں کہ اہل جنت آپس میں ملاقات کر رہے ہیں اور اہل نار دوزخ میں چلا رہے ہیں حضرت نے فرمایا اسی بات پر ہمیشہ رہو۔ تمہارے دل میں ایمان منور ہے انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے لیے شہادت کی دعا کیجئے حضرت نے دعا کی تھوڑے دن نہیں گزرے تھے کہ معرکہ جہاد پیش آیا وہ سب سے پہلے سوار ہوئے اور سب سے پہلے شہید ہوئے جب اُن کی والدہ کو اُن کی شہادت کی خبر پہنچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ اگر میرا لڑکا جنت میں ہے تو نہ میں روؤں گی اور نہ غمگین ہوں گی۔ اور اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی۔ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ام حارثہ جنت ایک نہیں ہے بلکہ بہت سی ہیں اور تمہارا فرزند فردوس اعلیٰ میں ہے یہ سنتے ہی وہ ضعیفہ ہنستی ہوئی لوٹیں اور کہتی تھیں واہ واہ اے حارثہ۔

مقصود یہ ہے کہ ایمان حقیقی کے دعوے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استبعاد ظاہر فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقت ایمان کچھ اور ہی ہے صرف مومن کہہ دینا یا سمجھ لینا کافی نہیں۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ تیس صحابیوں سے مجھے ملاقات ہے جس کو دیکھا اسی خوف میں پایا کہ مرتبہ صحابیت تو درکنار کہیں منافقوں میں شریک نہ ہوں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:۔

قال ابن ابی ملیکۃ ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخاف کلھم النفاق علی نفسہ۔ حاصل یہ کہ ایمان کے تمام شرائط

لوازم جب تک پورے طور پر نہ پائے جائیں گویا ایمان ہی نہیں چنانچہ امام احمد ابن حنبل اور بیہقی اور نسائی اور ابن ماجہ نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من نفسہٖ و ولدہٖ و والدہٖ والناس اجمعین کذا فی کنز العمال ترجمہ کوئی ایماندار نہیں ہوتا جب تک میری محبت اپنی اولاد اور والد اور سب لوگوں سے بلکہ اپنی ذات کی محبت سے بھی زیادہ نہو کما فی مسند احمد ابن حنبل لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من نفسہ کذا فی کنز العمال اور مواہب لدنیہ میں بخاری شریف سے منقول ہے۔ ان عمر بن الخطابؓ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانت یا رسول اللہ احب الیّ من کل شیٔ الا من نفسی التی بین جنبی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من نفسہٖ فقال عمرؓ والذی انزل علیک الکتاب لانت احب الی من نفسی التی بین جنبی فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آلان یا عمر ترجمہ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ سوائے اپنی ذات کے آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں حضرتؐ نے فرمایا جب تک میری محبت اپنے نفس سے زیادہ نہو ایمان ہی نہیں تب عمرؓ نے عرض کی قسم ہے خدا کی جس نے آپ پر کتاب اتاری آپ کی محبت میرے نفس کی محبت سے بھی زیادہ ہے فرمایا اب ایمان کامل ہوا اے عمرؓ۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ دوست رکھتے ہیں پھر جس کو یہ رتبہ حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ کس قدر درود شریف میں وہ شخص اہتمام کرتا ہوگا۔ کیونکہ ایکبار

درود شریف بھی ایک دعائے خاص کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کی جاتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ آدمی جس کو زیادہ دوست رکھتا ہے اس کے حق میں زیادہ دعا کیا کرتا ہے۔ اس وجہ سے ہر شخص پہلے اپنے واسطے دعا کرتا ہے اور پھر والدین وغیرہ کے واسطے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی ذات سے بھی زیادہ ہو تو بحسب اقتضائے طبع درود شریف کو اپنی ذاتی دعا پر بھی مقدم کرنا لازم ہوگا۔ اس سے تو یہ بات ثابت ہے کہ درود شریف کو اپنی ذاتی دعا پر مقدم کرنا صرف مقتضائے ایمان ہے۔ اس میں امر الٰہی کو کچھ دخل نہیں۔ پھر جب ویسے لوگوں کو حکم الٰہی بھی ہوگیا تو غور کرنا چاہیئے کہ درود شریف کی کس درجہ وقعت اُن کے نزدیک ہوگی۔

الحاصل خطاب یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ کے مخاطب اولاً بالذات مومنین ہیں جن کے احوال کسی قدر ابھی مذکور ہوئے اور وہی لوگ اس خطاب اور درود شریف کی عظمت کو جانتے بھی ہیں اور اُن کے سوا عموماً اہل اسلام گویا ان کے طفیلی ہیں۔ اس تقریر سے فی الجملہ ایک شناخت بھی حاصل ہوگئی کہ جس کے نزدیک درود شریف کی عظمت نہ ہو تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس خطاب کی قابلیت ہی نہیں شیخ ابومنصور ماتریدیؒ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ جن آیات میں زیادت ایمان کا ذکر ہے مثل وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا (پ) مراد اس سے تفصیل ہے یعنے قبل نزول آیات کے ایمان اجمالی تھا کہ ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سچ ہے پھر جب آیات بدفعات نازل ہوئیں اس کی تفصیل ہوئی اور اصل کیفیت ایمان میں کوئی زیادتی نہ ہوتی۔ ہر چند شارح عقائد نسفیؒ وغیرہ نے اس تقریر پر بھی اعتراض کیا ہے کہ تفصیل میں بنظر اجمال کے زیادتی ہوتی ہے۔ مگر ماتریدیؒ کے قول پر

یہ اعتراض نہیں آسکتا اس لئے کہ اگر تفصیل میں زیادتی ہوئی تو مصدق بہ کی توضیح میں ہے نہ نفس اذعان و تصدیق میں کیونکہ کیفیت اذعانی دونوں وقت میں یکساں ہے جو ممتاز ہے ظن وغیرہ سے ہاں مصدق بہ اجمال کے وقت اور تھا اور تفصیل کے وقت اور ہوا توضیح اس کی اس مثال میں ہو جائے گی کہ جب کوئی دلیل بیان کی جاتی ہے اور اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو اکثر اعتراض ختم ہونے کے پیشتر مجیب کے ذہن میں جواب اس کا خطور کر جاتا ہے اس خطور کرنے کے وقت جو چیز اُس کے ذہن میں ہے وہ اجمال ہے پھر اس کو جو واضح کر کے بیان کرتا ہے وہ تفصیل ہے فرق دونوں میں ظاہر ہے کہ اجمال گویا ایک امر آنی ہے اور تفسیر دیر طلب لیکن باعتبار انکشاف جواب کے دونوں برابر ہیں اسی وجہ سے بمجرد اس خطور کے مجیب اپنی میں ایک کیفیت انشراح اور فرحت کی پاتا ہے جو جواب دینے پر مرتب ہوتی ہے پس اصل جواب جس کی تفصیل دیر تک کی جاتی ہے وہی ہے جو اجمال میں موجود تھا یعنے تفصیل کے وقت جواب کوئی دوسرا نہ ہوا جو اجمال میں نہ تھا اسی طرح ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق جب اجمالاً ہو گئی تو ہر ایک آیت سننے کے وقت اسی تصدیق اجمالی کا ظہور ہوگا کوئی تصدیق ایسی پیدا نہ ہو گی جو اس اجمال سے خارج ہو کیونکہ ہر آیت ما جاء بہ کے افراد سے ہے جس کی تصدیق پہلے ہو چکی ہاں تفصیل کے وقت ایک نئی بات یہ ہوتی ہے کہ علم اس آیت کے مضمون کا حاصل ہوتا ہے جو اجمال کے وقت نہ تھا مثلاً بعد تصدیق ما جاء بہ کے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا تو اس واقعہ کا علم نیا حاصل ہوا اور یہ بات دوسری ہے سوائے اس کے اور دلائل و توجیہات امام صاحب کے مذہب کے کتب مطولہ میں مذکور ہیں۔ مگر یہاں دیکھنا

چاہیئے کہ امام صاحب نے اس مسئلہ میں جو اس قدر تشدد کیا ہے اس کا
منشا کیا ہے اور کتاب و سنت بھی اس کی مساعد ہیں یا نہیں۔ یہ بات ظاہر
ہے کہ مدار و مناط اقرار و عمل کا صرف تصدیق قلبی ہے یعنے جب تک تصدیق
نہ ہو عنداللہ نہ اقرار مفید ہے نہ عمل کما قال تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ( )
وقال تعالیٰ فی الکفار اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ( ) اگرچہ یہ
بھی مسلم ہے کہ صرف تصدیق باوجود مخالفت و انکار کے مفید نہیں جیسے بعض
کفار خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تو کرتے ہیں مگر امتثال
سے انکار کرتے ہیں لیکن کلام اس میں ہے کہ تصدیق کے ساتھ انقیاد ہو تو ضرور
مدار اقرار و عمل کا تصدیق پر ہوگا اور مدار تصدیق کا واقع میں نہ اقرار پر ہوگا نہ
عمل پر گویا باعتبار استدلال کے معاملہ بالعکس ہے پس معلوم ہوا کہ عمدہ
اور اصل شے دین میں تصدیق قلبی ہے اور سوائے اس کے دوسری اشیا شرط
ہوں گے یا لوازم و فروع پس ضرور ہوا کہ جہاں تک ہو سکے کمال درجہ کا اہتمام
اصل ایمان یعنے تصدیق میں کیا جاوے تاکہ کوئی شخص اس میں مسامحت اور
سہل انگاری نہ کرے اس لئے امام صاحب نے فرمایا کہ ایمان کل کا یکساں
ہے کچھ زیادتی نہیں اور اس قسم کا تشدد فتوی میں بلحاظ مصلحت خاص باتوں
میں بھی ہے کما ورد فی الخبر قال شقیق بن سلمة کنت جالسا بین عبد اللہ و
ابی موسیٰ فقال ابو موسیٰ یا ابا عبد الرحمن ارأیت لو ان رجلا اجنب
فلم یجد الماء شهرا ما کان یتیمم فقال لا و ان لم یجد الماء شهرا
فقال ابو موسیٰ فکیف تصنعون بهذه الآیة فی سورة المائدة فلم
تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فقال هذا لاو شک اذا برد و

عَلَيْهِمُ الْمَاءُ اَنْ يَتَيَمَّمُوا بِالصَّعِيدِ الْحَدِيث رواه البخاري و ابوداؤد اللفظ لہ ترجمہ شقیق کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ کے بیچ میں پس کہا ابوموسیٰ نے عبداللہ سے :۔ اے ابا عبدالرحمٰن جب کوئی جنب ہو اور پانی نہ پاوے تو کیا تیمم نہ کرے کہا :۔ عبداللہ نے ہاں نہ کرے اگرچہ مہینہ بھر پانی نہ پاوے کہا ابوموسیٰ نے کیا کروگے تم اس آیت میں جو سورۂ مائدہ میں ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا پس کہا عبداللہ بن مسعودؓ نے اگر رخصت تیمم کی دیجاوے تو یہ نوبت پہنچ جاوے گی کہ پانی سرد ہوتے ہی لوگ مٹی سے تیمم کرنے لگ جائیں گے۔

اور عبداللہ بن مسعود وہ شخص ہیں کہ جن کی ثقاہت کو جمیع صحابہ تسلیم کرتے تھے اور فضائل میں ان کے کئی احادیث وارد ہیں جس میں ایک یہ ہے عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُسْتَخْلِفًا اَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاسْتَخْلَفْتُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ رواہ ابن ماجہ فی باب عبداللہ بن مسعود ترجمہ۔ روایت ہے علی سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورت کے خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد کو یعنے عبداللہ ابن مسعودؓ کو خلیفہ بناتا۔

الغرض جب تک تصدیق قلبی پورے طور پر نہو ایمان کا وجود ہی نہیں ہوتا ہر مومن ترددات اور شکوک کو دل سے دور کرے برخلاف اس کے کمی وزیادتی ایمان کی صورت میں یہ گنجائش ملسکتی ہے کہ مومن بہ میں اگرچہ شک ہو ایمان تصور کرے اور کہے کہ وجود ایمان کا تو ہوگیا کامل نہیں ناقص ہی سہی حالانکہ یہ ایمان ہی نہیں کیونکہ شک تو کیا ظن بھی ایمان نہیں ہوسکتا کما فی البخاری قال ابن مسعودٍ اليقين الايمان كله اور کل محدثین کے نزدیک بھی یہی ہے کہ ایمان

میں تصدیق قلبی ضرور چاہیئے الحاصل مقصود امام صاحب رح کا یہ ہے کہ بغیر تصدیق قلبی کے ایمان متحقق نہیں ہوتا اور یہی تصدیق و یقین ایمان ملائکہ وغیرہم کا ہے رہی یہ بات کہ مراتب یقین کے متفاوت ہیں سو یہ امر آخر ہے کلام نفس یقین میں ہے۔ اسی وجہ سے امام فخرالدین رازی رح نے کہا ہے کہ یہ نزاع لفظی ہے جن کے نزدیک ایمان نفس تصدیق کا نام ہے قایل زیادت ونقصان کے نہیں اور جن کے نزدیک اعمال واخل ایمان ہیں زاید و ناقص ہوگا کما مر آنفاً اس تقریر پر وہ اعتراض صاحب مواقف کا کہ نفس کیفیت تصدیق کم و زیادتی ہوتی ہے دفع ہوگیا کیونکہ امام رازی رح کے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ منشا اس اختلاف کا اختلاف تعریف ایمان ہے۔ اور یہ بات ظاہر بھی ہے اس لئے کہ خود محدثین تعریف ایمان میں اقرار و عمل کو ظاہرا داخل کیا کرتے ہیں ہاں اگر محدثین تعریف ایمان میں مثل امام صاحب کے صرف تصدیق کو ایمان کہتے تو اعتراض امام رازی رح پر وارد ہوتا ہے۔ الحاصل مقصود امام صاحب کا یہی ہے کہ یہ آدمی وہ تصدیق واقعی حاصل کرے جس کے ساتھ کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو پھر اگر اس سے زیادہ کوئی درجہ پایا جاوے تو اس کو اطمینان کہیں گے کما قال اللہ تعالےٰ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ب (ترجمہ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اے رب میرے دکھا مجھ کو کہ کیسا زندہ کرتا ہے تو مردہ کو۔ فرمایا حق تعالیٰ نے کیا ایمان نہیں لائے تم۔ کہا۔ کیوں نہیں یعنے ایمان تو لایا لاکن غرض یہ ہے کہ دل میرا اطمینان پکڑے پس معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد ایک درجہ اس سے بڑھکر ہے جس کو اطمینان کہتے ہیں۔ البتہ اس میں عام مومنین کو حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح

۱

خواص کو ایک اور خصوصیت حاصل ہے جو عمل سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ منشا عمل کا وہاں نفس ایمان ہوا کرتا ہے جس میں کسی غرض نفسانی کو دخل نہیں اور یہ بات عامیوں میں کمیاب ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان تو وہی تصدیق خاص ہے جس کا متعلق توحید و رسالت وما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس کے مقارن کیفیت عملی ہوگی خواہ وہ عمل دل سے متعلق ہو جیسے رضا و تسلیم و توکل وغیرہم خواہ جوارح سے مثل نماز و روزہ وغیرہ اس لئے کہ منشا ہر عمل کا دل ہوتا ہے پھر اگر وہ منشا درست ہے تو عمل جو اس پر متفرع ہے درست ہوگا ورنہ قابل قبولیت کے نہ ہوگا کما فی الحدیث عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او امراۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ متفق علیہ کذا فی المشکوۃ ترجمہ روایت ہے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں معتبر ہوتے عمل مگر ساتھ نیتوں کے اور نہیں ہے واسطے کسی کے مگر وہ چیز کہ نیت کی پس جس شخص کی ہووے ہجرت اس کی طرف اللہ اور رسول اس کے کے پس ہجرت اس کی طرف اللہ اور رسول کے ہے اور جو شخص کہ ہو ہجرت اس کی طرف دنیا کے کہ پہنچے اس کو یا طرف عورت کے کہ نکاح کرے اس سے پس ہجرت اس کی طرف اس چیز کی ہے کہ ہجرت کی طرف اس کے روایت کی یہ بخاری و مسلم نے۔

اسی وجہ سے جن اعمال کا منشا ریا و سمعہ وغیرہ اغراض نفسانی ہو لیا ہو وہ نہیں کما ورد فی الاحادیث الکثیرۃ پھر اگر منشاء عمل صرف ایمان ہو تو ایک نورانیت

میں پیدا ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ اس نورانیت کی وجہ سے اعمال صالحہ پیدا ہوتے ہیں۔ الحاصل منشار اعمال صالحہ کے ساتھ ایک نورانیت دل میں ہوتی ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ترجمہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے سو وہ نور میں ہے اپنے رب کی طرف سے اگر یہاں اسلام بمعنی انقیاد ظاہری ہو جو مقابل ایمان ہے تو ظاہر ہے کہ رتبہ نورانیت کا بعد ایمان کے ہوگا اور اگر مطلق انقیاد مراد ہو جس میں ایمان بھی شریک ہے جب بھی نورانیت مقارن ایمان ہوگی نہ عین ایمان اسلئے کہ ایمان ظاہر امر کسبی ہے جس کے سب مامور ہیں اور نورانیت امر وہبی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان ینظر من نور اللہ الایمان فی قلبہ فلینظر الی ہذا الحدیث رواہ الدارقطنی فی سننہ المسمی بالمجتبیٰ فی سنن المصطفیٰ

ترجمہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو خوش آتی ہے یہ کہ دیکھے طرف اس شخص کے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نورانی کیا تو چاہئے کہ دیکھے اس ہذا کو۔

اب یہاں نظر تفصیلی میں کئی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ ایک نفس ایمان دوسری نورانیت۔ تیسری نیت جو منشا عمل اور مدار صلاحیت و عدم صلاحیت عمل ہے بحسب حدیث شریف انما الاعمال بالنیات کے۔ چوتھا عمل مگر جب عمل نفس ایمان ہو تو ان مراتب میں تقدیم و تاخیر ہو جائیگی اس لئے کہ ایمان لانے کے وقت نیت ایمان پر بھی مقدم ہوگی سوائے اس ایک صورت کے سب صور تو نفس رتبہ ایمان کا نیت پر مقدم ہوگا پھر اگر عمل فعل جوارح سے ہو تو خود بنفسہ ممتاز ہے اور اگر فعل قلب سے ہو تو ان سب امور و مدارج کا وجود دل میں ہوگا اگرچہ اجتماع ان کا محل واحد میں ہے مگر باہم فی نفسہ ممتاز ہیں اور باوجود امتیاز کے ارتباط و تعلق ہر ایک کا دوسرے سے کچھ ایسے طور پر ہے کہ گویا باہم شیر و شکر

پس اس مقارنت کی وجہ سے اطلاق ایک دوسرے پر ہو سکتا ہے جیسا کہ
بجائے سال الماء کے سال المیزاب کہتے ہیں کما ہو مصرح فی المعانی پس زنا و
سرقہ کے وقت ایمان کا جدا ہونا جو اس حدیث شریف میں ہے۔ عن
ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا زنی العبد
خرج منہ الایمان فکان فوق راسہ کالظلۃ فاذا خرج من ذالک
العمل عاد الیہ الایمان رواہ الترمذی اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا
ہے کہ وہ نورانیت جو مقارن ایمان ہے جدا ہو جاتی ہے کیونکہ نظر اس
فعل کے وقت اصل ایمان یعنے تصدیق سے اس شخص کو کچھ تعرض نہیں ہوتا
بلکہ منشا اُس کا ایک غرض نفسانی ہوتی ہے پھر جب تصدیق سے اس کو
کچھ تعرض نہو تو ایمان کا زایل نہونا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جس کو
طبرانی نے روایت کیا ہے کما فی کنز العمال عن ابی سعید قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن یخرج احد کم من الایمان الا
بجحود ما دخل فیہ طس۔ ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ ہرگز نہ نکلے گا کوئی تم میں کا ایمان سے مگر بسبب انکار کرنے اس چیز کے
جو اس میں داخل ہوئی۔

یعنے جحود جو منافی ایمان ہے جب تک نپایا جاوے ایمان نہیں جاتا اور
محدثین کے نزدیک بھی یہی بات ہے کہ اس قسم کا کفر جو احادیث میں وارد ہے
بنا بر تغلیظ ہے یعنے حقیقی نہیں جو ضد ایمان ہے جیسا کہ امام ترمذی اس حدیث
شریف کے تحت میں لکھا ہے۔ من اتی حایضا او امرأۃ فی دبرھا او
کاھنا فقد کفر بما انزل علی محمد۔ انتہی
وانما ھذا عند اھل العلم علی التغلیظ اور امام ترمذی نے جامع کے باب

لایزانی الزانی ہو مومن میں لکھا ہے ۔ وھذا قول اھل العلم لا نعلم احداً اکفر احدا بالزنا والسرقۃ وشرب الخمر و قال صاحب المولف ومن وجوہ المعتزلۃ نحو قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یزنی الزانی وھو مومن ولا ایمان لمن لا امانۃ لہ قلنا مبالغۃ ثم انھا معارضۃ بالاحادیث الدالۃ علی انہ مومن وانہ یدخل الجنۃ حتیٰ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی ذر لما بالغ فی السوال عنہ وان زنیٰ وان سرق علی رغم انف ابی ذر۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث زنا و سرقہ وغیرہ میں اطلاق ایمان کا اصل ایمان پر نہیں بلکہ نورانیت پر ہے۔ اسی طرح اطلاق ایمان کا منشا عمل پر اس حدیث شریف میں معلوم ہوتا ہے جو باب شفاعت میں وارد ہے کہ جو برابر ایمان اور حبہ برابر ایمان اس لئے کہ بخاری شریف میں بجائے لفظ ایمان کے لفظ خیر کی بھی روایت ہے جیسا کہ قریب نقل کیجائے گی تو چاہیئے ایمان سے بھی مراد خیر ہی ہو۔ یہ کہ خیر سے مراد یہاں ایمان ہے جیسا کہ ابن تیمیہ نے کتاب شرح الایمان میں لکھا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ قیامت میں حکم ہوگا شفاعت کرنیوالوں کو کہ جس کے دل میں دینار یا نصف دینار یا ذرہ برابر خیر ہو اس کو دوزخ سے نکال لو پس نکالیں گے وہ اس قسم کے سب لوگوں کو پھر عرض کریں گے ربنا لم نذر فیھا خیرا یعنے کوئی خیر ہم نے دوزخ میں نہیں چھوڑی یعنے سب اہل خیر کو نکال لیا پس ارشاد ہوگا کہ انبیا وغیرہم شفاعت کر چکے اور باقی نہ رہا کوئی سوائے ارحم الرحمین کے پس نکالے گا حق تعالیٰ ایک قبضہ جس میں نکل آئیں گے وہ لوگ جنہوں نے کبھی نیک کام نہیں کیا تھا اور وہ حدیث شریف یہ ہے۔ فیقول ارجعوا فمن

وَجَدتُم فِي قَلبِهِ مِثقَالَ دِينَارٍ مِن خَيرٍ فَاخرِجُوهُ فَيُخرِجُونَ خَلقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ ارجِعُوا فَمَن وَجَدتُم فِي قَلبِهِ مِثقَالَ نِصفِ دِينَارٍ مِن خَيرٍ فَاخرِجُوهُ فَيُخرِجُونَ خَلقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ ارجِعُوا فَمَن وَجَدتُم فِي قَلبِهِ ذَرَّةً مِن خَيرٍ فَاخرِجُوهُ فَيُخرِجُونَ خَلقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا لَم نَذَر فِيهَا خَيرًا فَيَقُولُ اللهُ شَفَعَتِ المَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ المُؤمِنُونَ وَلَم يَبقَ اِلَّا اَرحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقبِضُ قَبضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخرِجُ مِنهَا قَومًا لَم يَعمَلُوا خَيرًا قَطُّ الحديث رواه البخاری ومسلم بطوله کذا فی المشکوۃ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث گویا تفسیر ہے اُس حدیث شریف کی جس میں لفظ شعیرۃ من ایمان و حبۃ من ایمان وارد ہے اور یہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے فاقول اِیْذَن لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ربّ ائذن لی فیمن قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ قال لیس لک ذٰلِکَ وَلٰکِن وَعِزَّتِی وَجَلَالِی وَکِبرِیَائِی وَعَظمَتِی لَاُخرِجَنَّ مِنهَا مَن قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔ الحاصل جملہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اُن لوگوں کو ہوگی جن میں کسی قدر منشا عمل پایا جاوے اگرچہ ذرہ برابر ہو حق تعالیٰ جن کو خود نکالے گا اس میں سوائے ایمان کے کسی قدر بھی منشا عمل کا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ شاید وہ لوگ اہل فترۃ سے ہوں گے تو یہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اُن کا اہل لا الہ الا اللہ ہونا ثابت نہیں اور سوائے اس کے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب وہ عذر کریں گے تو ایک رسول بھیجا جائیگا جس کی امتثال سے جنت میں اور عدم امتثال سے دوزخ میں جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے جس کو امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اسود بن سریع اور ابی ہریرہ سے قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ وَاَمَّا الَّذِی مَاتَ فِی الفَترَۃِ

فیقول ما آتانی لک رسول فیاخذ مواثیقهم لیطیعوه فیرسل الیهم
ان ادخلوا النار فمن دخلها کانت علیه بردا و سلاما ومن لم
یدخلها سحب الیها الحدیث کذا فی کنز العمال پس معلوم ہوا کہ
مثقال ذرۃ من ایمان میں ایمان سے مراد نشاء عمل ہے جو کم زیادہ ہوتا ہے
نہ ایمان بمعنی تصدیق اور یہاں اطلاق عمل پر اسوجہ سے نہیں کیا گیا کہ تصریح
فمن وجد تم فی قلبہ کی ہو جاوے پر اس معنی سے آیا کرتی ہے اسی طرح
اطلاق ایمان کا قول وعمل پر اس حدیث شریف میں معلوم ہوتا ہے اور کنز العمال
میں ہے الایمان قول وعمل اور جو ابن ماجہ میں ہے عن علیؓ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان معرفۃ بالقلب وقول
باللسان وعمل بالارکان اس لئے کہ خود حدیث شریف سے ایمان عمل
میں مغایرت ثابت ہے کما فی کنز العمال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الایمان والعمل شریکان فی قرن لا یقبل اللہ احدهما الا
بصاحبہ اب رہی وہ حدیث شریف جس میں صراحۃ الایمان یزید و
ینقص وارد ہے تو اس میں بھی زیادتی و نقصان کا رجوع اسی کیفیت عملی
کی طرف معلوم ہوتا ہے جیسا اوپر گذرا کیونکہ حدیث شریف میں مصرح ہے الایمان
قول وعمل یزید وینقص جب ایمان مجموع قول وعمل سے تعبیر کیا گیا تو
زیادتی بھی راجع مجموع کی طرف ہوگی۔ الحاصل امام صاحب انہیں وجوہات
سے کہتے ہیں کہ کمی زیادتی نفس ایمان میں نہیں بلکہ مقارنات ایمان میں ہے۔
پھر جس میں مقارنات ایمانیہ علی وجہ الکمال پائے جاویں وہ شخص کامل الایمان
اور منجملہ خواص کے ہوگا۔ اور عامی برخلاف اس کے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ
صرف عمل سے بھی کچھ نہیں ہوتا جب تک مقارنات ایمانیہ معتد بہا نہ ہولیں

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے عن ابی سعید الخدری قال بینما نحن
عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یقسم قسماً اذ اتاہ
ذوالخویصرۃ وھو رجل من بنی تمیم فقال یا رسول اللّٰہ اعدل
فقال ویلک ومن یعدل اذا لم اعدل قد خبت وخسرت
ان لم اکن اعدل فقال عمر یا رسول اللّٰہ ائذن لی فیہ
فاضرب عنقہ فقال دعہ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلاتہ
مع صلاتھم وصیامہ مع صیامھم یقرؤن القرآن لا یجاوز
تراقیھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ الحدیث
رواہ البخاری ترجمہ روایت ہے ابی سعید خدری سے کہ ایک روز آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ آیا ایک شخص قبیلہ بنی تمیم کا
اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عدل کیجئے فرمایا حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے خرابی ہو تیری کون عدل کرے گا جب میں عدل نہ کروں تو محروم
و بے نصیب ہو جائے گا اور نقصان پائے گا۔ عرض کیا عمرؓ نے یا رسول
اللہ حکم دیجئے کہ گردن ماروں میں اس کی۔ فرمایا چھوڑ دو کہ اس کو ایک گروہ والے
ایسے لوگ ہیں کہ حقیر سمجھو گے تم لوگ اپنی نماز کو اُن کی نماز کے مقابلہ میں اور
روزوں کو اپنے اُن کے روزوں کے مقابلہ میں۔ پڑھتے ہیں وہ لوگ قرآن
مگر حلق سے اُن کے تجاوز نہیں کرتا اور بھاگتے ہیں دین سے جیسے تیر شکار
سے نکل جاتا ہے روایت کیا اس کو بخاری نے!

اب اس عمل کو دیکھئے کہ کس درجہ کا ہوگا جو صحابہ کا عمل اُن کے مقابلہ
میں حقیر معلوم ہو پھر آخر کیا ہوا وہاں تو دین ہی کا ٹھکانا نہیں۔ یہ تو ایسا
ہوا جیسا کسی شخص کا قول ہے "ہیر ما ہمہ دارد" ایمان ندارد خلاصہ یہ ہے کہ

صرف عمل مفید نہیں جب تک مقارنات ایمان جو متعلق عمل ہیں درست
نہوں اور قریب قریب اسی تقریر کے ہے وہ جو ابن بطالؒ نے شرح بخاری
شریف میں نقل کیا ہے حیث قال قیل الحب الذرة اقل الاشیاء
الموزونات وهی فی هذا الحدیث التصدیق الذی لایجوز ان
یدخله النقص وما فی البرة والشعیرة من الزیادة فانما هی
زیادة من الاعمال یکمل التصدیق بها ولیست زیادة فی التصدیق
بما قدمناه انه لاینقص التصدیق فان قیل فانه لما اضاف هذه
الاجزاء التی فی الشعیرة والبرة الزائدة علی الذرة الی القلب دلت
انها زیادة من التصدیق لا من الاعمال فالجواب انه لما کان الایمان
التام انما هو قول وعمل والعمل لایکون الا بنیة واخلاص من القلب
جاز ان ینسب العمل الی القلب اذ تمامه بتصدیق القلب وقد
عبر عن هذه الاجزاء من الایمان مرة بالخیر ومرة بالایمان و
علی ذلک سائغ دامغ وقوله یخرج من النار من قال لا اله الا الله
یدل ما ذکر بعدها من الذرة والبرة والشعیرة هی من الاعمال
والطاعات اذ الامة مجتمعة علی ان قول لا اله الا الله هو صریح
الایمان والتصدیق الذی شبه بالذرة عمل القلب ایضاً

فائدہ مواہب اللدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء رحمہم اللہ نے اختلاف کیا ہے
کہ امر صلوا علیه وجوب کے واسطے ہے یا نہیں اور اگر ہے تو درود شریف مثل
کلمہ شہادت کے عمر بھر میں ایک بار پڑھنا فرض ہے۔ یا خاص خاص اوقات میں
مثل نماز وغیرہ کے۔ یا عموماً جمیع اوقات میں بقدر امکان لیکن تفسیر احمدی میں
یوں لکھا ہے کہ نفس وجوب صلوٰۃ میں کسی کو خلاف نہیں بلکہ صرف اوقات میں

اختلاف ہے کما قال ان الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
واجبۃ لقولہ تعالیٰ ان اللہ وملٰئکتہ الآیۃ وھذہ الآیۃ التی
تدل علی وجوب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ
لاخلاف للعلماء فی ان ھذا الامر للوجوب وانما الخلاف فی
اوقاتہا اور قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے اعلم ان الصلوٰۃ علی
النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض علی الجملۃ غیر محدد بوقت لامر
اللہ تعالیٰ بالصلوٰۃ وحمل الائمۃ والعلماء علی الوجوب واجمعوا علیہ
وحکی ابو جعفر الطبری ان محمل الآیۃ عندہ علی الندب وادعی فیہ
الاجماع ولعلہ فیما زاد علی مرۃ ظاہر او جوب ہی کی دلیل ٹھیک معلوم ہوتی
ہے اس لئے کہ صلوا اور سلموا صیغ امر کے ہیں اور اصول فقہ میں بدلائل عقلیہ
ونقلیہ ثابت ہے کہ امر خاص وجوب کے واسطے وضع کیا گیا ہے اسی وجہ سے
عند الاطلاق اُس سے وجوب ہی سمجھا جاتا ہے نہ استحباب وغیرہ چنانچہ توضیح
میں لکھا ہے۔ لما علم ان المطلق ینصرف الی الکامل لزم ان الامر المطلق
یکون امراً کاملاً بان یکون للایجاب فان الامر الذی للاباحۃ والندب
ناقص فی کونہ امراً اور جہاں امر اباحت وغیرہ کے واسطے ہوتا ہے وہاں قرینہ
کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اس آیہ شریفہ میں قطع نظر صیغہ امر کے اگر قرائن دیکھے
جائیں تو قرینے بھی وجوب ہی پر قائم ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ نے قبل امر کے
تمہیداً اپنا اور ملائکہ کا ہمیشہ درود بھیجنا ظاہر فرمایا جس سے اقتضا بالشان درود
شریف کا کمال درجہ پر ظاہر ہے۔ جب عالم علوی میں اس قدر اہتمام ہو تو امت
کو بطریق اولیٰ اس میں مشغولی چاہئے خصوصاً جب امر ہو گیا تو امتثال امر کی دوبارہ
ضرورت ہو گئی یہی قرینہ وجوب ہو سکتا ہے ورنہ سیاق وسباق میں مناسبت نہ ہوگی

حالانکہ مناسبت ضرور ہے کما فی التوضیح سیاق الآیۃ لایجاب اللہ تعالیٰ نداء المومنین باللہ و ملائکتہ فی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم فلا بد من اتحاد معنی الصلوٰۃ من الجمیع لانہ لو قیل ان اللہ یرحم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والملٰئکۃ یستغفرون یا ایھا الذین اٰمنوا ادعوا لہ کان ھذا الکلام فی غایۃ الرکاکۃ مقصود اس استدلال سے اس قدر ہے کہ سیاق و سباق میں مناسبت ہونے سے کلام رکیک ہو جاتا ہے۔ اب رہا یہ کہ جب استمرار صلوٰۃ ضرور ہو تو اور ضروریات طبیعیہ و شرعیہ کیونکر ادا ہوں سو اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اوقات اُن امور کے عقلاً و عادۃً مستثنیٰ ہیں۔

الحاصل اس آیہ شریفہ میں قرینہ استمرار و دوام و مداومت کا بھی وجود ہے پس صلوا علیہ اور اقیموا الصلوٰۃ جیسے نفس وجوب میں برابر ہیں اسی طرح استمرار میں برابر ہیں اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات نماز کے معین فرمائے ویسا ہی اوقات درود شریف کے بھی معین فرمائے ہاں فرق اتنا ہے کہ تعین اوقات نماز متواتر ثابت ہے اور تعین اوقات درود شریف باخبار احاد مگر جب تمامی حدیثیں دیکھی جائیں جن میں درود شریف پڑھنے کا امر اور ترغیبیں اور نہ پڑھنے پر ترہیبیں اور تہدیدیں اور اوقات کثیرہ مختلفہ کی تعیین اور ازمان و اماکن کی تعمیم بتصریح وارد ہے تو اتنا تو تواتر معنوی ضرور ثابت ہوگا کہ درود شریف کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور ہے اور یہ تواتر ایسا ہوگا جیسے معجزات میں کہا جاتا ہے کہ ہر معجزہ میں اخبار احاد وارد ہیں اور اُن احاد سے نفس معجزہ کا ثبوت بتواتر معنوی ہوتا ہے اس لئے کہ مجموع پر وہ احکام مرتب ہوتے ہیں جو اجزا پر نہیں ہو سکتے مثلاً ظاہر ہے کہ ایک بال کسی مصرف کا نہیں ہوتا پھر اگر انہیں سو بالوں

سے ایک رسی بنائی جائے تو نہایت مضبوط ہوگی دیکھئے مجموع میں ایک صفت جدیدہ ایسی قایم ہوئی جو کسی جز میں نہ تھی اسی طرح مجموع احاد میں صفت تواتر قائم ہوئی جس سے مطلق معجزہ کا ثبوت بتواتر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وجود مطلق کا بغیر افراد کے ممکن نہیں پس معلوم ہوا کہ وجود مطلق من حیث انہ وجد فی الافراد متصف بصفت تواتر ہے اور اسی مطلق کے معنی کثرت اجمالی ہیں۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطلق معجزہ کا ثبوت بتواتر حقیقی ہے اس لئے کہ جتنے احاد ہیں نفس خرق عادت ومعجزہ پر متفق اللفظ ہیں اسی کا نام تواتر حقیقی ہے کما قال شہاب الدین الخفاجیؒ فی شرح الشفا التواتر الحقیقی ان یخبر جماعۃ من جماعۃ الی آخرہ یؤمن تواطوءھم علی الکذب فی خبرٍ واحدٍ متفق اللفظ والمعنی البتہ ثبوت کثرت کا اس طور پر نہیں بلکہ مجموع احاد سے کثرت اجمالی مستفاد ہوتی ہے اور یہ تواتر معنوی ہے کما قال الخفاجیؒ والتواتر المعنوی ھو حصول العلم القطعی من مجموعٍ امور جزئیۃ واخبار واردۃٍ مستفیضۃ **خلاصہ** یہ ہوا کہ جیسے کثرت احادیث احاد سے ثبوت مطلق معجزہ کا بتواتر ہوتا ہے ویسا ہی کثرت اجمالی معجزات کی بھی بتواتر معنوی ثابت ہے۔ کما فی الشفا قال بعض ائمتنا یجری ھذا المجری علی الجملۃ انہ قد جری علی یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایات وخوارق عاداتٍ ان لم یبلغ واحدٌ منھا بعینھا القطع فیبلغھا بجمیعھا فلا مریۃ فی جریانِ معانیھا علی یدیہ ولا یختلف مومن ولا کافر انہ جرت علی یدیہ العجائب اب یہاں چند حدیثیں وہ ذکر کی جاتی ہیں جس میں درود شریف کے اوقات معین فرمائے ہیں منجملہ ان کے وقت طہارت ہے کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا وضوء لمن لم یصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ

الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود و فی روایۃ ابی عاصم عن سھل
بن سعد لا وضوء لمن لم یصل الحدیث ذکرھما القسطلانی فی مسالک الحنفا
ترجمہ روایت ہے ابن مسعودؓ اور سہل بن سعدؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو اس شخص کا نہیں ہوتا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود
نہ پڑھا اور سوائے اس کے اور روایات بھی اس باب میں وارد ہیں۔ اور نماز میں
چنانچہ امام فاکہانی نے الفجر المنیر فی الصلوۃ علی البشیر النذیر میں نقل کیا ہے
عن سھل بن سعد قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن
لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث
ترجمہ نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے درود نہ پڑھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔
سوائے اس کے اور احادیث اس باب میں وارد ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بجیب
موقع نقل کی جائیں گے۔ اور بعد اذان کے جیسا کہ ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار میں
نقل کیا ہے عن عبد اللہ ابن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من
صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا الحدیث رواہ الجماعۃ الا البخاری و ابن ماجہ
ترجمہ روایت ہے عبد اللہ بن عمرو سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب
موذن سے تم اذان سنو تو جیسا کہ کہتا ہے وہ کہو پھر پڑھو مجھ پر درود کیونکہ جو شخص مجھ
پر ایک درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس صلوۃ بھیجتا ہے روایت کیا اس کو جملہ اہل
صحاح نے سوائے بخاری اور ابن ماجہ کے۔
اور دعا کے وقت کما بہ قال السخاوی فی القول البدیع عن الحسن بن
علی رضی اللہ عنہما قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھؤلاء الکلمات
فی الوتر قال قل اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وبارک

لی فی ما اعطیت وتولنی فیمن تولیت وقنی شرما قضیت فانک
تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت تبارکت وتعالیت
وصلے اللہ علی النبی اخرجہ النسای وسندہ صحیح کما قال النووی
یعنے بروایت صحیح ثابت ہے کہ دعائے قنوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
درود شریف کو داخل فرمایا۔ اور اثنائے تکبیرات عیدین میں و منھا اثناء تکبیرات
العیدین لماروی اسمعیل القاضی ان ابن مسعود وابا موسی وحذیفۃ
رضی اللہ عنھم خرج علیھم الولید بن عقبۃ فقال ان ھذا العید قد دنی
فکیف التکبیر فیہ فقال عبداللہ تبدأ فتکبر تکبیرۃ تفتتح بھا الصلوۃ
وتحمد ربک وتصلی علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثم تدعو تکبر
وتفعل مثل ذلک ثم تفعل مثل ذالک ثم تکبر وتفعل مثل ذلک ثم تقرا
ثم تکبر وترکع ثم تقوم فتقرا وتحمد ربک وتصلی علی النبی صلے اللہ علیہ
وسلم ثم تدعو وتکبر وتفعل مثل ذلک ای الذی فعلتہ فی الرکعۃ
الاولی قال الزرقانی) فقال حذیفۃ وابوموسی صدق ابو عبدالرحمن
قال ابن کثیر اسنادہ صحیح کذا فی المواھب اللدنیہ وقال السخاوی
فی القول البدیع واسنادہ صحیح وھو عند ابن ابی الدنیا فی کتاب العید
من حدیث علقمہ عن ابن مسعودؓ قال تکبر تکبیرۃ تدخل بھا فی الصلوۃ
وتحمد ربک وتصلے علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتدعو ثم تکبر
تفعل مثل ذلک وبہ تمسک ابوحنیفۃ واحمد فی احدی الروایتین
منہ فی الموالاتین القراتین وابوحنیفۃ فقط فی التکبیرات العید ثلثا
ثلثا والشافعی واحمد فی حمد اللہ والصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بین التکبیرات ومالک لم یاخذ بہ اصلا ودوافقا ابوحنیفہ
علی استحباب سرد التکبیرات من ذکر بینھا رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین

حاصل یہ کہ درود شریف اثنائے تکبیرات عیدین میں پڑھنے کے واسطے بھی ارشاد ہوا ہے اور اول و اوسط و آخر دعا میں کما فی المواھب اللدنیہ عن جابرؓ اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال لا تجعلونی کقدح الراکب فانّ الراکب یملأ قدحہ ثم یضعہ ویرفع متاعہ فان احتاج الی شرب شیٍ شربہ او الوضو توضأ والا اھراقہ ولکن اجعلونی اول الدعاء و اوسطہ و آخرہ رواہ احمد ترجمہ روایت ہے جابرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مت بناؤ مجھکو مثل پیالہ سوار کے جو اس میں پانی بھر رکھتا ہے اور اٹھاتا ہے اسباب پھر اگر احتیاج ہوتی ہے تو پی لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے ورنہ پھینک دیتا ہے بلکہ ذکر میرا اول اوسط و آخر دعا میں کیا کرو زرقانی نے لکھا ہے کہ مراد اس سے درود شریف ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ بحث تفصیلی اس کی آیندہ آوے گی۔ اور ہر مجلس میں کما فی الزرقانی عن ابی سعیدؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجلس قوم مجلسا ثم لا یصلّون فیہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا کان علیھم حسرۃً وان دخلوا الجنۃ لما یرون من الثواب رواہ النسائی۔ ترجمہ روایت ہے ابو سعید خدریؓ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھیں تو ضرور ان کو حسرت ہوگی اگرچہ جنت میں جاویں اس لیے کہ وہاں اس کے ثواب کا حال دیکھیں گے روایت کیا اس کو نسائی نے اور وقت ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چنانچہ کنز العمال میں ہے عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَغِمَ انفُ رجلٍ ذُکِرتُ عندہ فلم یُصلّ علیّ الحدیث تک ترجمہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خاک آلودہ ہوناک اس شخص کی ہے ذلیل و خوار ہو وہ شخص کہ جس کے نزدیک میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا روایت کیا اس کو ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں۔ انتہی۔

سوائے اس کے اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں انشاء اللہ تعالیٰ قریب میں نقل کی جائیگی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ جیسا کہ کنز العمال میں ہے عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما جلس قوم یذکرون اللہ عزوجل لم یصلوا علی بینھم الا کان ذلک المجلس علیھم ترۃ الحدیث ک ترجمہ۔ روایت ہے ابوہریرہ رضؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگ خدائے تعالیٰ کے ذکر کے واسطے بیٹھیں اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود نہ پڑھیں تو وہ مجلس ضرور ان کے واسطے باعث نقصان ہوگی روایت کیا اس کو حاکم نے مستدرک میں۔

اور کان میں سن سناہٹ کی آواز آنے کے وقت چنانچہ روایت ہے ابی رافع سے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا طنت اذن احدکم فلیذکرنی ولیصل علی ولیقل ذکر اللہ من ذکرنی بخیر ترجمہ۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی شخص کے کان میں آواز ہونے لگے تو چاہیئے کہ مجھ کو یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے اور کہے کہ خدائے تعالیٰ ذکر خیر کرے ان کا جنہوں نے یاد کیا ہے مجھ کو۔ انتہی

شیخ یعقوب جلوتی رحؒ نے وسیلہ عظمی الی حضرۃ المجتبیٰ میں لکھا ہے کہ روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے اور کہا امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں کہ روایت کیا اس کو عقیلی نے ضعفا میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی اور ابن سنی نے اور زرقانی نے کہا ہے کہ روایت کیا اس کو طبرانی

نے اپنے تینوں کتابوں میں اور خرائطی اور حکیم ترمذی نے بھی۔ ہر چند سخاوی نے اس حدیث کو ضعیف اور ابن جوزی رح نے موضوع کہا ہے لیکن اس کا تعقب کیا گیا ہے کہ حافظ نور ہیثمی نے لکھا ہے کہ اسناد طبرانی کی کبیر میں حسن ہے۔ اور روایت کیا ہے کہ اس کو ابن خزیمہ نے حالانکہ انھوں نے تخریج احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہے اور اسی طرح جمع الجوامع کے دیباچہ میں امام سیوطی رح نے لکھا ہے کہ جو حدیث ابن خزیمہ کی طرف منسوب ہو وہ صحیح ہے۔

اور جب کسی چیز کو بھول جاوے چنانچہ مواہب اللدنیہ اور وسیلہ عظمیٰ میں ہے عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نسیتم شیئًا فصلّوا علی تذکروہ انشاء اللہ رواہ ابو موسی المدینی ترجمہ روایت ہے انس سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بھول جاؤ تم کسی چیز کو تو مجھ پر درود پڑھ لو جس سے وہ چیز انشاء اللہ تعالیٰ یاد آجائے گی روایت کیا اس کو ابو موسیٰ مدینی نے۔

اور ہر مکان میں جیسا کہ زرقانی رح نے نقل کیا ہے عن الحسن بن علیؓ عن علیؓ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیثما کنتم فصلّوا علیّ فانّ صلوتکم تبلغنی رواہ الطبرانی وغیرہ ترجمہ روایت ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں رہو مجھ پر درود پڑھو کہ پہنچ جائے گا وہ مجھ کو روایت کیا اس کو طبرانی وغیرہ نے۔ انتہیٰ

اور روز جمعہ چنانچہ ابن قیم نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں نقل کیا ہے عن اوس بن اوس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من

الصلوٰۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت یعنے قد بلیت قال اللہ عزوجل حرّم علی الارض اجساد الانبیاء رواہ الحاکم وابن حبان فی صحیحھما ترجمہ روایت ہے اوس بن اوسؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے اسی روز آدم علیہ السلام پیدا ہوے اسی روز انتقال کیا اسی روز نفخ صور ہوگا اور اسی روز صعقہ ہوگا اس لیے اس روز زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرو تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جاتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیونکر درود آپ پر عرض کیا جائے گا جس حالت میں کہ جسد مبارک آپکا بوسیدہ ہو گیا ہوگا فرمایا حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر کہ انبیا کے اجساد کو کھاوے روایت کیا اس کو حاکم اور ابن حبان نے اپنے صحیحوں میں۔ انتہی۔

انشاء اللہ تعالیٰ اور مباحث جو اس حدیث شریف سے متعلق ہیں آیندہ ذکر کیے جائیں گے سوائے ان احادیث کے تعیین اوقات درود شریف میں بہت حدیثیں وارد ہیں چنانچہ امام سخاوی نے قول بدیع میں ایک باب صرف اوقات و مواقع درود شریف میں مدون کیا ہے اور ہر بات کو باحادیث و آثار ثابت کیا ہے چنانچہ اس باب کے عنوان کا ترجمہ یہ ہے۔ پانچواں باب درود شریف کے اوقات مخصوصہ میں جیسے بعد وضو۔ تیمم اور غسل جنابت کے۔ اور نماز میں اور بعد نماز کے۔ اور اقامت کے وقت اور بعد صبح۔ اور مغرب کے اور التحیات میں اور قنوت میں۔ اور تہجد کے واسطے اٹھنے کے وقت۔ اور بعد تہجد کے اور جب کسی مسجد میں گزر ہو۔ اور مسجد کو دیکھنے۔ اور داخل ہونے۔ اور نکلنے کے وقت اور بعد جواب دینے موذن کے۔ اور جمعہ کے روز۔ اور اس کی رات میں

اور ہفتہ اور اتوار۔ اور پیر۔ اور منگل کے دن۔ اور خطبہ میں جمعہ۔ اور عیدین
اور استسقا اور کسوف۔ وخسوف کے۔ اور اثنائے تکبیرات عیدین۔ وجنازہ
میں اور میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اور رجب۔ وشعبان میں۔ اور جب
کعبہ شریف کو دیکھے۔ اور صفا اور مروہ پر۔ اور تلبیہ سے فارغ ہو کر۔ اور حجر اسود
کے بوسہ کے وقت اور ملتزم کے پاس۔ اور عرفہ کی دوپہر کے بعد۔ اور مسجد نبوی
میں اور مدینہ منورہ کو دیکھیے۔ اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے
کے وقت اور جب کبھی آثار شریفہ اور اماکن متبرکہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم تشریف فرما ہوئے ہیں نظر پڑ جائیں۔ اور ذبح اور بیع اور کتابت وصیت
کے وقت اور نکاح کے خطبہ میں۔ اور صبح وشام۔ اور جب ارادہ سونے کا ہو۔ اور
سفر کا کرے اور سواری پر سوار ہونے کے وقت۔ اور جب نیند اچٹ جاوے
اور بازار یا دعوت میں جانے کے وقت۔ اور جب گھر میں داخل ہو۔ اور خط میں
بعد بسم اللہ کے اور جب کوئی غم۔ یا مصیبت۔ یا سختی آپڑے۔ یا محتاج و
فقیر ہوجاوے اور ڈوبنے کے وقت۔ اور طاعون میں۔ اور دعا کے شروع
اور درمیان۔ اور آخر میں۔ اور جب کان میں آواز ہونے لگے اور جب پاؤں
سن ہوجائیں اور چھینکنے کے وقت اور جب کسی چیز کو بھول جاوے اس کے
یاد آنیکے لئے۔ اور جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو۔ اور مولی کھانے کے وقت۔ اور
جب گدھے کی آواز سنے۔ اور گناہ سے توبہ کرنے کے وقت اور جب کوئی
حاجت پیش آوے۔ اور تمامی احوال میں۔ اور جب کسی شخص پر تہمت لگائی جاوے
اور وہ اس سے بری ہو اور دوستوں سے ملنے کے وقت۔ اور جب چند آدمی مجلس
سے اٹھنے لگیں۔ اور قرآن شریف ختم کرنے اور حفظ کرنے کے وقت اور جب مجلس
سے اٹھنے لگے۔ اور جس مجلس میں خدائے تعالی کے ذکر کے واسطے جمع ہوں۔ اور بات

کرنے کے وقت اور علم پڑھنے اور پڑھانے۔ اور وعظ کرتے۔ اور فتویٰ دینے اور حکم کرنیکے وقت اور جب نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھے الحاصل ان احادیث و آثار سے اوقات مخصوصہ مختلفہ درود شریف کے لئے ثابت ہیں اور ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت درود شریف ہے بلکہ صراحۃً بھی اس کا امر فرمادیا ہے چنانچہ کنز العمال اور وسیلۂ عظمیٰ میں ہے عن الحسن بن علی وابی ھریرۃ رضی اللہ عنھم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوۃ علیّ فانّ صلوتکم علیّ مغفرۃ لذنوبکم الحدیث ابن عساکر عن الحسن بن علی ت ک عن ابی ھریرۃ ۔ ترجمہ۔ روایت ہے حسن بن علیؓ اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زیادہ درود مجھ پر پڑھا کرو جس سے تمہارے گناہوں کی مغفرت ہو روایت کیا اس کو ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن عساکر نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے۔ انتہیٰ:

اور وسیلۂ عظمیٰ میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا من الصلوۃ علیّ الآن اول ما تسألون فی القبر عنّی رواہ السخاوی ترجمہ۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زیادہ مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ سب سے پہلے قبر میں تم لوگوں سے میرے ہی بابت میں سوال ہوگا روایت کیا اس کو سخاوی نے۔ اور سوائے اس کے انشاء اللہ تعالیٰ جب مرتع اکثر حدیثیں نقل کی جائیں گی جس سے یہ بات متواتر معنوی ثابت ہوجائے گی کہ امتیوں کا بہ کثرت درود شریف پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور ہے۔ اسی وجہ سے کثرت درود شریف علامت اہل سنت وجماعت کی ٹھیرائی گئی

ہے چنانچہ امام سخاوی نے قول بدیع میں روایت کی ہے رُوی
ابوالقاسم التیمی فی الترغیب لہ من طریق علی بن الحسین قال
علامۃ اہل السنۃ کثرۃ الصلوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اور ظاہر ہے کہ کلام سعادت پیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود
وحی ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی
تو معلوم ہوا کہ کثرت درود شریف کی حق تعالیٰ کو بھی منظور ہے اور یہ دوسرا
قرینہ ہے اس پر کہ امر صلوا علیہ استمرار کے لئے ہے۔

الحاصل۔ صرف ایک دوبار درود شریف اسقاط فرضیت کے خیال
سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں بنانا کہ جس سے مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے
خلاف مسلک اہل سنت وجماعت کے ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ کے بھی ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک"

فائدہ متعلق وسلموا تسلیما سلام اسم ہے تسلیم کا اور کئی معنی میں مستعمل ہے صلح
انقیاد و فرماں برداری و بذل الرضا بالحکم وغیرہ قال القاضی عیاض فی الشفاء
وفی معنی السلام علیہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ اوجہ احدہا السلامۃ
لک ومعک ویکون السلامۃ مصدرًا کالملاذ واللذاذۃ الثانی
السلام علی حفظک ورعایتک متولٍ لہا وکفیل ویکون ھٰہنا السلام
اسم اللہ الثالث ان السلام بمعنی المسالمۃ والانقیاد کما قال اللہ تعالیٰ
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا
فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اور معنی بذل الرضا صلح
میں مذکور ہیں پس معنی السلام علیکم کے یہ ہوئے کہ تم سلامت رہو۔ یا ہم تمہارے فرمانبردار
اور تمہارے حکم پر راضی ہیں بہرحال دونوں صورتوں میں اظہار اخلاص اور

دعاگو سے سلام سے مقصود ہے پیشتر اہل عرب ملاقات کے وقت انعم اللہ علینا وغیرہ الفاظ کہا کرتے تھے بجائے اُس کے ان الفاظ کے مقرر ہونے میں بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جب کوئی ان الفاظ کے ساتھ کسی کو خطاب کرتا ہے تو مخاطب کو تصریح سلامتی کی وجہ سے اطمینان اُس شخص سے ہو جاتا ہے اسی سبب سے مخاطب پر جواب بھی اسی قسم کا واجب ہو گیا تا اس کو بھی اس شخص سے اطمینان ہو جاوے۔ چنانچہ اب تک کل اہل عرب میں بدویوں تک یہ بات جاری ہے کہ جب سلام کرتے ہیں یا جواب سلام کا دیتے ہیں تو پھر کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب ضرر پہنچانا منظور ہوگا تو نہ سلام کریں گے نہ اُس کا جواب دیں گے پس معلوم ہوا کہ سلام صداقت و اخلاص کی دلیل ہے۔ اور اس سے یہ بات جتائی جاتی ہے کہ ہم آپ کے دعاگو اور خیرخواہ ہیں اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے جملہ اہل ایمان کو بمنطوق لازم الوثوق وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا تاکید امر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ سلام عرض کیا کریں تا ہر وقت اخلاص عقیدت کا اظہار بارگاہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا کرے اسی واسطے ہر نماز میں خواہ فرض یا نفل ایک دو بار سلام عرض کرنا ضروری ٹھیرایا گیا۔ اس تکرار میں نکتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو بسبب مشاغل ضروری کے جو لازمہ بشری ہیں ہر وقت حضوری نصیب نہیں ہو سکتی اس لئے نماز کے واسطے جو افضل عبادات ہے چند اوقات خاص خاص مقرر کئے گئے پھر جب توجہ اس کی حق تعالیٰ کی طرف ہوئی تو ضرور ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی متوجہ ہو کیونکہ حضرت کی ذات مبارک مخلوق و خالق کے درمیان میں واسطہ جمیع فیوضات کا ہے پس یہ متوجہ ہونا گویا بہ نسبت اس شخص کے حضوری ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حضوری کے وقت سلام عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جب کوئی شخص بارہا سلام عرض کر کے اپنی عقیدت و خیرخواہی جتایا جاوے اور ہر وقت اعتراف کیا

کرے کہ مجھ سے کسی قسم کی اذیت نہ پہنچے گی باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسے کلمات ناشائستہ اور غیر مہذب کہے جس سے سننے والوں کو اذیت پہنچے تو اس اظہار اخلاص کو کیا سمجھنا چاہیئے بجز اس کے اور کیا کہا جائے کہ حق تعالے ہم سب مسلمانوں کو توفیق ادب عطا فرما دے۔

الحاصل ہر نماز میں سلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مقرر ہونا دلیل ہے اس بات پر کہ کثرت اس سلام کی حق تعالے کو نہایت پسند ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے حق تعالی اس پر سلام کرتا ہے۔ کما فی المشکوۃ عن عبد الرحمٰن بن عوف رضہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی دخل نخلا فسجد فاطال السجود حتی خشیت ان یکون اللہ تعالے قد توفاہ قال فجئت انظر فرفع راسہ فقال ما لک فذکرت ذلک لہ قال فقال ان جبرئیل علیہ السلام قال لی الا ابشرک ان اللہ عزوجل یقول لک من صلی علیک صلوۃ صلیت علیہ ومن سلم علیک سلمت علیہ رواہ احمد ترجمہ روایت ہے عبد الرحمٰن بن عوف رضہ سے کہ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اور داخل ہوئے کسی نخلستان میں پھر سجدہ کیا آپ نے اور دراز کیا سجدہ یہاں تک کہ خوف ہوا مجھکو کہ شاید انتقال ہو گیا ہو پس قریب آیا کہ دیکھوں کیا حال ہے پس اٹھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اور فرمایا کہ کیا ہوا تمکو جو گھبرائے ہو پس عرض کیا میں نے سرگذشت کو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ خوشخبری دیتا ہوں میں آپ کو کہ حق تعالے آپ کو فرماتا ہے جو شخص آپ پر درود پڑھے میں صلوۃ بھیجتا ہوں اس پر اور جو شخص آپ پر سلام کرے سلام کرتا ہوں اس پر روایت کی اسکو امام احمد نے انتہی

اور درمنضود میں ابن حجر ہیثمی رح نے اسی مضمون کی روایت نقل کی اور کہا کہ صحیح کہا اس کو حاکم نے۔ اور ایسا ہی کہا قسطلانی رح نے مسالک الحنفا میں کہ عبد بن حمید نے بھی روایت کی ہے اس کو اپنے مسند میں وفی الوسیلۃ العظمی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی رایت جبرئیل نبشرنی وقال ان ربک یقول من صلی علیک صلیت علیہ ومن سلمت علیہ فسجدت اللہ شکرا رواہ احمد الحاکم۔

ترجمہ۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا میں نے جبرئیل کو پس خوشخبری دی انھوں نے مجھکو اور کہا کہ فرماتا ہے رب آپ کا جو شخص آپ پر درود بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور جو شخص سلام عرض کرے آپ پر میں اس پر سلام کرتا ہوں پس سجدہ شکر بجالایا میں اللہ تعالے کا روایت کیا اس کو امام احمد اور حاکم نے۔ انتھی

بعد اس کے رحمت الہی نے اور ترقی کی اور ایک سلام کے بدلے دس کی بشارت دی گئی کما ورد عن ابی طلحۃ الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء ذات یوم والبشری تری فی وجہ فقال انہ جاءنی جبرئیل علیہ السلام فقال اما یرضیک یا محمد ان لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیت علیہ عشرا ولا یسلم علیک احد من امتک الا سلمت علیہ عشرا رواہ النسائی والحاکم فی صحیحہ وابن حبان والدارمی کذا فی مسالک الحنفا وقال السخاوی فی القول البدیع رواہ احمد ترجمہ روایت ہے ابی طلحہ انصاری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز برآمد ہوئے اور چہرہ مبارک سے خوشی نمایاں تھی پس فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے

پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ راضی نہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو امتی
آپ کا ایک درود آپ پر بھیجے میں دس صلوٰۃ اس پر بھیجوں اور جو ایک
سلام آپ پر کرے میں دس بار اس پر سلام کروں۔

جائز ہے کہ یہ قول جبرئیل علیہ السلام کا ہو اپنی سے یا برسبیل پیام ہو حق
تعالیٰ کی طرف سے۔ یہاں سمجھنا چاہیئے کہ جب کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر سلام عرض کرے تو اس کے جواب کا حق حضرت پر ہے حق تعالیٰ
جو جواب ارشاد فرماتا ہے اس سے کس قدر خوشنودی حق تعالیٰ کی اس سلام
سے ثابت ہوتی ہے۔ اس موقع میں یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ شاید آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارشاد نہ فرماتے ہوں اس لئے حق تعالیٰ آپ کی
طرف سے جواب دیتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں مصرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم بنفس نفیس جواب سلام کا ادا فرماتے ہیں کما روی الامام القرطبیؒ
فی تفسیرہ عن عبدالرحمٰن بن عوف اَنَّ رسولَ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
قَالَ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِذَا مُتُّ اِلَّا جَاءَ فِی سَلَامِہٖ مَعَ
جبرئیل وَیَقُوْلُ یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ یُقْرِئُکَ سَلَامَ
فَاَقُوْلُ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ ترجمہ:- روایت ہے
عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص تم
میں کا سلام کرے مجھ پر میرے انتقال کے بعد تو پہنچے گا سلام اس کا مجھکو
جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اور کہیں گے وہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص فلاں بن
فلاں سلام عرض کرتا ہے آپ پر کہوں گا میں وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ انتہی
اور سوائے اس کے کئی فرشتے سلام پہنچانے پر مقرر ہیں جیسا کہ گذرا
الحاصل جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتا ہے تو حضرت سے بھی
جواب پاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی اس سے ظاہر ہے کہ اس سلام میں

خدا و رسول کی کمال درجہ کی خوشنودی ہے اسی وجہ سے فرشتوں سے لیکر جھاڑ پہاڑ تک بکمال شوق سلام عرض کیا کرتے تھے۔ کما فی مسالک الحنفا
عن علی قال کنا بمکة فخرج بعض نواحیها فما استقبله شجر ولا مدر ولا جبل الا قال له السلام علیک یا رسول الله رواه الدارمی والترمذی وحسنه والحاکم وصححه والطبرانی وابونعیم والبیهقی۔

ترجمہ۔ روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ ہم لوگ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف پھر جو جھاڑ یا ٹیلا یا پہاڑ سامنے آتا السلام علیک یا رسول اللہ کہتا تھا۔

وفی المواهب اللدنیه۔ وفی حدیث یعلی بن مرة الثقفی قال ثم سرنا حتی نزلنا منزلا فنام النبی صلی الله علیه وسلم فجاءت شجرة تشق الارض حتی غشیته ثم رجعت الی مکانها فلما استیقظ رسول الله صلی الله علیه وسلم ذکرت له فقال هی شجرة استاذنت ربها فی ان تسلم علی فاذن لها الحدیث رواه البغوی فی شرح السنة وقال الزرقانی رواه احمد والطبرانی والبیهقی

ترجمہ۔ روایت ہے یعلی بن مرہ ثقفی سے کہ پھر چلے ہم یہاں تک کہ اترے کسی منزل میں پس آرام فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پس آیا ایک جھاڑ زمین شق کرتا ہوا یہاں تک کہ ڈھانپ لیا حضرت کو پھر لوٹ گیا اپنے مقام پر پس جب بیدار ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کیا میں نے قصہ اس جھاڑ کا فرمایا اجازت چاہی اس نے اپنے رب سے کہ سلام کرے مجھ پر پس اجازت دی گئی اس کو۔

اور مسالک الحنفا میں قسطلانی رح نے نقل کیا ہے عن ابی بکر الصدیق رض قال

الصلوٰۃ علی النّبی صلی اللہ علیہ وسلم امحق للخطایا من الماءِ البارد لِلنارِ والسلامُ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عتق الرقابِ وحُبُّ النّبیِ صلی اللہ علیہ وسلم افضلُ من مهج الانفس او قال افضلُ من ضربِ السیفِ فِی سَبیلِ اللہ رواہ النمیری وابن بشکوال موقوفاً ترجمہ۔ فرمایا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہ درود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جاوے مٹانے والا گناہوں کا ہے زیادہ اس سے کہ پانی آگ کو نابود کردے۔ اور سلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کیا جاتا ہے غلام آزاد کرنے سے زیادہ افضل ہے اور محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل ہے خون دل کو بہنے سے یعنے جاں بازی سے۔ یا کہا افضل ہے تلوار مارنے سے راہ خدا میں۔

کہا قسطلانیؒ نے مسالک الحنفا میں کہ ذکر کیا امام فاکہانیؒ نے کہ یہ سلام غلام آزاد کرنے سے بہتر اس لیئے ہے کہ عتق رقبہ کا مقابلہ عتق نار کے ساتھ ہے یعنے جو شخص غلام آزاد کرتا ہے تو ہر عضو اس شخص کا مقابلہ میں اعضاے غلام کے دوزخ سے آزاد ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنے کے مقابل اور عوض اللہ تعالیٰ کا سلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا سلام لاکھ جنتوں سے بہتر ہے۔ انتہیٰ

اس کے سوا اور بہت حدیثیں سلام کی فضیلت میں وارد ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بحسب موقع لکھی جائیں گی اب یہاں یہ امر پیش نظر ہے کہ اس سلام کی کس قدر وقعت ہے جو عین نماز میں ضروری ٹھیرایا گیا حالانکہ نماز عبادت محضہ ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبود حقیقی کی طرف چاہیے۔ اگر کہا جاوے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے یعنے السلام علیک ایہا النبی اس

سے خطاب مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے شب معراج کی۔ تو اس کا جواب یہ
ہے کہ اس صورت میں التحیات کا کچھ مطلب ہی نہ ہوا صرف الفاظ ہی رہ گئے
نہ التحیات للہ سے تمام تحیات اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے کا اعتراف ہوا نہ اشہد ان
لا الہ الا اللہ سے توحید پر شہادت ہوئی حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے التحیات کی تعلیم فرمائی یہ نہ کہا کہ شب معراج میں مجھ کو مخاطبہ ہوا تھا اور
بطور حکایت اس کو پڑھنا چاہئے حدیث تعلیم التحیات کی یہ ہے جس کو ابن تیمیہ نے
منتقی الاخبار میں روایت کی ہے۔ عن ابن مسعودؓ قال علمنی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم التشہد کفی بین کفیہ کما یعلمنی السورۃ من
القرآن التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد
ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ رواہ الجماعۃ
وفی لفظ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قعد احدکم فی الصلوۃ
فلیقل التحیات للہ وذکرہ وفیہ عند قولہ وعلی عباد اللہ الصالحین
فانکم اذا فعلتم ذلک فقد سلمتم علی کل عبد للہ صالح فی السماء
والارض وفی آخرہ ثم یتخیر من المسألۃ ما شاء متفق علیہ وعن
ابن مسعودؓ قال کنا نقول قبل ان یفرض علینا التشہد السلام علی
اللہ السلام علی جبرئیل ومیکائیل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم لا تقولوا ھکذا ولکن قولوا التحیات للہ ذکرہ الدارقطنی وقال
اسنادہ صحیح وھذا یدل علی انہ فرض۔ ترجمہ خلاصہ ان تینوں روایتوں کا یہ
ہے کہ روایت ہے ابن مسعودؓ سے کہا انھوں نے کہ تشہد فرض ہونے کے پیشتر ہم لوگ
السلام علی اللہ السلام علی جبرئیل ومیکائیل کہا کرتے تھے پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ ایسا مت کہو بلکہ جب کوئی نماز میں بیٹھے تو چاہئے کہ کہے التحیات
اللہ آخر تک اور سکھایا مجھکو حضرت نے یہ التحیات میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر
جیسا کہ کوئی سورہ قرآن کا تعلیم فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ جب تم نے وعلی عباد اللہ
الصالحین کہا تو گویا سلام کیا تم نے ہر بندہ صالح پر خواہ آسمان میں ہو وہ یا زمین
میں روایت کیا اس کو اہل صحاح ستہ اور امام احمد بن حنبل اور دار قطنی نے بہ
سب تفصیل مذکور پھر کہا ابن تیمیہ نے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ التحیات صحابہ
پر فرض تھی۔ انتہی

مخلصاً ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں مگر جن میں السلام
علیک ایہا النبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اُن احادیث کو بخاری مسلم
ابوداؤد و ترمذی نسائی ابن ماجہ امام احمد ابن حبان ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق
نے روایت کی ہے کما فی کنز العمال ان روایات سے کسی میں یہ بات نہیں ہے کہ
وہ سلام بطور حکایت پڑھا جاوے پھر جب حکایت ہونا اس کا ثابت نہ ہوا تو معنی
مقصود بالذات ہوئے جس سے ثابت ہوا کہ بطور انشا کہا جاوے جیسا کہ شیخ عابد
سندی نے طوالع الانوار شرح درمختار میں اس کی تصریح کی ہے کما سیجئی دوسری
دلیل یہ ہے کہ صحابہ السلام علی جبرئیل ومیکائیل اور بروایت امام احمد بن حنبل
السلام علی فلاں وفلاں کہا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع
فرمایا اور ارشاد کیا کہ جب تم السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہوگے
تو تمہارا سلام تمام مقربین ومرسلین وصالحین کو پہنچ جائے گا اس سے ظاہر ہے کہ
یہ سلام بطور انشا ہے نہ بطور حکایت۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی
اس تعمیم میں سلام پہنچ سکتا تھا لیکن چونکہ اس میں کوئی خصوصیت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی نہیں رہتی تھی اس لئے ضرور ہوا کہ بجب مرتبہ پہلے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کے ساتھ سلام عرض کرے اور تکمیل
تحیت کے واسطے ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی زیادہ کرے جس سے اعتنا
بالشان اس سلام کا ظاہر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسا السلام علینا
وعلی عباد اللہ الصالحین انشا ہے ویسا ہی السلام علیک بھی انشا
ہے تیسری دلیل یہ ہے السلام علیک ایھا النبی جس میں خطاب وندا
ہے متواتر ہے تبواتر لفظی اگر معنی اس کے مراد نہ لئے جائیں تو ایک قسم کا
نسخ لازم آئے گا پھر دلیل نسخ کو چاہیئے کہ ویسی ہی قطعی ہو اور منی طیبہ شب
معراج کا احادیث صحیحہ سے اگر ثابت ہو جائے جب بھی اس متواتر کا نسخ اس
سے نہ ہو سکے گا اس لئے کہ ان کو وہ احادیث احاد ہوں گی جس میں قطعیت نہیں۔
دوسرا یہ کہ اس التحیات کو اس کے ساتھ کچھ نسبت نہیں نہایۃ الامر یہ ہے کہ
ہئیت دونوں کی ایک ہو گی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اُس کی حکایت
ہو بلکہ وہاں جیسا حق تعالیٰ نے بطور انشا فرمایا تھا ویسا ہی یہاں مصلی بطور انشاء ہی
عرض کرتا ہے۔ الحاصل بعد تصحیح ان احادیث کے اس متواتر کے نسخ کے لئے
یہ بات ضرور ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر متواتر ثابت کیا جاوے واذ
لیس فلیس۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ جب آیہ شریفہ اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ
نازل ہوئی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا
صلوٰۃ کا طور ارشاد فرمائے چنانچہ درمنثور میں امام سیوطیؒ نے روایت کی ہے
واخرج ابن ابی سعید واحمد بن حمید والبخاری والنسائی وابن ماجہ
وابن مردویہ عن ابی سعید الخدری قال قلنا یا رسول اللہ ھذا
السلام علیک قد علمناہ فکیف الصلوٰۃ قال قولوا اللّٰھم صلِّ علی
محمدٍ الحدیث۔ امام بخاریؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ مراد اس سلام

ہے جس کی نسبت صحابہ نے اپنا علم ظاہر کیا سلام تشہد ہے یعنے
السلام علیک ایہا النبی حیث قال والمراد بقولہم السلام
علیک فقد عرفناہ فکیف الصلوۃ علیک فاعلمہم ایاہ فی التشہد
من قولہم السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فیکون
المراد بقولہم فکیف نصلی علیک ای بعد التشہد قالہ البیہقی
اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے نزدیک یہ سلام انشاے تحیت تھا اس لئے کہ
علما کے امتثال میں اس کو قرار دیا تھا اور امتثال کے لئے انشا کی ضرورت
ہے حکایت مفید نہیں ہو سکتی۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ امام سخاوی نے لکھا ہے
کہ سلام عرض کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی مواقع میں واجب ہے ایک
تشہد اخیر میں امام شافعیؒ کے نزدیک دوسرا نام مبارک آپ کا سنکر تیسرا
جب قبر شریف کے پاس حاضر ہووے۔ حیث قال فی القول البدیع ویُعلم
انہ یرتقی درجۃ التسلیم علیہ وسلم الی الوجوب فی مواضع الاول
فی التشہد الاخیر نص علیہ الشافعی الثانی مانقلہ الحلیمی انہ یجب
التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلما ذکر وفی الشفاء نقلاً
عن القاضی ابی بکر بن بکیر نزلت ھذہ الاٰیۃ علی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فامر اللہ اصحابہ ان تسلموا علیہ وکذلک من بعدھم
امروا ان یسلموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند حضورھم قبرہ
وعند ذکرہ چھٹی دلیل شیخ عابد سندھی نے طوالع الانوار شرح درمختار میں لکھا
ہے کہ السلام علیک ایہا النبی کے معنی کو مقصود بالذات سمجھے اور بطور انشا
سلام عرض کرے۔ کما قال ویقصد بالفاظ التشہد معانیہا حال کون
تلک الالفاظ مرادۃ لہ ای مقصودۃ لنفسہا علی وجہ الانشا وکانہ

يُحيِّي اللهُ تعالىٰ ويسلِّم على نبيه صلى الله عليه وسلم بقوله السلامُ عليكَ ايّها النبي ورحمة الله وبركاته فان قيل كيف شرع هذا اللفظ وهو خطابُ بشرٍ مع كونهِ منهيًا في الصلوة اجيب عن ذلك باجوبةٍ انتهى

ساتویں دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری شریف میں ہے عن عبد الله بن سَخبَرة ابو معمر قال سمعتُ ابن مسعودٌ يقول علّمني رسولُ الله صلى الله عليه وسلم وكفّي بين كفيهِ كما يعلّمني السورةَ من القرآن التحياتُ لله والصلوة والطيباتُ السلامُ عليكَ ايّها النبي ورحمةُ الله وبركاتهُ السلامُ علينا وعلى عبادِ الله الصالحين اشهدُ ان لا اله الّا اللهُ وَاَشهدُ اَنّ محمّدًا عبدُهٗ ورسولهٗ وهو بين ظهرانينا فلمّا قُبِضَ قُلنا السلامُ يعني على النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ:- روایت ہے ابو معمر سے کہ ابن مسعودؓ سے میں نے سُنا ہے کہ کہتے تھے سکھلایا مجھ کو رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات ناکہ میرا اپنے دونوں ہاتھوں میں میرا ہاتھ لے کر جیسا کہ کوئی سورہ قرآن کا سکھاتے ہیں اس حالت میں کہ حضرتؐ ہم میں تشریف رکھتے تھے پھر جب حضرتؐ نے انتقال فرمایا تو کہا ہم نے السلامُ یعنی علیَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے وَرَدَ فی بعض طُرقِ حديثِ ابن مسعودٌ ما يقتضي المغايرةَ بينَ زمانهِ صلى الله عليه وسلم وما بعدَهٗ في الخطاب ففي الاستيذانِ من صحيح البخاري من طريق ابي معمر عنه بعد اَن ساق حديث التشهدِ قال وهو بين ظهرنا فلمّا قُبِضَ قلنا السلامُ يعني على النبي واخرجه ابوعوانة

فی صحیحہ والبو نعیم والبیہقی من طرق متعددۃ بلفظ فلما
قبض قلنا السلام علی النبی وکذلک رواہ ابوبکر بن شیبۃ
قال السبکی فی شرح المنہاج بعد ان ساقہ مندا الی عوانۃ وحدہ ان
صح عن الصحابۃ ھذا دل علی ان الخطاب فی السلام بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر واجب
انہی قلت قد صح بلا ریب وقد وجدت لہ متابعا قویا قال عبدالرزاق
انا ابن جریج اخبرنی عطاء ان الصحابۃ کانوا یقولون والنبی
صلی اللہ علیہ وسلم حی السلام علیک ایہا النبی فلما مات قالوا
السلام علی النبی واسنادہ صحیح واما ماروی سعید بن منصور
من طریق ابی عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعود عن ابیہ ان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم علمہ التشہد فذکرہ قال فقال ابن عباس
انما کنا نقول السلام علیک اذا کان حیا فقال ابن مسعود ھکذا
علمنا وھکذا نعلم فظاہرہ ان ابن عباس قالہ بحثا وان ابن
مسعود لم یرجع الیہ لکن روایۃ ابی معمر اصح لان ابا عبیدۃ لم
یسمع عن ابیہ والاسناد مع ذلک ضعیف - اس تقریر سے معلوم ہوا کہ
صحابہ رضی اللہ عنہم اس سلام کو بطور انشا کہا کرتے تھے اسی وجہ سے بعض
صحابہ نے پہلے اجتہاد سے لفظ خطاب و ندا کو بدل دیا اور السلام علی النبیؐ کہنا
شروع کیا کیونکہ اگر یہ سلام بطور حکایت ہوتا تو بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی پس
ثابت ہوا کہ یہ سلام انشا ہے نہ حکایت - یہاں یہ بات معلوم کرنا چاہیے کہ
بعد وفات شریف کے اگر صحابہ کا خطاب و ندا کو بدلنا ثابت ہو تو سبب اس کا یہ
معلوم ہوتا ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے عالم ابدی ہو
اور صحابہ نے مسند خلافت الٰہی کو وجود عنصری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

خالی پایا آنکھوں میں تیرہ وتاریک ہو گیا غم والم کی یہاں تک نوبت پہنچی
کہ بعضوں سے دیوانوں کے سے حرکات صادر ہونے لگے بات بات پر یاد
اشفاق ومراحم ربانہ ایک مصیبت برپا کئے دیتے تھے باوجودیکہ بلال اذان کے
ثوابوں سے خوب واقف تھے اور اسی کام پر مامور تھے مگر اس صدمہ نے اُن کو
اس فضیلت عظمیٰ سے بازر کہا تھا کیونکہ جب نام مبارک زبان پر آجاتا تو نقشہ
حضوری کا آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا پھر اس حالت جانکاہ کا بیان کیا
ہو سکے کہ جس کی وجہ سے ایسی فضیلت عظمیٰ کے طرف مبادرت نہیں کر سکتے تھے
ہر چند صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنہوں نے اُنہیں آزاد کیا تھا حکم بھی فرمایا مگر جب
بھی نہ ہو سکا حالانکہ امتثال امر ان کا اُنہیں دو طور سے ضرور تھا ایک بحیثیت
آقائی دوسرے خلافت کہ کسی مسلمان کو انحراف اُن کے امر سے جائز نہ تھا لیکن
کیا کر سکتے غم کا تسلط کچھ اس قدر ہو گیا تھا کہ دل ہی قابو میں نہ تھا اور یہی
وجہ تھی کہ آخر معذور رکھے گئے چنانچہ کنز العمال میں منقول ہے عن محمد بن ابراہیم
بن الحارث التیمی قال لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن
بلال ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقبر فکان اذا قال
اشہد ان محمدا رسول اللہ انتحب الناس فی المسجد فلما دفن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو بکر اذن فقال ان کنت
انما اعتقتنی لان تحبسنی ومن اعتقتنی له فقال انما اعتقتک للہ
فقال انی لا اؤذن لاحد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال فذاک الیک فاقام حتی خرجت بعوث الشام فسار معہم حتی
انتہا ابن سعد ترجمہ روایت ہے محمد ابن ابراہیم سے کہ جب وفات فرمائے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان کہی بلال نے اسوقت کہ ہنوز حضرت دفن نہیں

کیے گئے تھے جب انھوں نے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا تو مسجد نبوی میں کہرام مچ گیا
کسی سے ضبط گریہ نہ ہوسکا اور بے اختیار آوازیں بلند ہوگئیں. پھر بعد
دفن کے جب صدیق اکبرؓ نے بلالؓ کو اذان کا حکم دیا. عرض کیا کہ اگر آپ نے
اللہ کے واسطے مجھے آزاد کیا ہے تو مجھے اللہ کے حوالہ کر دیجیے فرمایا میں نے صرف اللہ واسطے تمہیں آزاد
کیا ہے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اب کسی کا موذن نہ ہوں گا فرمایا تمہیں اختیار ہے پھر اقامت کی مدینہ منورہ
میں چند روز اور جب شام کی طرف لشکر روانہ ہوا تو اس کے ہمراہ چلے گئے اور وہیں رہ گئے
اور بعض صحابہ نے وفات شریف کی خبر سنتے ہی دعا کی کہ الٰہی اب ہمیں نابینا
کر دے کہ بعد اپنے حبیب کے کسی کی صورت نہ دیکھیں. کما فی المواہب اللدنیہ
وذکر ابن الظفر ایضاً اَنَّ عبد اللہ بن زید ھذا کان یعمل فی
جَنَّۃ لہ فاتاہ ابنہ فاخبرہ اَنَّ النبی صلی اللہ علیہ و
سلم توفی فقال اللّٰھُمَّ اَذھب بصری لا اری بعد حبیبی محمد احداً
فکف بصرہ لے تعجبی واقع میں اس مصیبت کی کچھ انتہا نہیں سواری مبارک
کے جانور پر اس صدمہ کا وہ اثر ہوا کہ متحمل نہ ہوسکا آخر خودکشی کی چنانچہ محدثین
نے اس کی تصریح کی ہے جب جانور کا یہ حال ہو تو ان جانبازان خستہ جگر
کا کیا حال ہوا ہوگا جن کو محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عالم سے اور
جان سے زیادہ تر تھی. مگر ہر آسودہ حال کو اس حالت کی کیا خبر اس کو تو وہی
لوگ جانیں جو مذاقِ محبت سے واقف اور فراق کے صدمے اُٹھا چکے ہوں۔
الحاصل کمال غم والم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب کو ترک کر دیا
پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہوگئی بسبب تعلیم آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پھر اسی طور پر بصیغہ خطاب وندا پڑھنا شروع کیا چنانچہ صحابہ و تابعین
کا عمل اسی پر رہا اور آج تک وہی جاری ہے اثبات اس دعوی کا کئی وجوہ سے

الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین السلام علیکم اسی طرح ابن عمرؓ سے مروی ہے کما فی الموطا امام محمد قال مالک اخبرنا نافع عن ابن عمرؓ انہ کان تتشہد فیقول بسم اللہ التحیات للہ والصلوات للہ والزاکیات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین الحدیث اور شرح معانی الآثار میں طحاویؒ نے روایت کی ہے۔ عن مجاھد قال کنت اطوف مع ابن عمرؓ بالبیت وھو یعلمنی التشھد یقول التحیات للہ الصلوات الطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ قال ابن عمر زدت فیھا وبرکاتہ یعنے مجاہد کہتے ہیں کہ سکھایا مجھ کو ابن عمرؓ نے حالت طواف خانہ کعبہ میں تشہد مذکور۔ اسی طرح معاویہ اور سلمان فارسی اور ابو حمید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ مولانا مولوی محمد عبد الحی صاحب لکھنوی مرحوم نے تعلیق الممجد میں لکھا ہے۔ منھم معاویۃ اخرج الطبرانی فی الکبیر مثل تشھد ابن مسعود ومنھم سلمان اخرج الطبرانی والبزار مثل تشھد ابن مسعودؓ وقال فی آخرہ قلھا ولا تزد فیھا حرفاً ولا تنقص منھا حرفاً واسنادہ ضعیف ومنھم ابو حمید اخرج الطبرانی عنہ مرفوعاً مثلہ یعنے یہ حضرات ابن مسعودؓ کی تشہد پڑھا کرتے اور روایت کیا کرتے تھے اور کہا سلمان فارسیؓ نے نہ اس سے زیادہ کرو نہ کم اور ایسا ہی ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ عن ابی المتوکل قال سالت ابا سعید عن التشھد فقال التحیات الصلوات الطیبات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ برکاتہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ كُنَّا لَا نَكْتُبُ شَيْئًا
اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَالتَّشَهُّدَ ش كنذا فى كنز العمال ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود
ابن مسعودؓ تابعین کو اسی التحیات کی تعلیم کیا کرتے تھے جس کی تعلیم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی كما روى ابن الهمام فى
فتح القدير قال ابوحنيفة اخذ حماد بن سليمان بيدى وعلمنى
التَّشَهُّدَ وَقَالَ حَمَّادٌ اَخَذَ اِبْرَاهِيْمُ بِيَدِيْ وَعَلَّمَنِي التَّشَهُّدَ وَقَالَ
اِبْرَاهِيْمُ اَخَذَ عَلْقَمَةُ بِيَدِيْ وَعَلَّمَنِي التَّشَهُّدَ وَقَالَ عَلْقَمَةُ اَخَذَ
عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ بِيَدِيْ وَعَلَّمَنِي التَّشَهُّدَ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَخَذَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ وَعَلَّمَنِي التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنِي
السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَكَانَ يَاْخُذُ عَلَيْنَا بِالْوَاوِ وَاللَّامِ یعنے سکھایا
ابن مسعودؓ نے علقمہ کو التحیات ہاتھ پکڑ کر جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو
سکھایا تھا اس سے ظاہر ہے کہ صرف چند روز صیغہ خطاب وندا کو انھوں نے بدلا
تھا تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس تغیر میں لحاظ خطاب وندا کا تھا تو یہ سبب قبل
انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا اس لیئے کہ صحابہ اکثر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے پس اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ
حالت غیبت میں بصیغہ خطاب وندا نہ پڑھتے ہوں حالانکہ یہ بات کسی سے مروی
نہیں بلکہ خود اسی حدیث میں مصرح ہے کہ بعد وفات شریف خطاب بدلا گیا
پس معلوم ہوا کہ علت تغیر کی ندا وخطاب نہ تھا بلکہ صدمہ وفات شریف کا
تھا پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اول تو جملہ صحابہؓ نے صیغہ ندا
کو بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا سبب اس کا یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے

خطاب وندا جائز نہیں۔ اور بعد چند روز کے بدلنے والے بھی بحسب تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بصیغہ خطاب پڑھتے اور تعلیم کیا کرتے تھے۔
شیخ عابد سندھیؒ نے المواہب اللطیفہ فی شرح مسند ابی حنیفہ میں اس مسئلہ میں نہایت ہی لطیف وجیت بحث کی ہے۔ چونکہ مناسب مقام ہے اس لیے بعینہٖ ان کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ وھی ھذہ لا شک ان الشارع صلی اللہ علیہ وسلم علمھم لفظ التشھد وقد اشتمل علی الخطاب ولم ینقل لھم انھم یخالفون بذلک اللفظ بعد وفاتہ مع ان الموجب فی الاتیان بلفظ الغیبۃ کان موجوداً فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیبتھم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاسفار والمغازی والسرایا وغیر ذلک ولم ینقل عن احد منھم انہ کان تشھد بلفظ الغیبۃ فی تلک الحالات علی ان عمر رضی اللہ عنہ علم الناس التشھد علی المنبر فی ایام خلافتہ فعلمھم بلفظ الخطاب کما اخرجہ مالک فی الموطا عن عبدالرحمن بن عبد القاری وکذلک رواہ القاسم بن محمد عن تشھد عائشۃ الذی کانت تتشھد بہ وذلک لا شک فیہ انہ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکذلک ما رواہ نافع ان ابن عمر کان یتشھد فیہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ برکاتہ وکل ھذا عند مالک فی الموطا وکان ابو موسی یعلم بھذا ایضاً اخرجہ الشافعی وعلم ابن عمر عبداللہ بن ثانی بذلک عند ابی داؤد وعلم سلمان ابا راشد کذلک کما اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والبزار فھذا کلہ صریح فی انھم حملوا الفاظ التشھد علی سبیل التعبد ولم یجعلوہ

خصوصاً بعد ان وقفت على ما يفهم من فعل ابن مسعودؓ
فيما اخرجه البخاري وغيره وفي فعل الصحابة الذين حكى عنهم
عطاء أن يكون ذلك اجتهاداً منهم لانه بتوقيف من الشارع صلى
الله تعالى عليه وسلم مع انه لا مجال للاجتهاد في مقابلة ما عينه
الشارع صلى الله تعالى عليه وسلم على ان خبر عطاء ليس فيهم من سمع
من الصحابة بلفظ الغيبة وغالب ما يروى عن عطاء عن هؤلاء
المذكورين من الصحابة وقد اشتهر من امرهم وما كانوا
يتشهدون الا بلفظ الخطاب والله اعلم ومن وقف على خلاف
ما حررته مؤيداً بالبرهان فليفد جزاه الله خيراً خلاصہ اس کا یہ
ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ التحیات تعلیم
فرمائی تھی جس میں صیغہ خطاب ہے اور یہ نہ فرمایا کہ بعد وفات شریف کے وہ لفظ
بدل دیا جاوے۔ اور صیغہ غائب کا خود حضرتؐ کے زمانہ میں موجود تھا کیونکہ
صحابہ سفر وغیرہ کی وجہ سے غائب ہوا ہی کرتے تھے پھر کسی سے یہ منقول نہیں کہ
اس حالت میں صیغہ خطاب کو ترک کیا ہو اور عمر فاروق اور عائشہ صدیقہ اور
ابن عمر اور ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہم کا تعلیم کرنا اور پڑھنا صیغہ خطاب بعد
وفات شریف کے ثابت ہے پس اس سے ظاہر ہے کہ الفاظ تشہد صحابہ کے نزدیک
تعبدی تھے کہ خصوصیت اس کو کسی زمانہ کے ساتھ نہیں۔ اور بعض صحابہ نے جو اس کو
بدل دیا تھا تو وہ اُن کا اجتہاد تھا شارع علیہ السلام کا اس میں امر نہیں باوجودیکہ
مقابلہ میں تعیین شارع کے اجتہاد کو دخل نہیں پھر کہا شیخ عابد رحمۃ اللہ علیہ
نے اگر کوئی شخص اس تحریر کے خلاف پر مطلع ہو تو چاہیے کہ پیش کرے بشرطیکہ
مؤید البرہان ہوا۔

احادیث مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کبار بعد وفات شریف کے التحیات بصیغہ ندا و خطاب پڑھا کرتے اور علیٰ رؤس الاشہاد تعلیم کیا کرتے تھے اور خاص ابن مسعودؓ کو اس التحیات کی تعلیم میں نہایت اہتمام تھا کہ ایک ایک حرف کی کمی و زیادتی پر مواخذہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قریب میں معلوم ہوگا۔ اور امام ترمذی نے بعد حدیث التحیات ابن مسعودؓ کے لکھا ہے کہ عامہ اہل علم صحابہ و تابعین کا اسی پر عمل تھا اور یہی قول سفیان ثوریؒ اور ابن مبارک اور امام احمد وغیرہم کا ہے اور کہا کہ امام شافعیؒ نے تشہد ابن عباسؓ کو اختیار کیا ہے۔ اس میں بھی صیغہ خطاب و ندا کا موجود ہے۔ اور یہ بھی مضمون سابق سے مستفاد ہوا کہ ائمہ اربعہؒ کی معمول بہ وہ التحیات ہے جس میں صیغہ خطاب و ندا کا ہے اور علمائے مذاہب اربعہؒ کا عمل الیٰ یومنا ہذا اسی پر جاری ہے چنانچہ حنابلہ سے ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں ندا و خطاب والی تشہد کو ذکر کیا اور ابو معمر کی روایت سے اغماض کیا بلکہ کتاب المحرر میں جو فقہ میں لکھی ہے اسی تشہد کا ذکر کیا ہے جس میں خطاب موجود ہے۔ حیث قال و یتشہد فیقول التحیات للّٰہ الصلوات الطیبات السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ الخ حتیٰ کہ خود امام بخاریؒ نے ترک خطاب کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ التحیات کے ابواب میں ابن مسعودؓ کی اس حدیث پر استدلال کیا جس میں ان کا وہ قول نہیں اور جس میں وہ قول ہے اس کو کتاب الاستیذان میں مصافحہ کے باب میں ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ قول ابن مسعودؓ کا امام بخاریؒ کے نزدیک بھی معمول بہ نہیں اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ مقصود ابن مسعودؓ کا اس قول سے کیا ہے جو بخاریؒ میں بروایت ابی معمر مذکور ہے علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

سلم وکفی بین کفیہ کما یُعلّمنی السورۃ من القرآن التحیات للہ
الخ وھو بین ظہرانینا فلما قبض قلنا السلام یعنی علی النبی صلی
اللہ علیہ وسلم تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ظاہر کرنا مقصود
ہے کہ بعد وفات شریفہ کے بھی صحابہ التحیات میں حضرت پر وہی سلام عرض
کیا کرتے تھے جو حیات میں تھا یعنے السلام علیک ایہا النبی تا خدشہ
حاضرین کا ندا وغیرہ کے باب میں بنظر فعل صحابہ کے دفع ہو جاوے۔ اور یہ
بات مطابق واقع کے ہے کہ صحابہ کا فعل ایسا ہی تھا مگر انفاً اس توجیہ پر
الف لام قلنا السلام میں عہد کا ہوگا پس مطلب یہ ہوا کہ جب انتقال فرمایا
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہم نے التحیات میں وہی سلام جو اوپر مذکور
ہے۔ اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ فلما قبض کے جواب میں صرف السلام پر اکتفا
کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس سلام کی خبر مخاطب کو دینا منظور ہے۔ اور
اگر خطاب بدلنے کا اختیار منظور ہوتا تو صرف السلام پر اکتفا نہ کرتے بلکہ غیبت
کی تصریح کر دیتے۔ اور اگر لفظ السلام کو مقولہ قلنا کا بتایئے تو لازم آتا ہے
کہ صرف السلام کہتے ہوں بغیر ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ظاہر البطلان
ہے۔ پھر مزید توضیح اور تعیین کیلئے سلام کی تفسیر کی باعتبار مسلم علیہ کے حیث
قال قلنا السلام یعنی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے کہ التحیات
میں مسلم علیہ تین ہیں پس مطلب اس کا یہ ہوا کہ بعد وفات شریف کے ترک نہیں
کیا ہم نے سلام کو بلکہ کہا ہم نے وہ سلام یعنے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر
بلفظ السلام علیک ایہا النبی کیا کرتے تھے اور اسی کی موید ہے وہ روایت
جو بعبارت فتح الباری میں ابھی مذکور ہوئی کہ کہا عبداللہ بن عباس نے ابن مسعود
سے کہ السلام علیک ایہا النبی ہم اس وقت کہتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم زندہ تھے مقصود یہ کہ بعد وفات شریف کے سلام کیسا کہنا چاہیئے کہا ابن مسعودؓ نے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہمکو اور ویسا ہی تعلیم کیا کرتے ہیں ہم۔ انتہی

اس تقریر سے ابن عباسؓ کو سکوت حاصل ہوگیا اسی وجہ سے آپ کا بصیغہ خطاب پڑھنا اور تعلیم کرنا روایات مذکورہ بالا سے ثابت ہے۔ اگرچہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ روایت ابو معمر کی (جس میں قول عبداللہ بن مسعود قلنا قبض قلنا السلامُ ہے) اصح ہے اور یہ روایت مناظرہ ضعیف ہے مقصود اس سے یہ کہ معارضہ کی وجہ سے روایت ابی معمر کو جو بخاری میں ہے ترجیح ہوگی۔ مگر اس وجہ سے کہ اس کی معارض نہیں بلکہ معاضد ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ضعف اس کا کچھ مضر نہ ہوگا بلکہ احد الاحتمالین کی ترجیح جو دوسرے قرائن سے ہو چکی ہے اس کی تائید کے لئے کافی ہو سکتی ہے کیونکہ قطعًا موضوع نہیں جو بالکل بیکار کی جاوے نہایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ یہ روایت ایک احتمال کے معارض ہے پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معارضہ ضعیف کا صحیح کے ساتھ ہو کیونکہ اگر صحیح و قوی ہے تو اسناد ہے نہ وہ احتمال۔ اور اسی طرح یہ روایت بھی اس کی موید ہے عن الاسودِ قال کان عبداللہ یُعَلِّمنا التشہدُ کما یُعَلِّمُنا السورۃَ مِن القرآنِ فیاخذ علینا الالِفَ والواو رواہ ابن النجار کذا فی کنز العمال ترجمہ روایت ہے اسود سے کہ ابن مسعودؓ تشہد ہم کو ایسا سکھاتے تھے جیسا کہ سورہ قرآن کا سکھاتے ہیں کہ الف و واو میں گرفت وگیر کیا کرتے تھے اور ابھی علقمہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ الف لام میں مواخذ کرتے تھے اور امام محمدؒ نے موطا میں لکھا ہے۔ قال محمد فکان عبداللہ بن مسعودؓ یکرہ اَن یزاد فیہ حرفٌ او ینقص منہ حرفٌ

ترجمہ۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے ابن مسعودؓ تشہد کے ایک حرف کی کمی و زیادتی کو
وجہ اس اہتمام کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی
التحیات کی تعلیم کا اُن کو امر فرمایا جس کو کمال اہتمام مثل بعیت لینے کے ہاتھ
میں ہاتھ لے کر سکھاتے تھے کما قال الشیخ عابد السندھیؒ فی طوالع الانوار
قال الزیلعیُ انہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ابن مسعود ان یُعلّمَ
الناس فیما رواہ احمدُ والامرُ للوجوب ولا ینزل من الاستحبابِ
اور جو روایت متفق علیہ جو منتقی الاخبار سے لکھی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم نے ان کو فرمایا اذا قعدَ احدُ کم فی الصلوۃ فلیقل التحیاتُ للہ
الحدیث اس سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ التحیات ہے اب رہی یہ بات
کہ ابو عوانہ اور ابو نعیم اور بیہقی اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے قول ابن مسعودؓ
کو بغیر لفظ یعنی کے روایت کیا ہے اس طور پر فلما قُبِضَ قلنا السلام علی
النبی تو جائز ہے کہ کوئی راوی لفظ یعنی کو بھول گیا ہو یا زائد سمجھکر ترک کر دیا
ہو کیونکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک درست ہے امام سیوطیؒ نے مسالک
الحنفا میں لکھا ہے وقد وقع فی الصحیحین روایاتٌ کثیرۃ من ھذا النمطِ
فیھا لفظ تصرف فیہ الراوی وغیرہ اَثبتُ منہ کحدیث مسلم عن
انس فی نفیِ قراءۃِ البسملۃِ وقد اعلہ الامامُ الشافعی رضی اللہ عنہ
بذالک وقال ان الثابتَ من طریقٍ آخرَ نفیُ سماعھا ففھم منہ
الراوی نفی قراءتھا فرواہ بالمعنی علی ما فھمہ فاخطاءَ اور یہ ظاہر ہے
اس لئے کہ جب یہی روایت بخاری شریف میں موجود ہے تو ضرور ہے کہ فضیلت
بخاری کی محفوظ رہے۔ اور سوائے اس کے قاعدہ مسلمہ ہے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول
ہے۔ کما قال النودی فی مقدمۃ مسلم زیادات الثقۃ مطلقاً عند الجماھیر

من اهل الحدیث والفقہ والاصول اس اعتبار سے بھی لفظ یعنی معتبر ہوا۔ اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ لفظا یعنے غلط ہے جب بھی کچھ نقصان نہیں۔ کیونکہ وجوہات مذکورہ بالا سے جب الف ولام السلام کا عہدی ٹھیرا تو علی النبی مع متعلق صفت اس کی ہوجائے گی اور مطلب اس عبادت کا یہ ہوگا کہ بعد انتقال کے کہا ہم نے وہی سلام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اگر کہا جاوے کہ یہ تاویل ہے مفہوم ظاہر عبادت یہ ہے کہ جملہ السلام علی النبی مقولہ تلنا کا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ تاویل کچھ نئی بات نہیں جس سے استبعاد ہو ظاہر ہے کہ جب نصوص آپس میں معارض ہوتے ہیں تو حتی الارکان کسی ایک میں تاویل کی جاتی ہے اور یہاں بھی یہی ہوا اس لئے کہ اگر یہ مؤدل ظاہر پر چھوڑا جائے تو کئی قباحتیں لازم آتی ہیں ایک بلا دلیل نسخ عموم اوقات کا جو باحادیث صحیحہ ثابت ہے۔ دوسری ترجیح اجتہاد کی مقابلہ میں نص کے جو جایز نہیں کما قال الشیخ علی القاری فی المواھب اللطیفہ ولا مجال للاجتہاد فی مقابلۃ ما عینہ الشارع صلی اللہ علیہ وسلم لہ فی التشھد۔ تیسرا نقص اس لئے کہ خود ابن مسعودؓ سے خلاف اس کے مروی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا الحاصل ان اسباب سے یہاں تاویل کی ضرورت ہے۔ اب رہا قول ابن عطا کا جس کو فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ صحابہ بعد وفات شریف کے السلام علی النبی کہا کرتے تھے سو اس کا جواب یہ ہے صحابہ کا فعل اور تعلیم احادیث مذکور بالا سے ثابت ہے کہ کسی نے خطاب و ندا کو ترک نہیں کیا مگر بات یہ ہے کہ عطاؒ نے ابن مسعودؓ کے ظاہر قول کا مطلب بیان کردیا جو بروایت ابی عوانہ مروی ہے ورنہ کسی اور صحابی سے اس قسم کی بات مروی نہیں الحاصل قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ تمام صحابہ تو کیا خود عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی خطاب و ندا کو بعد وفات شریف کے

ترک کیا ہو ہذا ماتیسر لی وہو ولی التوفیق والتوقیف۔

نادرہ نداء غائب کے مسئلہ میں جب استدلال السلام علیک ایہا النبی کے ساتھ کیا جاوے تو بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں ندا مقصود نہیں بلکہ یہ حکایت ہے مخاطبہ شب معراج کی پھر جو ان سے پوچھا جاوے کہ کیا اس حدیث کو مانتے ہو تو کہتے ہیں اگر وہ حدیث مانی جاوے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ سے اس طرف جانے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے پاس ثابت نہیں۔ یہ عجیب بات ہے اگر نماز کی التحیات کو حکایت اس کی قرار دیں تو چاہئیے کہ محکی عنہ کو اپنے قواعد کے موافق ثابت کریں یا مانیں اور اگر محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں اس کے کیا معنی کہ حکایت میں تو وہ زور وشور اور محکی عنہ سے بالکل انکار کیا اس کو الف لیلہ کی حکایت سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں الحاصل۔ ہر مسلمان کو چاہئیے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا۔ کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف میں ہوں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں تعلل ایسا ہوگا جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام کے سجدہ میں تعلل کیا تھا۔ اب یہ بات معلوم کرنا چاہئیے کہ جب اس سلام کا یہ رتبہ ہوا کہ ایک حصہ عبادت مخصہ یعنی نماز کا اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں ہم لوگوں کو کس قدر اہتمام و آداب چاہئیے۔ ہر چند عوام الناس اس قسم کے امور سے مرفوع القلم ہیں کیونکہ اُن کو تو اسی قدر کافی ہے کہ جتنا شارع نے ضروری بتایا اتنا کر دیا۔ مگر اہل عقل و تمیز کو چاہئیے کہ ایسے امور میں غور و فکر کریں اور ادب سیکھیں۔ العاقل تکفیہ

الاشارہ الغرض جب کسی وقت خاص میں سلام عرض کرے تو چاہیئے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور دست بستہ ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَنَا سَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وغیرہ صیغہ جن میں حضرت کی عظمت معلوم ہو عرض کرے اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام تشبیہ بالعبادت ہے اور وہ جائز نہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو تشبیہ بالعبادت میں کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جاوے کہ قوموا اللہ قانتین سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے چاہیئے تو ہم کہیں گے کہ بیشک نماز کا قیام خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے اور اگر مطلق قیام کی اس میں تخصیص ہوتی تو لفظ للہ کی ضرورت نہ تھی خلاصہ یہ کہ اس آیۃ شریفہ سے نماز کا قیام فرض ہوا نہ یہ کہ انحصار قیام کا اس میں ثابت ہوا اگر یہی بات ہوتی تو کوئی قیام درست ہی نہ ہوتا حالانکہ جمہور محدثین و فقہا کے نزدیک علاوہ اور مقاموں کے کسی کے اکرام کے واسطے کھڑا رہنا بھی درست ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری میں شرح و بسط لکھا ہے ماحصل اس کا یہ ہے۔ احکام قیام کے مختلف ہیں۔ ایک وہ کہ جیسے امرا و سلاطین مثلاً بیٹھے ہوتے ہیں اور خدام و اتباع اُن کے تعظیماً روبرو کھڑے رہتے ہیں یہ بالاتفاق ناجائز ہے دوسرا وہ کہ جیسے کوئی سفر سے آوے یا کوئی خوش خبری یا تہنیت آنیوالے کو دینا ہو ایسے مواقع میں قیام بالاتفاق جائز ہے۔ تیسرا کسی کے اکرام کے واسطے کھڑا رہنا جس کو ہمارے محاورہ میں تعظیم کہتے ہیں۔ یہ صورت مختلف فیہ ہے ابن قیم اور ابو عبد اللہ ابن الحاج کے پاس ناجائز ہے۔ اور امام مالک اور عمر بن عبد العزیز اور امام بخاری اور مسلم ابوداؤد بیہقی طبرانی ابن بطال خطابی منذری توربشتی اور امام نودی رحمہم اللہ

کے اقوال سے اس کا جواز ثابت ہے۔ مانعین کے دلائل یہ ہیں (۱) عن معاویہؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یتمثل لہ الرجال امثالا وجبت لہ النار ترجمہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص دوست رکھے اس بات کو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہا کریں تو واجب ہے اس کے واسطے دوزخ (۲) بخاری اور ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ابن زبیر اور ابن عامر بیٹھے ہوئے تھے کہ نکلے معاویہؓ پس قیام کیا ابن عامرؓ نے اور بیٹھے رہے ابن زبیرؓ کہا معاویہؓ نے ابن عامر سے بیٹھ جاؤ کہ سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے من احب ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوء مقعدہ من النار یعنے جو شخص دوست رکھے کہ لوگ کھڑے رہا کریں اسکے لئے تو چاہیے کہ وہ شخص گھر اپنا دوزخ میں بنالے

(۳) عن انسؓ قال انما ھلک من کان قبلکم بانھم عظموا ملوکھم بان قاموا وھم قعود رواہ الطبرانی ترجمہ روایت ہے انسؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے ہلاک ہوئے اسی وجہ سے کہ تعظیم کی انھوں نے بادشاہوں کی اس طور سے کہ کھڑے رہتے تھے وہ اور سلاطین بیٹھے رہتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قیام اکرام درست نہیں امام نوویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ مقصود اس سے زجر ہے اُن لوگوں کو جو کہ کبر و نخوت کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کے واسطے کھڑے رہیں بھر خواہ لوگ کھڑے ہوں یا نہ ہوں صرف یہ دوست رکھنا قیام کا ممنوع ہے۔ اور اس سے قیام کی ممانعت نہیں معلوم ہوتی۔ ابن الحاجؒ نے اس جواب کو رد کیا ہے کہ معاویہؓ کا قیام سے منع کرنا دلیل بین ہے نفس قیام کے منع ہونے پر ابن حجرؒ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا

حالانکہ امام نوویؒ کی طرف سے اس کا بھی جواب ہو سکتا ہے کہ معاذ نے
اس موقع میں جو حدیث مَنْ اَحَبَّ اَن یَتَمَثَّلَ لَہُ الرِّجَالُ قِیَامًا پیش کی مقصود
اس سے یہ نہ تھا کہ نفس قیام کی ممانعت ظاہر کریں بلکہ معلوم کرانا اس بات کا
منظور تھا کہ مثل سلاطین امم سابقہ کے لوگوں کا قیام مجھ کو پسند نہیں اس لئے
کہ لغت میں مثول کے معنی دیر تک کھڑے رہنے کے ہیں نہ صرف اٹھنا چنانچہ صحاح
جوہری میں ہے مَثَلَ بَیْنَ یَدَیْہِ مُثُوْلاً اَیْ اِنْتَصَبَ قَائِمًا اس موقع میں
اس حدیث کے ساتھ استدلال کرنا دلیل ہے اس پر کہ ایسا ہی لفظ ذمہ انہیں مقصود
تھا کیونکہ اس حدیث میں وعید اس شخص کے واسطے ہے جس کو لوگوں کا کھڑا رہنا
اچھا معلوم ہو۔ اگر نفس قیام سے منع کرنا منظور ہوتا تو کوئی ایسی دلیل لاتے
جس سے اس فعل کی ممانعت معلوم ہو مثل لَا تَقُوْمُوْا کَمَا یَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ کے۔
اور طبرانی کی حدیث مذکور میں اسی قسم کا قیام ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے
چوتھی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے قیام کو ممنوع
فرمایا۔ امام نوویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ منع کرنا فتنہ کے خوف سے تھا
کہ کہیں تعظیم میں ناشدہ شدہ افراط نہ ہو جائے اسی واسطے لَا تُطْرُوْنِیْ بھی فرمایا
ہے ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت قیام فرمایا اور کبھی جو بعضوں
نے قیام بھی کیا ہے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اور کسی موقع میں قیام کا امر فرمانا بھی
ثابت ہے اور سوائے اس کے اس منع میں یہ بھی ملحوظ ہوگا کہ بعد رسوخ محبت و عقیدت
کے تکلفات عرفیہ کی ضرورت نہیں۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ امام مالکؒ سے اس کا انکار
منقول ہے کہ کسی شخص کے واسطے کوئی اٹھے اور کھڑے رہے جب تک کہ وہ نہ بیٹھے
اگرچہ آنیوالا کسی کام میں مشغول رہے۔ اگرچہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب نہیں دیا
مگر ظاہر ہے کہ نفس قیام کا انکار ان سے ثابت نہیں ہوتا چھٹی دلیل عن ابی امامۃؓ

قَالَ خَرَجَ عَلَینَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مُتَوَکِّیاً عَلٰی عَصیً فَقُمنَا لَہٗ فَقَالَ لَا تَقُومُوا کَمَا یَقُومُ الاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعضُھُم بَعضاً۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابی امامہؓ سے کہ برآمد ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کہ ٹیکا دے ہوئے تھے عصا پر پس کھڑے ہو گئے ہم لوگ فرمایا کہ مت کھڑے ہو جیسے عجمی ایک دوسرے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں۔

طبرانی رحنے اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور مضطرب السند ہے اور اس میں ایک راوی غیر معروف ہے۔ اور مجوزین قیام کی دلیلیں یہ ہیں

(۱) یہ حدیث جو بخاری شریف میں ہے۔ عَن اَبِی سَعِیدِ الخُدرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَت بَنُو قُرَیظَۃَ عَلٰی حُکمِ سَعدٍ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اِلَیہِ وَکَانَ قَرِیباً مِنہُ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنیٰ مِنَ المَسجِدِ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ لِلاَنصَارِ قُومُوا اِلٰی سَیِّدِکُم۔ ترجمہ۔ روایت ہے ابی سعیدؓ سے کہ جب اُترے بنی قریظہ حکم پر سعدؓ کے بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو سعد بن معاذ کی طرف جو قریب تھے پس حاضر ہوئے سعد وہ سوار ہو کر جب مسجد کے نزدیک پہنچے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہ کھڑے رہو اور جاؤ اپنے سردار کی طرف۔

ابن الحاج نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ سعد مجروح تھے جب بطلب حاضر ہوئے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہ اٹھو مقصود یہ کہ سواری سے اُن کو اُتارو جیسا کہ لفظ الی سیدکم سے معلوم ہوتا ہے اگر اکرام مقصود ہوتا لسیدکم فرماتے۔ توریشتی رح نے اس کا جواب دیا کہ الی میں لام سے زیادہ مقصود پر دلالت ہے اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُٹھو اور جاؤ اُن کی طرف جس سے کمال درجہ کا اکرام ظاہر ہوا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ

قومُوا اِلیٰ سَیّدِکُم ارشاد ہوا اور یہ ایسا ہے جیسا ترتب حکم کا کسی وصف پر ہوتا ہے جو مشعر بعلیت ہو پس یہ ارشاد گویا اس معنی میں ہوا کہ سیادت کی وجہ سے اُن کا اکرام کرو اگر اُن کو اتارنا مقصود ہوتا تو کسی ایک دو کو مامور فرماتے۔ اور تخصیص انصار سے شاید یہ معلوم کرانا منظور ہو کہ ہر شخص اپنے سردار کے ساتھ بتکریم پیش آئے۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے جس کو ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے اَنَّ النَّبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ جَالِسًا یومًا فَاَقبلَ اَبُوہ مِنَ الرَّضَاعَۃِ فوضَعَ لہٗ بَعضَ ثَوبِہٖ فَجَلَسَ علیہ ثُمَّ اَقبلت فوضَعَ لَھَا ثوبہٖ مِنَ الجانب الآخر ثُمَّ اَقبلَ اَخُوہ مِن الرَّضَاعۃِ فقام لَہٗ فاجلسَہٗ بَینَ یدیہ ترجمہ۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے کہ والد رضاعی آپ کے حاضر ہوئے آپؐ نے چادر مبارک اُن کے لئے بچھائی پھر حاضر ہوئیں والدہ آپ نے چادر مبارک کی دوسری جانب اُن کے لئے بچھائی پھر حاضر ہوئے آپ کے رضاعی بھائی پس اٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بٹھایا اُن کو روبرو اپنے۔

اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام بھی ثابت ہے ابن الحاج نے کہا کہ اس سے قیام متنازع فیہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اکرام مقصود ہوتا تو والدین بطریق اولیٰ مستحق تھے بلکہ یہ اٹھنا توسیع محل کے لئے تھا۔ اگرچہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب نہیں دیا مگر بادنیٰ تامل معلوم ہو سکتا ہے کہ لفظ حدیث میں قَامَ فاجلس بین یدیہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہی جائے پر تشریف رکھے اور اُنکو روبرو بٹھلایا اس صورت میں توسیع محل کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی اور اگر

ضرورت کبھی تھی تو ہٹ جانا کافی تھا قیام کی ضرورت نہ تھی رہا یہ کہ
والدین کے واسطے قیام نہ فرمانا۔ اول تو نفی قیام کی تصریح نہیں جائز
ہے کہ قیام کبھی فرمایا ہو اور اگر نفی ثابت بھی ہو جائے۔ جب بھی انہیں کا
اکرام بڑھا رہے گا اس لئے کہ خاص چادر مبارک ان کے لئے خلاف
عادت بچھانے میں کمال درجہ کی خصوصیت و اکرام ظاہر ہے اور برادر رضاعی
کے لئے صرف قیام فرمایا الحاصل قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن
کے آنے کے وقت ثابت ہے اور ظاہر الفاظ سے یہ بات بھی قابل تسلیم
ہے کہ قیام صرف ان کے آنے پر مرتب ہوا۔ نہ تنگی محل پر کیونکہ حدیث میں
اقبل اخوہ فتقام ہے اگر تنگی محل کی وجہ سے ہوتا تو اقبل اخوہ وکان
المکان ضیقا فتقام کہا جاتا وھذا القدر یکفی للمناظر۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے روز عکرمہ یمن کی طرف بھاگ گئے تھے
اُن کی بی بی نے انہیں مسلمان کرکے خدمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
حاضر کیا حضرت اُن کو دیکھتے ہی کمال خوشی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح جب
جعفرؓ حبشہ سے حاضر ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمایا
کہ میں نہیں جانتا کہ جعفرؓ کے آنے سے مجھکو زیادہ خوشی ہوئی یا فتح خیبر سے۔ اور
عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہ جب مدینہ منورہ میں آئے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے انھوں نے دروازہ کھٹکا اور
حضرت کھڑے ہو گئے اور گلے لگایا ابن الحاج نے ان دلائل کا جواب دیا
ہے کہ یہ قیام متنازع فیہ نہیں۔ اس لئے کہ قدوم کے وقت یا تہنیت وغیرہ
کے واسطے قیام بالاتفاق درست ہے۔

چوتھی دلیل عن ابی ھریرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

يحدثنا فاذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل رواه ابوداؤد

ترجمہ روایت ہے ابوہریرہؓ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے پھر جب اٹھتے تو ہم لوگ سب اُٹھ کھڑے ہوتے اور ٹھیرے رہتے یہاں تک کہ حضرتؐ محل مبارک میں داخل ہو جاتے۔

ابن الحاج نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اٹھنا اکرام کے واسطے نہ تھا بلکہ اس غرض سے تھا کہ ہر شخص جانے والا چلا جائے ابن حجرؒ نے کہا کہ ٹھیرنے کی وجہ یہ تھی کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمالیں تو حاضر ہونے میں توقف نہو۔

پانچویں دلیل امام نوویؒ نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں مہمانوں کا اکرام اور بڑوں کی توقیر کی تاکید ہے اور تنزیل الناس منازلھم یعنے ہر ایک کے ساتھ اُس کے مرتبہ کے موافق سالقہ کرنیکا امر وارد ہے الحاصل ان عمومات سے بھی قیام کا جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ ابن الحاجؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگرچیکہ ان عمومات میں قیام داخل تھا مگر جب صراحۃً اسکی نہی ہوگئی تو اب اس کے حکم سے خارج ہوگیا۔ ابن حجرؒ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا لیکن ظاہر ہے کہ قیام متنازع فیہ کی نہی کا ثبوت غیر مسلم ہے اور جس قیام کی نہی ثابت ہوئی وہ متنازع فیہ نہیں کما عرفت آنفاً۔

چھٹی دلیل ابن بطالؒ نے اس حدیث کے ساتھ استدلال کیا ہے۔ عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رای فاطمۃ ابنتہ قد اقبلت رحب بھا ثم قام الیھا فقبلھا ثم اخذ بید ھا حتی یجلسھا فی مکانہ رواہ ابوداؤد والترمذی حسنہ وصححہ وابن حبان والحاکم۔ ترجمہ۔ روایت ہے عائشہؓ سے کہ جب دیکھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو کہ آتی ہیں مرحبا فرماتے پھر کھڑے ہوتے اُن کی طرف
اور بوسہ لیتے پھر ہاتھ پکڑ کے اپنی جاے پر اُن کو بٹھلاتے۔ ابن الحاج رحمہ اللہ نے
کہا کہ شاید اپنی جاے پر بٹھلانے کے واسطے حضرت اُٹھتے ہوں خصوصاً اس
موقع میں کہ جہاں تنگی مکان بھی ہو اور معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مکانات
نہایت تنگ تھے اس صورت میں ایسا قیام متنازع فیہ نہوگا۔ اگرچہ ابن حجر رحمہ اللہ نے
اس کا جواب نہیں دیا مگر ظاہر ہے کہ اپنی جاے پر بٹھانیکے واسطے قیام کی
ضرورت نہیں صرف ہٹ جانا کافی ہے اور اگر تنگی مکان کی وجہ سے یہ اُٹھنا
تھا تو لازم آتا ہے کہ اُن کو بٹھلا کر حضرت کہیں اور تشریف لیجاتے ہوں حالانکہ
یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ قطع نظر اس کے لفظ قام الیہا سے قیام اکرام سمجھا جاتا
ہے ورنہ لفظ الیہا کی ضرورت نہ تھی ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بحث کو امام غزالی رحمہ اللہ کے
قول پر ختم کیا اور اسی کو پسند کیا کہ قیام علی سبیل الاعظام مکروہ ہے اور علی سبیل
الاکرام جائز حیث قال وقال الغزالی القیام علی سبیل الاعظام
مکروہ علی سبیل الاکرام لایکرہ وھذا تفصیل حسن
ماقال ابن حجر رحمہ اللہ فی الفتح ملخصاً مع زیادۃ زیادۃ بعض الاجوبۃ
یہاں یہ بھی سمجھ رکھنا چاہئے کہ مستحق اکرام کیلئے قیام درست ہے مگر جس شخص
کیلئے قیام کیا جائے اس کو چاہئے کہ عجب اور کبر سے بچے اور اپنے کو مستحق اس
کا نہ سمجھے جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے القیام علی وجہ الاکرام جائز کقیام
الانصار لسعد وطلحۃ لکعب ولا ینبغی لمن یقام لہ ان یعتقد استحقاقہ
لذلک ذکرہ فی فتح الباری
ساتویں دلیل عن عائشۃ قالت ما رایت احداً کان اشبہ سمتاً و
ھدیاً ودلاً وفی روایۃ حدیثاً وکلاماً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من فاطمۃ کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا فاخذ بیدہا و اجلسہا فی مجلسہ وکان اذا دخل علیہا قامت الیہ فاخذت بیدہٖ فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوٰۃ

ترجمہ روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ کہا نہیں دیکھا میں نے کسی کو جو زیادہ تر مشابہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طریقہ میں اور روش میں اور نیک خصلتی میں اور ایک روایت میں ہے بات کرنے اور کلام کرنے میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یعنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان امور میں بہت ہی مشابہ تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس وقت داخل ہوتی تھیں فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت کے پاس کھڑے ہو جاتے اور متوجہ ہوتے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طرف اور بوسہ لیتے اُن کا یعنے دونوں آنکھوں کے درمیان میں اور بٹھاتے ان کو اپنی جگہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جاتے اُن کے وہاں کھڑی ہو جاتیں اور بوسہ لیتیں دست مبارک کا اور بٹھلاتیں اپنی جگہ روایت کی اس کو ابوداؤد نے۔

اس حدیث سے قیام فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے ثابت ہے۔

آٹھویں دلیل ذکر الشیخ فی الفضائل شرکذا روی الطبرانی بسندٍ حسن عن ابن عباس عن اُمّہا ام الفضل انّ العباس اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما راہ قام الیہ وقبل ما بین عینیہ ثم اقعدہ عن یمینہ ثم قال ھذا عمی فمن شاء فلیباہ بعمہ فقال العباس نعم القول یا رسول اللہ قال ولم لا اقول ھذا انت عمی وصنو ابی وبقیۃ آبائی ووارثی وخیر من اخلف من اھلی کذا فی المواھب والزرقانی

ترجمہ عباس رضی اللہ عنہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ ان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں آنکھوں کے مابین بوسہ دے کر اپنے سیدھے طرف ان کو بٹھلایا۔ عن ابی امامۃ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقومُ الرجلُ من مجلسہٖ الا لبنی ھاشمٍ رواہ الخطیبُ کذا فی کنز العمال۔

ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ اٹھے کوئی شخص اپنی جائے سے کسی کے واسطے سوائے بنی ہاشم کے۔

یعنے اکرام بنی ہاشم اور سادات کا ضروری ہے اگرچہ اوروں کے واسطے اٹھنا بظاہر اس سے ممنوع معلوم ہوتا ہے لیکن اتنا تو ضروری ثابت ہوا کہ جو لوگ مستحق اکرام فقط بنی ہاشم ہی کیوں نہوں انکے واسطے اٹھنا درست ہے۔

دسویں دلیل عن ابان عن انسٍ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقومنَّ احدٌ کم من مجلسہٖ الا للحسنِ والحُسینِ اوذریتہما رواہ ابنُ عساکِرُ ترجمہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اُٹھے کوئی تمہارا اپنی جائے سے کسی کے واسطے سوائے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کے۔

گیارہویں دلیل عن ابی اُمامۃ قال قال رسولُ صلی اللہ علیہ وسلم یقومُ الرجلُ من مجلسہٖ لاخیہ الابنی ھاشمٍ لایقومون لاحدٍ رواہ الطبرانی والخطیبُ کذا فی کنزالعمال ترجمہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اُٹھے ہر شخص اپنی جائے سے اپنے بھائی کے واسطے مگر بنی ہاشم کہ کسی کے واسطے نہ اُٹھیں۔

اس سے تو پوری تصریح جواز کی ہو گئی بلکہ استحباب ثابت ہوا کیونکہ ادنی درجہ یہ ہے کہ امر سے استحباب ثابت ہو کما قال الشیخ عابدُ السندھیؒ

فی طوالع الانوار الامر للوجوب فلا تنزل عن الاستحباب
ابن حجر ہاشمی نے فتاوے حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنا ان دنوں
میں بسبب عداوت اور فتنہ کا ہے اس لئے اب وہ واجب ہے کما قال
بعض ائمتنا فی القیام قال ان ترکہ الآن صار علما علی القطیعۃ و
وقوع الفتنۃ فیجب ونحاً لذلک سوائے اس قیام کے جنازہ کو دیکھ کر
قیام کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کما ورد عن ابی سعید قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الجنازۃ فقوموا لہا
رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ ترجمہ روایت ہے ابی سعید سے کہ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھو تم جنازہ کو تو اٹھ کھڑے رہو
روایت کی اس کو بخاری مسلم امام احمد بن حنبل نسائی ابوداؤد اور ترمذی نے
وعن ابن عمر عن عامر ابن ربیعۃ عن النبی صلی اللہ علیہ و
سلم قال اذا رأیتم الجنازۃ فقوموا لہا حتی تخلفکم او یوضع
رواہ الجماعۃ ترجمہ ۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھو تم کسی
جنازہ کو تو کھڑے ہو جاؤ اس کے لئے یہاں تک تمہارے پیچھے ہو جاوے وہ
یا رکھا جاے روایت کی اسکو بخاری مسلم امام احمد ابوداؤد نسائی ترمذی ابن ماجہ نے۔
وعن سہل بن حنیف وقیس ابن سعد انہما کانا قاعدین
بالقادسیہ فمروا علیہما بجنازۃ فقاما فقیل لہما انہا من اہل
الارض ای من اہل الذمۃ فقالا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم مرت بجنازۃ فقام فقیل لہ انہا جنازۃ یہودی
فقال الیست نفسا متفق علیہ ترجمہ روایت ہے کہ سہل بن حنیف اور
قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ چند لوگ جنازہ لے کر ادھر سے

گزرے پس وہ دونوں اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ
ذمی کا ہے انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سے ایک
جنازہ گزرا آپ کھڑے ہو گئے کسی نے عرض کیا کہ یہ جنازہ یہودی کا ہے فرمایا کیا
نہیں ہے وہ نفس روایت کی اس کو بخاری اور مسلم اور امام احمد بن حنبل رح نے انتہی
ذکر کیا ان تینوں حدیثوں کو ابن تیمیہ رح نے منتقی الاخبار میں و عن ابی موسیٰ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرت بکم جنازۃ فقوموا لها فانما
تقومون لمن معها من الملائکۃ طب کذا فی کنز العمال ترجمہ۔ فرمایا
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گزرے تم پر سے کوئی جنازہ تو کھڑے ہو جاؤ اس لئے کہ
کھڑے ہوتے ہو تم ان فرشتوں کے لئے جو اس کے ساتھ ہیں روایت کی اس کو طبرانی نے
و عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرت علیکم
جنازۃ مسلما و یهودیا او نصرانیا فقوموا لها فانا لیس لها نقوم انما
نقوم لمن معها من الملائکۃ حم طب کذا فی کنز العمال فرمایا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی گزرے تمہارے روبرو سے جنازہ مسلمان کا یا
یہودی و نصرانی کا تو کھڑے ہو جاؤ اس کے لئے کیونکہ ہم اس کے واسطے نہیں کھڑے
ہوتے بلکہ ان فرشتوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں جو اس کے ساتھ ہیں روایت کیا
اس کو امام احمد نے اور طبرانی نے ابن قیم رح نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھا ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور ترک قیام دونوں ثابت ہیں اس لئے بعضوں نے
کہا ہے کہ قیام سے بیان استحباب قیام اور اس کے ترک سے جواز ترک مقصود تھا
اور یہی قول بہتر ہے ادعائے نسخ سے حیث قال و صح انہ صلی اللہ علیہ
وسلم قام للجنازۃ لما مرت بہ و امر بالقیام لها و صح عنہ انہ قعد
فاختلف فی ذلک فقیل القیام منسوخ و القعود آخر الامرین و قیل بل

الامران جایزان وفعلہ بیانٌ للاستحباب وترکہ بیانٌ للجواز و
ھذا اولی من ادعاء النسخ۔

الحاصل ان احادیث سے جنازہ کے واسطے بھی قیام ثابت ہوگیا خواہ جنازہ
کا اکرام اسمیں ملحوظ ہو یا فرشتوں کا اور لام والی کا جھگڑا بھی یہاں طے ہوگیا جو
ابن الحاج نے قوموا الی سید کم میں کیا تھا اس لئے کہ ان احادیث میں صراحۃ
قوموا لہا وارد ہے اسی طرح قیام فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارت قبور
کے وقت ثابت ہے چنانچہ میاں شیخ مظہر صاحب نقشبندی دہلوی مہاجر نے
الدر المظہر فی القیام بحجاہ قبر المکرم میں لکھا ہے اخرج الحافظ الحجۃ
ابو زید عمر بن شعبہ عن الحسن قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی
بقیع الغرقد فقام فقال السلام علیکم یا اھل القبور الحدیث وعنہ ان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام علی اھل البقیع فقال السلام علیکم یا اھل
القبور من المومنین الحدیث ترجمہ۔ روایت ہے حسن رضؓ سے کہ تشریف لے گئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں اور کھڑے ہوئے اہل بقیع پہ اور فرمایا السلام علیکم
یا اہل القبور۔ انتہیٰ۔

ملخصاً الحمد للہ اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہوگئے اب یہ نہیں کہا ہو سکتا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنے کے وقت کھڑے رہنے میں تشبہ بالعبادت
ہے اور وہ جایز نہیں بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضرور ہوا تو یہاں
بطریق اولی ضرور ہوگا خصوصاً حواجہ شریف وغیرہ میں کہ نہایت ادب کے ساتھ قیام
چاہیئے چونکہ یہ موقع ادب کا ہے اس لئے چند آیات واحادیث و آثار یہاں لکھے
جاتے ہیں تا معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ پہلے یہ بات معلوم
کرنا چاہیئے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی اس سے ادب نہیں کیا جاتا اسلئے
حق تعالی نے عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تعظیم عموماً لازم فرمائی

جنابچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ترجمہ البتہ بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم شاہد کہ (اپنی امت کے احوال اور جملہ انبیاؑ کی تبلیغ رسالت پہ
قیامت کے روز گواہی دیں) اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانیوالے تاکہ تم لوگ
ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مدد کرو اور شریف
و عظیم سمجھو اور تعظیم و توقیر کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ انتہیٰ

تفسیر درمنثور میں لکھا ہے قولہ تعالیٰ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ الآیہ اخرج عبد بن حمید
و ابن جریر عن قتادۃ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا قال شَاهِدًا علی امتہٖ و شاهدًا
علی الانبیاء انہم قد بلغوا مُبَشِّرًا یبشر بالجنّۃ مَن اطاع اللّٰہ وَنَذِيْرًا ینذر النار
من عصاہ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قال بوعدہ وبالحساب وبالبعث بعد الموت
وَتُعَزِّرُوْهُ قال تنصروہ وَتُوَقِّرُوْهُ قال امر اللّٰہ تعالیٰ بتسویدہ وتفخیمہ
وتشریفہ وتعظیمہ وکان فی بعض القراءۃ ویسبحوا اللّٰہ بکرۃً واصیلاً و
اخرج عبد الرزاق وعبد بن حمید و ابن جریر عن قتادۃ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ
ای تعظموہ وَاَخْرَجَ ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن ابن
عباس رضی اللّٰہ عنہ فی قولہٖ وتعزروہ وتوقروہ یعنی التعظیم محمدًا صلی اللّٰہ
علیہ وسلم اسی طرح امام بغویؒ نے تفسیر میں لکھا ہے۔ وتعزروہ تعینوہ و
تنصروہ وتوقروہ ای تعظموہ وتفخموہ وھذا الکنایات راجعۃ الی النبی
صلی اللّٰہ علیہ وسلم ظاہر سیاق آیۃ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مبعوث
کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعظیم و توقیر آپ کی ایک مقصود اصلی
ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت میں بیان فرمایا اور دوسرے
مقام میں فرمایا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ

الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ترجمہ پس جو لوگ ایمان لائے اُن پر یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تعظیم کی اُن کی اور مدد دی اُن کو اور پیروی کی اس نور کی اتارا گیا ہے اُن کے ساتھ یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ انتہیٰ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے نجات بھی ممکن نہیں کیونکہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب اُولٰئِکَ ھُمُ المفلحون حصر کے لئے ہے یعنی رستگاری اور نجات خاص انہیں لوگوں کو ہے جن میں یہ سب صفات موجود ہوں اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں پر کچھ ایسی متولی تھی کہ باوجود اس خلق عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوش اور وحشی صفت بیگانے مانوس ہو جاتے تھے اور باوجود اس کمال عشق ومحبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرۂ مبارک کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ کوئی بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔ اجنبی جہاں دیدہ لوگ صحابہ کی تعظیم وتوقیر اور خدمت گزاری کو جب دیکھتے بالتصنع آپس میں کہتے کہ اس قسم کی تعظیم نہ کسی بادشاہ کی ہوتی دیکھی نہ کسی اور کی چنانچہ مواہب اللدنیہ میں مذکور ہے:۔

قال عروۃ ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک ووفدت علی قیصر وکسری والنجاشی واللہ ان رایت ملکا قط یعظمہ اصحابہ مایعظم اصحاب محمد محمدا صلی اللہ علیہ وسلم واللہ ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلک بھا وجھہ وجلدہ واذا امرھم ابتدروا امرہ واذا توضا کادوا یقتتلون علی وضوئہ واذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یحدون النظر الیہ تعظیما لہ ترجمہ:۔ کہا عروہ نے اے قوم قسم ہے خدائے تعالیٰ کی میں نے بہت بادشاہوں کے دربار دیکھے اور قیصر وکسریٰ اور نجاشی

کی نگاہ میں گیا۔ مگر جس قدر کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی تعظیم
کرتے ہیں کسی بادشاہ کی تعظیم ہوتی نہیں دیکھی۔ خدا کی قسم جب وہ ناک چھینکتے ہیں
تب بھی لوگوں کی ہتھیلیوں میں گرتا ہے جس کو وہ لوگ اپنے منہ اور جسم پر ملتے ہیں اور
جب وہ وضو کرتے ہیں تو اُس پانی پر جو گرتا ہے اصحاب کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ
شاید نوبت جدال وقتال کی پہونچ جاوے۔ جب وہ کسی کام کا حکم کرتے ہیں امتثال کے
لئے ہر شخص پیش قدمی کرتا ہے اور جب وہ بات کرتے ہیں آواز اُن لوگوں کی
پست ہو جاتی ہیں اور بوجہ تعظیم کے کوئی نگاہ جما کے اُن کو دیکھ نہیں سکتا۔ انتہی
اور زرقانی نے شرح مواہب میں لکھا ہے۔ قال عمرو بن العاص ما کان
احدٌ احبّ الی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا اجلّ فی عینی
منہ وما کنت اُطیقُ ان املأ عینی منہ اجلالاً لہ حتی لو قیل لی صفہ
ما استطعت ان اصفہٗ اخرجہ مسلم فی حدیث طویل ترجمہ:۔ عمرو بن
عاص کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی سے مجھکو محبت نہ تھی اور
نہ کسی کی عظمت اور بزرگی حضرت سے زیادہ میری آنکھوں میں تھی اجلال کی وجہ
سے آنکھ بھر کے حضرت کو دیکھ نہیں سکتا اگر حلیہ مبارک کوئی مجھ سے پوچھے تو
میں بیان نہ کرسکوں گا روایت کیا اس کو مسلم نے وفی الشفاء للقاضی عیاض
وفی حدیث طلحۃ رضی اللہ عنہ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قالوا لاعرابی جاھل سلہ عمن قضی نحبہ وکانوا یھابونہ ویوقرونہ
فسألہ فاعرض عنہ اذ طلع طلحۃ رضی اللہ عنہ فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ھذا ممن قضی نحبہ قال علی القاری فی شرحہ رواہ الترمذی
وحسنہ عن طلحۃ ترجمہ روایت ہے طلحہ رضی سے کہ صحابہ نے ایک جاہل اعرابی
سے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھ کہ من قضی نحبہ سے کون مراد ہے

اعرابی کے واسطے کی یہ وجہ تھی کہ صحابہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت
و وقار کا ایسا غلبہ تھا کہ آپ سے بات خود پوچھ نہیں سکتے تھے اس نے پوچھا
لیکن حضرت نے کچھ جواب نہ دیا اسی عرصہ میں طلحہؓ حاضر ہوئے حضرتؐ نے فرمایا یہ
انہیں لوگوں سے ہیں یعنے جنہوں نے اپنی موت کو پوری کر چکے

واقع میں مقربان بارگاہ نبوی ہی کے دل اس عظمت کو جانتے تھے جس سے
نگاہیں پست ہوئی جاتی تھیں اور لبوں تک بات نہیں آسکتی تھی بیچارے
جنگلیوں کو اس سے کیا علاقہ وہاں تو سادگی کچھ اس بلا کی ہے کہ جو بات دل
میں گئی زبان پر آہی گئی ادب اور بے ادبی کو کون پوچھتا ہے قال البراء بن
عازبؓ عماروی ابو یعلی لقد کنت ارید ان اسال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم عن الامر فاؤخر سنتین من ھیبتہ کذا فی الشفا ترجمہ
براءؓ کہتے ہیں کہ کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں پوچھنا چاہتا تو
ہیبت مجھ پر کچھ اس قدر غالب ہوتی کہ دو سال تک نہ پوچھ سکتا۔ انتہی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے تعظیم اختیاری کے جس کا امر حق تعالی نے
کیا ہے من جانب اللہ بھی عظمت و ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلوں
پر صحابہ کے مستولی تھی۔ اور کیوں نہو یہ عظمت وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو جماد و نبات پہچاننے اور سجدے کرنے لگے۔ اسی طرح جانور بھی سجدہ کیا
کرتے تھے۔ کما فی المواھب اللدنیہ والزرقانی عن انسؓ قال کان اھل
بیت من الانصار لھم جمل یسنون علیہ وانہ استصعب علیھم
فمنعھم ظھرہ وان الانصار جاؤا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقالوا انہ کان لنا جمل نسنی علیہ وانہ استصعب علینا ومنعنا
ظھرہ وقد عطش النخل والزرع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لاصحابه قوموا فدخل الحائط والجمل فی ناحیته فمشی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ فقالت الانصار یا رسول
اللہ قد صار مثل الکلب وانا نخاف علیك صولته فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علیّ منه باس فلما نظر
الجمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل نحوه حتی خر ساجدا بین
یدیه فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بناصیته اذل ما کان قط الحدیث رواه احمد و
النسائی باسناد جید۔ ترجمہ روایت ہے انسؓ سے کہ کسی انصاری کے یہاں ایک اونٹ تھا جس سے زراعت
کو پانی دیا کرتے تھے ایک بار وہ سرکش ہوگیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی شخص اس
کے پاس نہیں جا سکتا تھا وہ انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور واقعات بیان کر کے عرض کیا کہ زراعت اور نخلستان سوکھ
جارہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ اس باغ میں تشریف لے گئے
جہاں وہ اونٹ تھا اس کی طرف بڑھے۔ انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ
یہ اونٹ مثل دیوانہ کتے کے ہوگیا ہے ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کرے
فرمایا مجھے اس سے کچھ اندیشہ نہیں۔ جب اونٹ نے حضرت کو دیکھا خود آگے
بڑھ کر سجدہ میں گرا حضرت نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے اور وہ ایسا مسخر
و مطیع ہوگیا کہ شاید ہی کبھی ہوا ہو۔

وایضا فی المواهب عن جابرؓ ان جملا جاء الی رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم فلما کان قریبا منه خر الجمل ساجدا الحدیث وفی
آخره فقالوا یا رسول اللہ نحن احق ان نسجد لك من البهائم
فقال لا ینبغی لبشر ان یسجد لبشر رواه الدارمی والبزار والبیهقی واللفظ له
ترجمہ روایت ہے جابرؓ سے کہ ایک اونٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آکر حضرت کو سجدہ کیا۔ جب دیکھا صحابہ نے کہ جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا کرتے ہیں تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو ان سے زیادہ تر مستحق ہیں کہ یہ خدمت وتعظیم بجالائیں اور آپ کو سجدہ کیا کریں فرمایا کسی بشر کو سزاوار نہیں کہ بشر کو سجدہ کرے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوانات کے دل میں بھی اس قدر تھی کہ آپ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور فرشتوں نے جو آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا اس میں بھی تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملحوظ تھی کہ نور مبارک آپ کا ان کی پیشانی میں تھا چنانچہ ابن حجر مکی رح نے در منضود میں لکھا ہے امرهم بالسجود لآدم انما هو لاجل ما كان بجبهته من نور نبينا محمد صلى الله عليه وسلم قاله الرازي۔ اور مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے وقد كان حظ آدم من رحمته سجود الملائكة له تعظيما له اذ كان في صلبه ونوح خروجه من السفينة سالما وابراهيم كانت النار عليه بردا وسلاما اذ كان في صلبه كما افاد عباس رض في قصيدته۔ ترجمہ۔ آدم علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے یہ حصہ پہنچا کہ فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا اس لئے کہ حضرت ان کی صلب میں تھے اور نوح علیہ السلام جو کشتی سے صحیح وسالم اترے اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ جو سرد ہوگئی حضرت ہی کی رحمت کا اثر تھا اسی لئے کہ حضرت ان حضرات کے صلب میں تھے یہ بات عباس رض کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتی ہے جس کو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھا اور حضرت سن کر خوش ہوئے۔ یہ قصیدہ اس کتاب کے شروع میں لکھا گیا ہے۔ اور بروایت انس بن مالک اور نبیط بن شریط یہ بات بھی باحادیث مرفوعہ ثابت ہوگئی کہ

غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوزخ میں نہ جائے گا جس سے تمام
اہل محشر پر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخوبی ظاہر ہو جائے گی اور
آدم علیہ السلام کے بیان سے اوپر ثابت ہو چکا کہ فرشتوں کے پاس حضرت کی وہ
عظمت ہے کہ ہمیشہ ذکر آپ کا کیا کرتے ہیں۔ اس قسم کی کئی حدیثیں مذکور ہوئیں اور
بہت سی انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ لکھی جائیں گی صفحہ ۱۸۱ ان سب کا یہ ہوا
کہ عناصر سے لیکر اجسام اور جمادات سے لیکر ملکوت اور زمین سے لیکر آسمان
اور ازل سے لیکر ابد تک ہر چیز عظمت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گواہی
دے رہی ہے اب رہے جن و انس یہ بیچارے معرض امتحان میں رکھے گئے ایسے پیدا
ہیں کہ نہ ان کو اس قسم کے امور کا مشاہدہ ہے کہ جس کی بدولت واقعی حالات
پر مطلع ہوں نہ ایسی عقل رسا کہ جس سے حقائق اشیا اور مدارج وجود کو معلوم کر سکیں
اگر غافل ہیں تو یہی دو ہیں سوا ان کے ہر چیز یاد الٰہی میں مصروف ہے کما قال
تعالیٰ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ
یعنے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد میں مصروف ہے تم نہیں اس کو سمجھتے ہو
جب خود اپنے پروردگار سے غفلت کرتے اور مالک حقیقی کے حقوق کو ضائع
کرنے میں انھوں نے کوتاہی نہ کی تو دوسرے ابواب کس شمار میں۔ باایں ہمہ ان کو
جس ذریعہ سے توحید پہونچائی گئی۔ اسی ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی عظمت بھی معلوم کرائی گئی۔ چنانچہ ابتداءً ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام نے
اپنے فرزند شیث علیہ السلام کو اس کی خبر دی پھر یہ خبر وراثۃً بنی آدم میں شائع
ہوتی رہی اور اگر کبھی بعضے دینی نے اس کو چھپا دیا تو انبیا علیہم السلام اس کی
تجدید کرتے رہے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا یہاں تک کہ خود
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت نے بھی ارشاد

حق تعالیٰ کا لِیُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ وغیرہ
عموماً پہونچا دیا اب اگر اس پر بھی کوئی شخص نہ مانے مختار ہے کسی کا جبر نہیں کہ
خواہ مخواہ مان ہی لے مگر عاقل کو چاہئے کہ پہلے اس اختیار کے انجام کو سوچ
لے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ اِنَّا
اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ترجمہ پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے
ہم نے رکھی ہے ظالموں کے واسطے آگ موجود۔

تمام قرآن کو نہ ماننا اور ایک آیت کو نہ ماننا سزا میں دونوں برابر
ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ
بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ
الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰہُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ ترجمہ کیا ایمان لاتے ہو تم تھوڑی آیتوں پر اور
نہیں مانتے تھوڑی آیتیں پھر کچھ سزا نہیں ہے اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا
ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہونچائے جاویں سخت سے
سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے تمہارے کام سے۔

الحاصل اگر عام جن و انس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو نہ مانیں
تو انہیں کا نقصان ہوگا اس سے عظمت میں حضرت کے کسی قسم کا دھبہ نہیں
آسکتا۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ باوجود اتنے معجزات اور کھلی کھلی دلیلوں
کے کیا سبب تھا کہ کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں کلام رہا کیا
بات یہ ہے کہ ہر نفس کی جبلت میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح
اپنے ہم جنس پر اپنی تعلی اور بڑائی ہو۔ چنانچہ لڑکوں تک یہ بات دیکھی جاتی
ہے کہ اگر ان کی ہم جنس کسی لڑکے سے انہیں اچھا کہے تو خوش اور برا کہئے تو

ناخوش ہوتے ہیں بلکہ رونے لگتے ہیں۔ چونکہ رتبہ رسالت کا کفار کے
ذہنوں میں نہایت جلیل القدر تھا اور تصدیق رسالت میں انبیا کی
طرح اُن پر فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے وہ اپنی کسرشان سمجھتے تھے
اس لئے نفوس پر اُن کے یہ امر نہایت شاق ہوا اور کہنے لگے اِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا یعنی تم ہم جیسے بشر ہی ہو کچھ فرشتہ نہیں جو فضیلت
تمہاری مانی جائے حالانکہ ابتدائے دعوت انبیا کی صرف توحید کی طرف تھی
جس کے کفار بھی معترف تھے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ترجمہ اگر پوچھیں آپ کہ
کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو البتہ کہیں گے اللہ۔ وقال اللہ تعالیٰ
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ترجمہ اگر پوچھیں آپ
اُن سے کہ کس نے پیدا کیا اُن کو البتہ کہیں گے اللہ۔ وقال تعالیٰ۔
قُلْ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا
اللّٰهَ۔ ترجمہ کہیے کہ آؤ طرف ایک بات کے جو برابر ہے تم میں اور ہم میں
کہ نہ عبادت کریں ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے

خلاصہ یہ کہ جو بات اُن کے مسلمات سے تھی اُس کو ماننا بھی اُن کے
نفوس پر شاق تھا کیونکہ اُس سے رسالت کی تصدیق سمجھی جاتی تھی۔ پھر
اگر کوئی طالب حق عاقبت اندیش انبیا کی طرف مائل ہوتا تو اُس کو بھی عار
دلاتے کہ یہ مثل تمہارے کھانا کھاتے ہیں پانی پیتے ہیں بازاروں میں چلتے
پھرتے ہیں کچھ فرشتے نہیں جو ان کی تم پر فضیلت ہو اپنے ہم جنس کی اطاعت
کرنا بڑی ذلت کی بات ہے کما قال تعالیٰ حکایۃً قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ترجمہ اور کہنے لگے یہ کیا رسول ہے

کہ کھانا کھاتا ہے اور پھرتا ہے بازاروں میں۔

ایضاً فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً " ترجمہ تب بولے سردار جو منکر تھے اس قوم کے یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم۔ چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُتارتا فرشتے۔

ایضاً وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ؁ ترجمہ اور بولے سردار اُن کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو جن کو آرام دیا تھا ہم نے دنیا کی زندگی میں اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم کھانا کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔ اور اور اگر اطاعت کی تم نے اپنے برابر کے آدمی کی تو تم بیشک خراب ہوئے۔

الحاصل خود بینی اور خودسری نے انہیں اندھا بنا دیا تھا۔ کسی نے یہ نہ سمجھا کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی خاص بشر کو اپنے فضل سے سب پر فضیلت دیدے تو کونسا نقصان لازم آجائے گا چنانچہ خود انبیاء نے اس قسم کا جواب بھی دیا کما قال تعالیٰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ ترجمہ کہا اُن کو اُن کے پیغمبروں نے کہ ہم بھی بشر ہیں جیسے تم لیکن اللہ تعالیٰ فضل کرتا ہے جس پر چاہتا ہے مگر یہ جواب کب مفید ہوسکتا تھا وہاں تو مہار اختیار کی نفس امارہ کے ہاتھ تھی۔

پھر اُن کو کون ضرورت تھی جو خواہ مخواہ اپنی تواضع صفت تعلی کو چھوڑ کر ذلت اختیار کرے۔ یہ تو انہیں کا کام تھا جنہوں نے پہلے پہل نفس پر ایک ایسا حملہ کیا کہ زمام اختیار کو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ پھر اس کی اصلاح کے درپے ہوئے۔ اور ماشاء اللہ خوب ہی اصلاح کی۔ یا تو وہ تھا کہ نبی کے مقابلہ میں اس کو ذلت ناگوار ہوتی تھی یا یہ حالت ہوئی کہ اپنے جنس والے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے مقابلہ میں ہمسری کا دعویٰ نہیں چنانچہ حق تعالیٰ اُن کی صفت میں فرماتا ہے اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ جب عموماً مومنین کے ساتھ یہ حالت ہو تو خیال کرنا چاہئے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن کا کس قسم کا معاملہ ہوگا۔ ایک بات تو ابھی معلوم ہوئی کہ سب صحابہ حضرت کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اگر کسی کو عقل سلیم اور فہم مستقیم حاصل ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے پیش نظر ہوگی جس نے اس کمال تذلل کو جو سجدہ کرنے میں ہے آسان کر دیا تھا اب سمجھنا چاہئے کہ اس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں میں کیونکہ متمکن ہوئی حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بموجب ارشاد حق تعالیٰ فرما دیا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے جب دیکھا کہ کفار کو آیہ شریفہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ کے مضمون کی طرف بالکل توجہ نہیں اور صرف دعویٰ ہمسری میں خراب ہوئے جاتے ہیں اس لئے برخلاف ان کے اس آیت کے مضمون کو اپنا پیش رو بنایا اور اس میں اس قدر استغراق حاصل کیا کہ گویا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کو سنا ہی نہیں یہی وجہ تھی کہ انھوں نے سجدہ پر آمادگی ظاہر کی اور حضرت کو پھر بشریت کا مضمون یاد دلانے کی گویا

ضرورت ہوئی۔ چنانچہ فرمایا کہ بشر کو بشر کا سجدہ کرنا مناسب نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

شاہ دیں را منگر اے ناداں بطیں — کیں نظر کردہ است ابلیس لعیں
نیست ترکیب محمد لحم و پوست — گرچہ در ترکیب ہر تن جنس اوست
گوشت دارد پوست دارد استخواں — ہیچ ایں ترکیب را باشد ہماں
کاندراں ترکیب باشد معجزات — کہ ہمہ ترکیب ہا گشتند مات

اس قسم کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے دل میں رہی جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ لکھا جائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ چندروز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانہ کے بعض مسلمانوں کے سروں میں سمایا۔ اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں تازہ ہو جائیں کبھی اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں غوص ہوتا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے۔ اس سے حضرت بڑے بھائی ہیں۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہونچا دیا کہ وہ آیات و احادیث منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصت شان ہو۔ اور وہ احادیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ تواضع کچھ فرمایا ہے اپنی دانست میں ان کو کسر شان کے باب میں قرار دے کر شائع کی جاتی ہیں۔ ہم نے مانا کہ نقلاً اور عقلاً ہر طرح سے اس مسئلہ میں زور لگایا جائے گا لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ انتہا اس کی کہاں ہوگی ہم یقین سمجھتے ہیں کہ آخر یہ حضرات بھی مسلمان ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو اس سے تو ہرگز کم نہ بیان کریں گے کہ جس قدر کفار سمجھے تھے یعنی بَشَرٌ مِّثْلُنَا مگر معلوم نہیں اس سعی کا کیا نتیجہ ہوگا اتنی بات تو کافروں سے پوچھنے میں حاصل

ہو جاتی ہے اس میں نہ قرآن کی ضرورت ہے نہ حدیث کی۔ اب اس کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ ہم لوگ جو آیات و احادیث سے استدلال کرکے بیان عظمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبالغہ کرتے ہیں انتہا اس کی کہاں ہوگی یہ بات ہر جاہل سے جاہل جانتا ہے کہ حضرت مخلوق اور بشر ہیں اور حق تعالیٰ خالق ہے اب انتہا اس مبالغہ کی یہی ہوگی کہ حضرت کا مرتبہ قریب مرتبہ مسجودیت کے سمجھا جائے گا وہ بھی اس وجہ سے کہ ایک عالم آپ کو سجدہ کرتا تھا۔ اور صحابہ بھی سجدہ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے غرض اس مبالغہ کی حدود ہوگی جو صحابہؓ کی حسن عقیدت تھی۔ اب ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس راہ کو صحابہؓ نے مدت العمر طے کیا کئے۔ اور جس مقام پر عمر بھر سر لگائے رہے جہاں سے انہیں فتح باب ہوا اس مقام کو چھوڑ دیں اور اس راہ میں رجعۃ القہقری کرکے وہ راستہ چلیں جو کفار کی حد اعتقاد کو یعنی اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کو پہونچا دے جہاں سے کفار بڑھ نہیں سکتے ۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ٭ کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

کسی بزرگ نے ہم لوگوں کے اعتقاد کی شرح ایک چھوٹے سے جملہ میں نہایت ہی عمدہ لکھی ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر یقین ہے کہ اس تقریر سے اہل انصاف پر دونوں راستے اور ان کی انتہا اور حسن و قبح ہر ایک کی منکشف ہوگئی ہوگی۔ طالب راہ حق کو چاہیئے کہ جس کسی کو اپنا رہبر بنائے تو پہلے اس امر کی تحقیق کرلے کہ کونسی راہ لے جائیگا۔ اگر بیچارے جاہل کوتاہی نظر سے دریافت نہ کرسکیں تو معذور ہیں مگر اہل انصاف انداز کلام اور طرز بیان سے معلوم کرسکتے ہیں کہ وہ شخص کس راہ کی آمادگی کر رہا ہے۔ مثلاً کسی نے وہ حدیث پڑھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متاخرین کو اپنا بھائی فرمایا ہے جہاں ایک تو وہ

شخص ہوگا کہ مارے شرم کے سر نہ اٹھا سکے گا کیونکہ اگر کوئی اچھی طرح آنکھیں مل کے اپنی حالت کو دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر آلودۂ عصیان ہے اسی کتاب میں بخاری شریف کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ جب کبھی اپنے احوال پر نظر ڈالتے نفاق کا خوف آجاتا معلوم نہیں کہ باوجود ان سچی بشارتوں کے کس چیز نے انہیں اس خوف میں ڈال رکھا تھا جب ان حضرات کا یہ حال ہو تو پھر کسی کا منہ ہے جو کچھ دعویٰ کر سکے غرض کہ بھائی سمجھنا تو کہاں ایسے خیالات کبھی تو نسبت غلامی سے بھی خجالت پیدا کئے دیتے ہیں چنانچہ کسی بزرگ نے کہا ہے ع۔ نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم منشا اس کا اگر دیکھئے تو صرف یہی ہے کہ نقشہ اپنے سیاہ اعمال کا آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا ہے جس سے ندامت کے پورے پورے آثار دل میں نمایاں ہیں اور قریب ہے کہ دروازہ توبہ کا کھل جائے اور کبھی اشفاق و مراحم شفیع المذنبین کا تصور ادائی شکریہ میں مصروف کر دیتا ہے کہ ہر چند ہم میں قابلیت نہیں۔ مگر شان رحمۃ للعالمینی ہے کہ اس درجہ قدر افزائی کی ایسے آقائے مہربان پر قربان ہونا چاہیئے کہ ہم جیسے غلاموں کو بھی یاد کیا اور اس سرفرازی کے ساتھ جو دوسروں کو نصیب نہیں الحاصل اس حدیث شریف کے ذکر کے وقت اس شخص کی کچھ کیفیت ہی اور ہے اور وہ نورانیت کے آثار مرتب ہیں جو عموماً اعمال پر غالباً مرتب ہو سکیں۔ اس قسم کے قدر افزائیوں کا لطف وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بارگاہ نبوی کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کیلئے اجازت چاہی حضرتؐ نے اجازت دیکر فرمایا اے بھائی اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولیو وہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد مجھ میں

اس قدر اثر کیا کہ اگر تمام روے زمین میری ملک ہو جاے تو ان الفاظ کے مقابلہ میں میرے پاس وہ کچھ چیز نہیں۔ کَمَا فِی کَنْزِ الْعُمَّالِ عَنْ عمر رضی اللہ عنہ قَالَ اِسْتَاذَنْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْعُمْرَۃِ فَاَذِنَ لِیْ وَقَالَ لَا تَنْسَنَا اَخِیْ مِنْ دُعَائِکَ اَوْ قَالَ اَشْرِکْنَا یَا اَخِیْ فِیْ دُعَائِکَ کَلِمَۃً مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیْ بِہَا مَا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ (ابن سعد حم د ت حسن صحیح ہ ع والشاشی ص ق) بظاہر یہ ارشاد حضرت کا کوئی ایسی بڑی بات نہیں صرف دعا کرنے کو فرمایا تھا مگر اُس کی وقعت کا اندازہ عمر رضی اللہ عنہ کا ہی دل کر سکتا تھا کہ تمام روے زمین کی سلطنت ایک طرف تھی اور اس مختصر سی کلمہ کی شان دلربائی ایک طرف غرض کہ اس حدیث مذکورہ بالا کو سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوگی جو خارج از بیان ہے اور ایک شخص وہ ہوگا کہ اسی حدیث شریف سے یہ بات نکالے گا کہ اخوۃ امر اضافی ہے تقدم و تاخر زمانہ کے اعتبار سے اگر فرق ہے تو بڑے چھوٹے کا ہے یعنی حضرت بڑے بھائی ہوے اور ہم چھوٹے بھائی نعوذ باللہ من ذالک ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری سمائی اور یہ خیال بڑھتا چلا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اِنْ کُنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ تک پہنچا دیا اب یہ شخص اس ذہن میں ہوگا کہ جہاں تنزل پہونچا ہے اوروں کو بھی وہیں پہونچا دے۔ شاید اس کے خیال میں یہ بھی نہ آیا ہوگا کہ ہم کہاں اور شان رحمۃ للعالمین و سید المرسلین کہاں چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اکثر اکابر و سلاطین خادموں اور غلاموں کو بھائی کہدیا کرتے ہیں بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔

اگر بادشاہ کے کہنے سے یا اُس حدیث سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی کہنے لگیں تو ظاہر ہے کہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے حضرت عمر رضی اللہ نے باوجود اس قرابت کے جو اظہر من الشمس ہے اپنے کو حضرت کی غلامی کے ساتھ منسوب کیا ہے چنانچہ مستدرک میں حاکم نے روایت کیا ہے

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَمَّا وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي قَدْ عَلِمْتُ اَنَّكُمْ تُونِسُونَ مِنِّي شِدَّةً وَغِلْظَةً وَ ذٰلِكَ اِنِّي كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَكُنْتُ عَبْدَهٗ وَ خَادِمَهٗ وَكَانَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا فَكُنْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالسَّيْفِ الْمَسْلُولِ اِلَّا اَنْ يُّغْمِدَنِي اَوْ يَنْهَانِي عَنْ اَمْرٍ فَاَكُفُّ وَاِلَّا اَقْدَمْتُ عَلَى النَّاسِ لِمَكَانِ لِيْنِهٖ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ۔

ترجمہ۔ روایت ہے سعید بن مسیبؓ سے کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسند نشین خلافت ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ پڑھا کہ آپ لوگ جو مجھ میں شدت اور سختی دیکھتے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور خادم تھا چونکہ حضرت رحیم تھے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اور لوگ حضرت کی نرمی کی وجہ سے جرأت کرتے تھے اس سبب سے میں حضرت کے روبرو مثل شمشیر برہنہ کے رہتا اگر میان کرتے اور منع فرما دیتے تو باز رہتا تھا ورنہ پیش قدمی کرتا کہا حاکم نے کہ حدیث صحیح ہے۔

اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درست ہوتا تو البتہ والد اور پدر بزرگوار کہنے کے لئے ایک وجہ تھی کیونکہ ازواج مطہرات کو حق تعالیٰ

نے امہات المومنین فرمایا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ اس صورت میں حضرت سب کے والد ٹھیرے جس کی وجہ سے یہ شرافت ازواج مطہرات کو حاصل ہوئی۔ باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرمادی کما قال اللہ تعالے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ترجمہ نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ کسی کے تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے اور ختم کرنیوالے ہیں تمام نبیوں کے۔

دیکھئے باوجود قرینہ قطعیہ کے حضرت کا والد ہونا ناگوار ہے تو اخوۃ کی تساوی کیونکر گوارا ہوگی۔ ارباب بصیرت سمجھتے ہوں گے کہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا میں حضرت کے علو شان کی طرف کیسا لطیف اشارہ ہے اس وجہ سے کہ لکن جو استدراک کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوۃ کی نفی میں کسی قسم کا توہم پیدا ہوتا تھا جو اس سے دور کیا گیا اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہ تھے یہاں توہم کا کوئی محل نہیں رہا کسی متبنی کے باپ ہونا تو اس میں بھی کوئی توہم نہیں ہوسکتا کیونکہ متبنی لینے والے کو بھی عرف میں باپ کہا کرتے تھے پھر جب صراحۃً اس کی نفی ہوگئی تو معلوم ہوگیا کہ یہ طلاق شریعت میں درست نہیں اس میں توہم کو کیا دخل جو وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ سے دفع کیا جا رہا ہے اور ان صفات کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ توہم حضرت کے منصب رسالت سے متعلق ہے تا ابوۃ و رسالت میں مناسبت ہو ورنہ اس کی یہ مثال ہوگی مَا كَانَ زَيْدٌ اَبَا عَمْرٍو وَّلٰكِنَّهٗ كَاتِبٌ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر شخص کے نزدیک اپنے باپ کی وہ وقعت ہوا کرتی ہے کہ عالی سے عالی اسی کا رتبہ سمجھا کرتا ہے۔ اس سبب سے یا اَزْوَاجُهٗ

اُمَّهَاتُهُمْ وغیرہ اسباب سے صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے
والد سمجھتے ہوں گے جب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت کسی کے باپ نہیں تو اب
ایک قسم کا توہم پیدا ہوا کہ پھر کیا سمجھنا چاہیئے ارشاد ہوا لکن اللہ کے رسول
اور خاتم انبیا ہیں پھر یہاں یہ شبہ پیدا ہوا کہ مخلوقات میں باپ سے زیادہ
اور کیا رتبہ ہوگا۔ تو گویا اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر
چیز کو جانتا ہے کہ باپ کا کس قدر رتبہ ہے اور رسول اللہ کا کس قدر مطلب
یہ ہوا کہ ان دونوں مرتبوں میں کوئی نسبت نہیں پہلے خیال کو چھوڑ دو اور حضرت
کو انہیں مراتب کے ساتھ متصف سمجھو اور فرق مراتب کو اللہ تعالیٰ پر سونپ
دو۔ وہی ہر چیز کو جانتا ہے تمہاری عقلیں ان امور میں نہیں پہنچ سکیں۔ ہذا
ماظہر لی واللہ اعلم بمرادہ۔ ابن قیم رح مسئلہ مساوات میں جو تقریر لکھی ہے وہ
قابل دید ہے انھوں نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔ فَهٰذَا خَلْقُهُ وَاخْتِيَارُهُ
وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ وَمَا ابين بُطْلَانَ رَأْيٍ يَقْضِي بِاَنَّ
مَكَانَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ مُسَاوٍ لِسَائِرِ الْاَمْكِنَةِ وَذَاتَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ
مُسَاوِيَةٌ لِسَائِرِ حِجَارَةِ الْاَرْضِ وَذَاتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مُسَاوِيَةٌ لِذَاتِ غَيْرِهِ وَاِنَّمَا التَّفْضِيْلُ فِيْ ذٰلِكَ بِاُمُوْرٍ خَارِجَةٍ
عَنِ الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ الْقَائِمَةِ بِهَا وَهٰذِهِ الْاَقَاوِيْلُ وَاَمْثَالُهَا مِنَ
الْجِنَايَاتِ الَّتِيْ جَنَاهَا الْمُتَكَلِّمُوْنَ عَلَى الشَّرِيْعَةِ وَنَسَبُوْهَا اِلَيْهَا وَهِيَ
بَرِيْئَةٌ وَلَيْسَ مَعَهُمْ اَكْثَرُ مِنَ اشْتِرَاكِ الذَّوَاتِ فِيْ اَمْرٍ عَامٍّ وَ
ذٰلِكَ لَا يُوْجِبُ تَسَاوِيَهَا فِي الْحَقِيْقَةِ لِاَنَّ الْمُخْتَلِفَاتِ قَدْ تَشْتَرِكُ
فِيْ اَمْرٍ عَامٍّ مَعَ اخْتِلَافِهَا فِيْ صِفَاتِهَا النَّفْسِيَّةِ وَمَا سَوَّى اللّٰهُ بَيْنَ
ذَاتِ الْمَلَكِ وَذَاتِ الْاِبِلِ اَبَدًا وَلَا بَيْنَ ذَاتِ الْمَاءِ وَذَاتِ النَّارِ اَبَدًا

والتفاوتُ البيّنُ الذی بین الأمکنۃ الشریفۃِ واضدادِھا والذواتِ الفاضلۃِ واضدادِھا اعظمُ من ھذا التفاوتِ بکثیر بین ذاتِ موسیٰ وفرعونَ اعظمُ ما بین المسکِ والرجیع وکذلک بین نفسِ الکعبۃ وبین بیتِ الشیطانِ اعظمُ من ھذا التفاوتِ ایضًا بکثیر فکیف یجعلُ البقعتان سواءً فی الحقیقۃِ والتفضیلِ باعتبارِ ما یقعُ ھنا کمِن العباداتِ والاذکارِ والدعواتِ

ترجمہ بعضوں کی رائے ہے کہ مکان بیت الحرام مساوی تمام مکانات کے ہے اور حجر اسود تمام پتھروں کے مساوی ہے اور ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوروں کے مساوی ہے اور تفضیل باعتبار ان امور کے ہے جو ذات سے خارج ہیں اگرچہ متکلمین نے اس کو شریعت کی طرف منسوب کردیا ہے لیکن شریعت اس سے بالکل بری ہے ان کے نزدیک کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ایک امر عام میں سب ذاتیں شریک ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقتیں سب کی مساوی ہوجائیں کیونکہ بہت سی مختلف چیزیں ایک امر عام میں شریک ہیں باوجود اس کے خاص خاص صفتیں ہر ایک کی مختلف اور باہم ممتاز ہیں جس سے ان میں پورا امتیاز ہوگیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ذات مشک اور ذات بول کو کبھی برابر نہیں کیا۔ اور نہ پانی کی ذات اور آگ کی ذات کو۔ اور جو تفاوت شریف اور متبرک مقامات اور ان کے اضداد میں ہے اور افضل ذاتوں اور ان کے اضداد میں ہے اس سے بھی بدرجہا زیادہ ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں یا نفس کعبہ اور شیطان کے گھر میں جو تفاوت ہے بدرجہا اس سے زیادہ جو مشک اور نجاست میں ہے۔ پھر جو کہا جاتا ہے کہ نفس کعبہ اور دوسری جگہ حقیقت میں برابر ہیں

اور بزرگی کعبہ کی صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہاں عبادات اور اذکار اور دعائیں ہوتی ہیں سو یہ کیونکر ہو سکے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ یعنی پیدا کرتا ہے رب آپ کا جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے

خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ ہر چند بعض صفات دو چیزوں میں برابر پائی جاویں اور محسوس ہوں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں یکساں ہو جائیں بلکہ جس ذات کو کسی قسم کی خصوصیات عطا ہوویں اور حق تعالیٰ اسکو برگزیدہ کر چکا ہے وہ دوسرے کے برابر کبھی نہ ہو سکے گی بلکہ دونوں کی حقیقتوں میں کچھ ایسا فرق ہوگا کہ گویا ان میں کچھ مناسبت ہی نہیں۔ اب ان بیوقوفوں کو جنہوں نے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہہ کر انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہمسری کا خیال جمایا تھا اگر اندھے نہ کہیں تو کیا کہیں۔ کیونکہ انھوں نے نہ اپنے آپ کو دیکھا نہ انبیا علیہم السلام کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

یا تو پنداری کہ روئے انبیاؑ ؎ آنچناں کہ ہست می بینیم ما
گفت یزداں کہ تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؎ نقش حمامند هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ

مولاناؒ نے مضمون اس آیہ شریفہ کا لکھا ہے کہ سلطان محمود غازیؒ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ بایزید بسطامی کے حق میں آپ کیا کہتے ہیں کہا شیخ نے وہ وہ شخص ہیں کہ جس نے انہیں دیکھا ہدایت پائی اور سعادت کو پہونچا۔ سلطان نے کہا یہ کیا بات ہے ابوجہل نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ شیخ نے کہا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ محمد بن عبد اللہ یتیم ابی طالب کو دیکھا تھا اگر حضرت کو دیکھتا بیشک شقاوت سے نکل جاتا دلیل اس کی قرآن شریف میں

میں موجود ہے وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ پس
معلوم ہوا کہ یوں دیکھ لینا مفید نہیں جس پر آثار مرتب ہوتے ہیں وہ
دیکھنا ہی کچھ اور ہے۔ شعر

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باشد
کہ ایں چشمے کہ من دارم جمالت را نمی شاید

ان کہ جنہوں نے حضرت کو دیکھا ہے اور خیال ہمسری جمایا ویسوں کے حسب حال یہ شعر ہے

درخلا سنگے چنیں آلودہ پیش حلبیے
گفت دانی کیستم ہم سنگ کعبہ بودہ ام

ابن قیمؒ نے جو اعتبار حقائق کا کیا ہے یہی مذہب اہل تحقیق کا بھی ہے
چنانچہ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہر مرتبہ از وجود عکسے دارد ❊ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

تقریر دور جا پڑی۔ کلام اس میں تھا کہ عام جن وانس آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی عظمت کو نہیں مانتے ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ اس سے
اس عظمت میں کوئی نقصان نہیں آتا کیونکہ جماعہ عالم میں یہ عظمت جب مسلم ہو چکی
تو پھر عوام کالانعام کس شمار میں۔ البتہ اس موقع میں صحابہ رضوان اللہ
علیہم اجمعین کا حال معلوم کرنا ضرور ہے کیونکہ افضل ترین امت ہونے پر ان کے
خود حضرت نے گواہی دی ہے اگرچہ اس باب میں احادیث بہت وارد ہیں مگر
یہاں ایک حدیث ذکر کی جاتی ہے جس کو دیلمیؒ نے فردوس میں ذکر کیا ہے
عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ
نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَلَمْ يَجِدْ قَلْبًا اَتْقٰى مِنْ قُلُوْبِ اَصْحَابِيْ وَ
لِذٰلِكَ اخْتَارَهُمْ فَجَعَلَهُمْ صَحَابًا فَمَا اسْتَحْسَنُوْا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ

حسنٌ وَمَا استقبحُوا فہو عند اللہ قبیحٌ. ترجمہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے کوئی قلب میرے صحابہ کے قلوب سے پاکیزہ تر نہیں دیکھا اس سے اُن کو میری صحابیت کے لئے پسند فرمایا جو کچھ وہ اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے اور جو بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔ ان کا حال کسی قدر ابھی معلوم ہوا اور آئندہ بھی انشاء اللہ معلوم ہوگا کہ کیسی عظمت حضرت کی اُن کے دلوں میں تھی اور کس درجہ آداب کی رعایت رکھتے تھے۔ باوجود اس کے اگر کسی سے بمقتضائے بشریت یا سادگی سے کوئی ایسی حرکت ہوجاتی جس میں شائبہ بے ادبی کا ہوتا ساتھ ہی کلام الٰہی میں تنبیہ اور زجر و توبیخ نازل ہوتی جس سے سب متنبہ اور ہوشیار ہوجاتے چنانچہ کسی صحابی نے بلند آواز سے حضرت کے روبرو کچھ بات کہی۔ غیرت الٰہی نے جوش کیا اور یہ عتاب نازل ہوا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

ترجمہ اے ایمان والو اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اور مت آواز بلند کرو اُن پر بات کرنے میں۔ جیسے بلند آواز کرتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارتھ نہ ہوجائیں عمل تمہارے اور تم کو خبر نہ ہو جب یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ اب حضرت سے ایسی آہستہ بات کروں گا جیسے کوئی راز کی بات کہتا ہے اور حضرت عمرؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات اس قدر آہستہ کیا کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے وَرُوِیَ کَمَا اَخْرَجَہٗ مِنْ طَرِیْقِ طَارِقِ بْنِ شِہَابٍ اَنَّ اَبَابَکْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ لَمَّا

نزلت هذه الآية قال لا أكلمك بعدها إلا كأخي السرار وان عمر كان اذا حدثه حدثه كأخي السرار ما كان يسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يستفهمه كذا في الشفاء وشرحه لعلي القاري اور تفسیر درمنثور میں ہے واخرج احمد وعبد بن حميد و البخاري ومسلم وابو نعيم في معجم الصحابة وابن المنذر والطبراني وابن مردويه والبيهقي في الدلائل عن انس قال لما نزلت يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي الى قوله وانتم لا تشعرون وكان ثابت بن قيس بن شماس رفيع الصوت فقال انا الذي كنت ارفع صوتي على رسول الله صلى الله عليه وسلم حبط عملي انا من اهل النار وجلس في بيته حزينا فتفقده رسول الله صلى الله عليه وسلم فانطلق بعض القوم اليه فقالوا تفقدك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما لك قال انا الذي ارفع صوتي فوق صوت النبي صلى الله عليه وسلم واجهر له بالقول حبط عملي وانا من اهل النار فاتوا النبي صلى الله عليه وسلم فاخبروه بذلك فقال بل هو من اهل الجنة فلما كان يوم يمامة قتل ترجمہ روایت کی بخاری اور مسلم وغیرہ نے کہ جب نازل ہوئی یہ آیہ کریمہ یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا ثابت بن قیس بن شماس نے کہا کہ میری ہی آواز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بلند آواز تھے۔ اب میرے اعمال حبط ہو گئے اور میں دوزخی ہو گیا اس غم میں گھر سے کئی روز باہر نہیں نکلے۔ یہاں تک کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہیں۔ تب چند صحابہ اُن کے گھر گئے اور یاد فرمانی کا حال

بیان کرکے پوچھا کہ تم حاضر کیوں نہیں ہوتے کہا میری ہی آواز حضرتؐ کی آواز سے بلند ہوا کرتی ہے جس سے میرے اعمال حبط ہیں اور مجھ کا نہ دوزخ ہے۔ صحابہ نے یہ واقعہ حضرتؐ سے کہا ارشاد ہوا یہ بات نہیں وہ جنتی ہیں چنانچہ جنگ یمامہ میں وہ شہید ہوئے۔

اور ایک روایت یہ ہے وَاَخرجَ ابنُ جریرٍ والطبرانی والحاکم وصححہ وابنُ مُردَوَیہ عن محمدِ بن ثابتِ بنِ قیسِ بن شماسٍ قال لما نزلت ھذہِ الایۃ یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوقَ صوتِ النبی ولا تجھروا لہ بالقولِ قعد ثابتٌ فی الطریقِ یبکی فمرّ عاصمُ بنُ عدیٍ عجلان فقال ما یُبکیک یا ثابتُ قال ھذہِ الآیۃُ اتخوفُ ان تکونَ فی نزلت وانا صیتٌ رفیعُ الصوتِ فمضی عاصمُ بنُ عدیٍ الی رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ خبرہ قال اذھب فادعہُ لی فجاءہ فقالُ ما یبکیک یا ثابتُ قال انا صیتٌ اتخوفُ ان تکونَ ھذہِ الآیۃُ نزلت فی فقال لہ النبیُ صلی اللہ علیہ وسلم اما ترضی ان تعیشَ حمیداً وتدخلَ الجنۃَ قال رضیتُ ولا ارفع صوتی ابداً علی صوتِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فانزلَ اللہ ان الذین یغضُّون اصواتھم عِندَ رسولِ اللہِ الآیۃ

ترجمہ روایت کی ابن جریر اور حاکم وغیرہ نے محمد بن قیس بن شماس سے کہ جب نازل ہوئی آیتہ شریفہ یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم تو ثابتؓ بن قیس پر نہایت صدمہ ہوا یہاں تک کہ راستہ میں بیٹھ گئے اور زار زار رونے لگے کہ ہائے سب اعمال اکارتھ گئے اس حالت میں کہیں عاصم ابن عدی کا ادھر سے گزر ہوا پوچھا کیوں روتے ہو لے ثابتؓ کہا کہ مجھے خوف

ہے کہ یہ آیت میرے ہی باب میں نازل ہوئی ہے کیونکہ میری ہی آواز بلند ہے عاصمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کا واقعہ بیان کیا حضرتؐ نے فرمایا اُن کو میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے حضرتؐ نے براہ شفقت پوچھا کہ کس چیز نے تم کو رُلایا۔ کہا یا رسول اللہ میری آواز بہت بلند ہے ڈرتا ہوں میں کہ شاید یہ آیت میرے ہی باب میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم راضی نہیں اس بات پر کہ عیش و زندگی تمہاری پسندیدہ ہو اور قتل کئے جاؤ تم اچھی حالت میں اور جنت میں داخل ہو جاؤ کہا راضی ہوں میں یا رسول اللہ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کروں گا۔

غور کرنے کی جائے ہے کہ صرف اتنی بے ادبی کہ بات کہنے میں آواز بلند ہو جائے اس کی یہ سزا ٹھیرائی گئی کہ صحابہؓ کے تمام اعمال اور عمر بھر کی جانفشانیاں حبط اور اکارت ہو جائیں۔ جن کے ایک عمل کے برابر ہماری ساری عمر کے اعمال نہیں ہو سکتے چنانچہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کوہ اُحد کے برابر سونا خیرات کرے تو صحابی کے ایک مُد بلکہ آدھی مُد کے برابر نہیں ہو سکتا جس کا وزن پاؤ سیر سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ پھر اس سزا کو دیکھئے تو یہ وہ سزا ہے جو کافروں کے واسطے مقرر ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ۔ اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ منشا اس کا کیا تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بلند آواز سے بات کرنا تو کیا کافروں نے دندانِ مبارک کو شہید کر دیا اور اقسام کی اذیتیں پہونچائیں مگر کچھ نہ کہا اور دعائیں دیں کما فی الشفا وَرُدِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لما کسرت

رُبَاعِیَہ وَشُجَّ وَجْہُہ یوم اُحُدٍ شَقَّ ذٰلِکَ عَلٰی اَصْحَابِہ شدیدا وقالوا لو دعوتَ علیہم فقال اِنّی لم اُبعث لعّانا ولکن بُعِثْتُ داعیا ورحمۃً اَللّٰھُمَّ اھدِ قومی فانّھم لا یعلمون۔

قال القاری فی شرحہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان مُرسلا وَاٰخرون موصولا اور تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات دست بوسی سے منع فرما دیا اس ارشاد کے ساتھ کہ یہ طریقہ عجمیوں کا ہے کہ اپنے سلاطین کی دست بوسی کیا کرتے ہیں اور میں ایک شخص تمہیں میں کا ہوں کما فی الشفاء عن ابی ھریرۃ دخلتُ السوق مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشتری سراویل وقال للوزّان زن وارجح وذکر القصہ قال فوثب الی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبلہا فجذب یدہ و قال ھذا تفعلہ الاعاجم بملوکھا ولست بملکٍ انما انا رجلٌ منکم اور اگر کوئی تعظیم کے لئے اٹھتا تھا تو منع فرما دیتے کما فی الشفاء عن ابی اُمامۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکئا علی عصا فقمنا لہ فقال لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضاً حالانکہ خود احادیث سے عموماً اجازت اس قیام کی ابھی ثابت ہوئی اور احادیث سے دست بوسی بلکہ پابوسی بھی ثابت ہے انشاء اللہ تعالیٰ کسی موقع میں اُس کا بھی ذکر آجائے گا۔

الحاصل اس قسم کی صدہا حدیثیں ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضرت کی سی تواضع اور اخلاق دوسرے سے ممکن نہیں۔ اور کیونکر ہوسکے حضرت کے وہ اخلاق تھے جن کی تعریف میں حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنے یقیناً آپ بہت بڑے خلق پر ہو اور خوش خلقی کا جزو اعظم یہی صفت ہے کیونکہ

یہ بات تو تجربہ سے بھی ظاہر ہے کہ جس میں تواضع نہیں ہوتی وہ شخص
خوش خلق نہیں ہوتا اور جس شخص کے اخلاق درست ہوتے ہیں اس میں تواضع
ضرور ہوتی ہے غرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور خوش خلقی کی وجہ
سے وہ آداب جو حضرت کے ساتھ متعلق ہیں مسلمانوں کو شرعاً معلوم ہونے کی
کوئی صورت نہ تھی سوائے اس کے خود حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بیان فرمائے
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آیہ شریفہ میں ایک ادنی سی بات کو ذکر فرمایا کہ اگر
کوئی شخص حضرت کے روبرو پکار کے بات کرے اس کی تمام کی کرائی محنتیں
اور سارے اعمال بیکار اور برباد ہو جائیں گے۔ اب عاقل کو چاہئے کہ اسی
پر قیاس کرلے کہ جب ادنی سی بے ادبی اور گستاخی کا انجام یہ ہو تو اور
گستاخیوں کا کیا حال ہوگا۔ یہاں اور ایک بات سمجھ رکھنا چاہئے کہ اتنی
سی گستاخی کی جو اس قدر سخت سزا ٹھیرائی گئی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم کی کوئی درخواست نہ تھی بلکہ منشا اُس کا صرف غیرت الٰہی تھا کہ اپنے
حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان کسی قسم سے نہ ہونے پائے اسی وجہ
سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترسان رہتے تھے کہ کہیں ایسی حرکت کوئی صادر
نہو جس سے غیرت الٰہی جوش میں آجائے۔ پھر جب حضرت اس عالم سے تشریف
لے گئے تو کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت کی محبت یا غیرت کبریائی میں کوئی فرق
آگیا ہو نعوذ باللہ من ذلک کوئی مسلمان اس کا قائل نہو گا کیونکہ صفات
الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ آیہ موصوفہ أن
تحبط أعمالكم وأنتم لا تشعرون کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر اور باطن میں ایسا مودب رہے جیسے صحابہ
تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں اس لئے

کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے الحاصل بلند آواز سے حضرت کے روبرو بات کرنیوالوں کی وہ سزا ٹھیری جو مذکور ہوئی اور جو لوگ کمال ادب کے ساتھ دبی آواز سے بات کیا کرتے تھے ان کی یہ سرفرازی ہوئی جو ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ترجمہ جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وہی ہیں وہ جن کے دلوں کو آزمایا ہے اللہ تعالیٰ نے واسطے پرہیزگاری کے۔ انہیں کے لئے مغفرت اور بخشش ہے اور ثواب ہے بڑا۔ ـــــ سبحان اللہ کس قدر رحمت اور فضل الٰہی مودبوں کے لیے موج زن ہے کہ اگرچہ گناہگار ہوں علاوہ مغفرت گناہ کے بہت بڑے ثواب کا وعدہ دیا جارہا ہے

شعر سرمایہ ادب بکف آور کہ ایں متاع

آنرا کہ ہست فیض ابد آیدش بدست

اس آیہ شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہرکس وناکس کو نصیب نہیں ہوسکتا یہ دولت اُن لوگوں کے حصہ میں رکھی ہے جن کے دل امتحان آلہی میں پورے اُترے اور جن میں کامل طور پر صلاحیت تقوی کی موجود ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ترجمہ جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے پیچھے سے یقیناً اکثر اُن کے عقل نہیں رکھتے اور اگر صبر کرتے وہ جب تک کہ نکلتے آپ اُن کی طرف تو اُن کو بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان۔

اس آیہ شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا

انتظار نہ کر کے پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا اُن کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے اُن کو مجنون کہا جائے یا اور کوئی بات ہے یہ کسی کتاب میں نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانہ تھے جو اتفاق کر کے آئے اور گڑبڑ کر کے چلے گئے بلکہ کتب احادیث وتفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبر لوگ منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں اور ذہن و ذکاوت کی داد دیں باوجود اس کے بیوقوف بنائے جا رہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ منشا اُس کا کچھ اور ہے بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کیساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی اس لئے کہ یہ تو صرف حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے الحاصل بیوقوفی کا اطلاق اس جماعت پر اسی وجہ سے ہوا کہ بارگاہ رسالت میں بے ادبی سے پیش آئے اگر کہا جائے کہ جائز ہے کہ کفر کی وجہ سے یہ اطلاق ہوا ہو جس سے عقل معاد کی نفی ہو گئی تو ہم کہیں گے کہ اس آیہ شریفہ میں کفر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ یہ حکم ان لوگوں پر ہوا جو متصف اس بے ادبی کے ساتھ تھے اور علم بلاغت و اصول میں مصرح ہے کہ ایسے موقعوں میں وصف مسند الیہ کو تاثیر اور دخل ہوا کرتا ہے چنانچہ ابن تیمیہ نے بھی صارم مسلول میں لکھا ہے قُلْنَا لَا رَیْبَ أَنَّهُ لَا بُدَّ لِكُلِّ صِفَةٍ تَاثِيرٌ فِي الْحُكْمِ وَإِلَّا فَالْوَصْفُ الْعَدِيمُ التَّاثِيرِ لَا يَجُوزُ تَعْلِيقُ الْحُكْمِ بِهِ كَمَنْ قَالَ مَنْ زَنَىٰ وَأَكَلَ وَجُلِدَ لِيس ثابت ہوا کہ اس حکم میں کفر کو دخل نہ تھا بلکہ مدار اُس کا اسی بے ادبی پر ہے جو مذکور ہوئی الحاصل حماقت اور بیوقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے

ثابت ہے تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ اگر حضرت کو پکارنا منظور ہوتا تو ناخنوں سے دروازہ کو ٹھوکتے اور یہ لوگ کہیں سے آئے ہوئے تھے ابو عثمان مغربی کہتے ہیں کہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی خدمت میں براہ ادب پیش آنا آدمی کو مدارج علیا تک پہنچاتا ہے چنانچہ ایک جماعت علماء کا یہ حال تھا کہ اگر کسی بزرگ کی خدمت میں جاتے تو بیٹھ رہتے جبتک کہ وہ خود نکلتے ابو عبیدہ قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں ٹھوکا بلکہ جب جاتا بیٹھ رہتا جب تک وہ خود نکلتے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ۔

ملخصاً من التفسیر سبحان اللہ علمائے حقانی کی رائے کیا ہی صائب ہوتی ہے بزرگوں کے ادب کرنے کو بھی اسی آیہ شریفہ سے استنباط کیا ہے حینہ۔ حدیث شریف من لم یوقر کبیرنا وغیرہ سے بھی اس موقع میں استدلال ہوسکتا تھا مگر جب استناد خود آیہ شریفہ پر ہوسکا تو نور علیٰ نور ہوگیا بہرحال معلوم ہوا کہ اس آیہ شریفہ سے عموماً بزرگانِ دین کی تعظیم اور اُن کا متفاد ہوسکتا ہے۔ مگر یہ بات شاید ہر ایک کے سمجھ میں نہ آئے گی اِس فہم کے لئے وہ لوگ خاص ہیں جن کی طبیعتیں ادب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ اور بعض لوگ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحسب عرف وعادت صرف نام کے ساتھ پکارتے اُن کو ادب سکھایا گیا کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ترجمہ مت ٹھیراؤ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بلانا درمیان اپنے اُس کے برابر جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک۔

تفسیر درمنثور میں روایت ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَابْنُ مَرْدَوَیْهِ

وابونعیم فی الدلائل عن ابن عباسؓ فی قولہ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً قال کانوا یقولون یا محمد یا ابا القاسم فنہاھم اللہ عن ذلک اعظاماً لنبیہ فقالوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ واخرج ابونعیم فی الدلائل عن ابن عباسٍ فی قولہ تعالیٰ لا تجعلوا دعاء الرسول الخ یعنی کدعاء احد کما اخاہ باسمہ ولکن وقروہ وعظموہ وقولوا لہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ واخرج ابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاھد فی الاٰیۃ قال امرھم ان یدعوہ برسول اللہ فی لینٍ و تواضع ولا یقولوا یا محمد فی تجھم واخرج عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتمٍ عن قتادۃ فی الاٰیۃ قال امر اللہ ان یھاب نبیہ وان یجل وان یعظم وان یفخم ویشرف **ترجمہ** بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے پس منع فرمایا حق تعالیٰ نے اس سے مقصود یہ کہ کل عجز و نیاز کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کے پکارا کریں جس سے عظمت و شرف اور تعظیم و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوا کرے انتہیٰ ملخصاً **الحاصل** حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی ناگوار ہے کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص نام لیکر پکارلے اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرتؐ کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہ فرمایا بلکہ جب خطاب کیا **یا ایھا النبی** وغیرہ صفات کمالیہ ہی ذکر کئے جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمالی درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معلوم کرانا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیاء اولوالعزم علیہم السلام ہیں کہ جن کو باوجود اس جلالت شان کے نام ہی کے ساتھ

برابر خطاب ہوا کیا جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے **شعر**

یا آدم است با پدر انبیا خطاب ✣ یا ایہا النبی خطاب محمدی است

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک قسم کا التزام نعت نبوی کا رکھا گیا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ مقصود ندا سے یہی ہوتا ہے کہ منادا اپنی ذات سے ندا کرنیوالے کی طرف متوجہ ہو تو چاہئیے کہ ندا ان الفاظ کے ساتھ ہو جو منادی کی ذات پر دلالت کرے اس مقصود کے پورا کرنے میں علم یعنے نام درجہ اول میں سمجھا جائے گا کیونکہ اصلی غرض اُس سے یہی ہے کہ ذات پر دلالت کرے۔ پھر کسی خاص صفت کے ساتھ ندا جو جاتی ہے اس کی یہی وجہ ہوگی کہ اُس سے ذات پر دلالت ہو جاتی ہے جہاں مقام میں مقصود بالذات ہے۔ ورنہ معنی وصفی جو زاید علی الذات اور مقتضی نکات ہیں اس کو ندا کے ساتھ جو مقتضی تعیین ہے کوئی مناسبت نہیں۔ بہرحال منادی کا علم ذکر نہ کرکے اوصاف جو ذکر کئے جاتے ہیں وہاں دو مقصود پیش نظر ہوتے ہیں ایک توجہ منادی کی دوسری توصیف اگرچیکہ باعتبار ندا کے توصیف ایک امر زاید ہے لیکن اس وجہ سے کہ قصداً اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں توصیف بھی وہاں ایک امر مستقل اور مقصود بالذات ہو جاتی ہے۔ اب اس تقریر کو مانحن فیہ پر منطبق کیجئے کہ حق تعالیٰ نے جو اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ندا کے ساتھ ذکر کئے ہیں اگرچیکہ وہاں ندا مقصود بالذات ہے مگر خاص اوصاف ہی کو ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ نعت بھی ایک مقصود اصلی اور مستقل براسہ ہے ورنہ مثل اور انبیا علیہم السلام کے نام مبارک کے ساتھ ندا فرماتا پھر جب تمامی قرآن شریف میں یہ التزام رکھا گیا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو کس قدر نعت شریف کا اہتمام منظور ہے۔ **شعر**

باوصافش رسیدن کے تواند انبیا اورا
کہ تا نعتش نمی گویا نمی خواند خدا اورا

دوسرے مقام پر حق تعالی فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا ترجمہ۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے مت کہو راعنا اور کہو انظرنا۔

درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں روایتیں نقل کی ہیں۔ اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابی صخر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ادبر ناداہ من کانت لہ حاجۃ من المومنین فقالو ارعنا سمعک فاعظم اللہ رسولہ ان یقال ذلک واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالی لا تقولوا راعنا قال کانوا یقولون للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ارعنا سمعک و انما راعنا کقولک خاطبنا واخرج ابن جریر وابن المنذر عن السدی قال کان رجلان من الیہود مالک بن الصیف ورفاعۃ بن زید اذ لقیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالا لہ وھما یکلمانہ راعنا سمعک واسمع غیر مسمع فظن المسلمون ھذا شیٔ کان اھل الکتاب یعظمون انبیاءھم فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فانزل اللہ یا ایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا الایۃ واخرج ابونعیم فی الدلائل عن ابن عباسؓ فی قولہ لا تقولوا راعنا ذلک انہ سب بلغۃ الیہود فقال تعالی قولوا انظرنا یرید اسمعنا فقال المومنون بعدھا من سمعتموہ یقولہا فاضربوا عنقہ فانتھت الیہود بعد ذلک

ترجمہ۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ بعض یہود جب حضرت صلی اللہ علیہ و

سلم سے کلام کرتے تو اثنائے کلام میں لفظ راعنا کہا کرتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے بات کی مراعات کیجئے اور سماعت فرمائیے۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی عمدہ بات ہے اور اہل کتاب اس کو انبیا کی تعظیم میں کہا کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا استعمال شروع کیا۔ مگر اس وجہ سے کہ یہ کلمہ لغت یہود میں دشنام کے محل میں بھی مستعمل تھا حق تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ پھر تو مسلمانوں نے یہ حکم دیدیا کہ جس سے یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو اس کے بعد پھر کسی یہودی نے یہ کلمہ نہ کہا

حاصل یہ کہ ہر چند صحابہ اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ دوسری زبان میں گالی تھی حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین مراد نہ تھی بلکہ صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اُس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشائستہ جس میں صراحۃً کسرشان ہو کیونکر جائز ہوں گے اگر کوئی کہے کہ مقصود ممانعت سے یہ تھا کہ یہود اس لفظ کو استعمال نہ کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ نہی صراحۃً خاص مومنین کو ہوئی جن کے نزدیک یہ لفظ محل تعظیم میں مستعمل تھا اس میں نہ یہود کا ذکر ہے نہ اُن کے لغت کا۔ اگر صرف یہی مقصود ہوتا تو شل اور اُن کی شرارتوں کے اس کا ذکر بھی یہیں ہو جاتا صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں پھر سزا اس کی یہ ٹھیرائی گئی کہ جو شخص یہ لفظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن مار دیجاوے۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا۔ بیشک مارا جاتا اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ تم نے اس سے کیا مراد لی تھی اب غور کرنا چاہیئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً کس درجہ قبیح ہوگا اگر صحابہ کے

ہر وجن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا یہ تاویلات بارده مفید ہو سکتیں؟ ہرگز نہیں مگر اب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ اُس زمانہ کو یاد کرکے اپنی بے بسی پر رویا کریں۔ اب وہ پُرانے خیالات والے پختہ کار کہاں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانہ کی ہوا دیکھ نہ سکی۔ غرض میدان خالی پا کر جس کا جی چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں جو قابل سزا تھیں۔ انہیں پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون سمجھنے میں البتہ غور و تامل درکار ہے۔ اور اس آیت شریفہ میں بھی حق تعالیٰ نے ایک قسم کی تادیب کی ہے قولہ تعالیٰ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ترجمہ نہیں لائق ہے تم کو کہ ایذا دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو تم اُن کے ازواج مطہرات کو کبھی بعد اُن کے یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر ظاہر کرو تم کچھ یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

درمنثور میں لکھا ہے اَخرجَ البیہقی فی السنن عن ابن عباسؓ قال قال رجلٌ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو قد مات رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجتُ عائشۃَ او ام سلمۃَ فانزل اللہ تعالیٰ ما کان لکم ان تؤذوا رسولَ اللہ الآیہ ترجمہ روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ صحابہ میں سے کسی شخص نے کہا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال

فرمادیں گے تو عائشہ یا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کرے گا اس کے ساتھ ہی یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ آخر تک۔

اس میں شک نہیں کہ کسی کے وفات کے بعد اس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا عموماً جائز ہے۔ اور جنہوں نے سادگی سے یہ بات کہی تھی صحابی تھے جن کا نام بھی بعض روایات میں مذکور ہے اب اُن کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ کسی قسم کا خیال فاسد کیا ہو باوجود اس کے جو یہ عتاب ہو رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ خیال بھی خالی از بے ادبی نہ تھا۔ کیونکہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و غیرت کا کچھ خیال نہ کیا اور یہ نہ سمجھا کہ جو بات حضرت کی زندگی میں ہے بعد وفات شریف کے بھی ابدالآباد وہی بات ہے۔ اب اس عتاب کو دیکھئے کہ اس میں کس قدر تشدد کیا گیا ہے کہ اس قسم کی بات کو صرف دل میں لانا بھی ایک امر خطرناک قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اس موقع میں جو ارشاد ہے (کہ جو کچھ تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے) ظاہر ہے کہ مقصود اس سے تخویف ہے ورنہ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا کہنے کی ظاہرا کوئی ضرورت نہ تھی۔ الحاصل حرام ہونا ازواج مطہرات کا تمامی امت پر بعد وفات شریف کے دلیل واضح اس پر ہے کہ حرمت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وفات شریف کے بھی بحال خود ہے اگر کہا جائے کہ نکاح ازواج مطہرات کا بعد وفات شریف کے اس لئے درست نہ تھا کہ حضرت زندہ موجود ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ امر واقعی ہے ہمیں بھی اس میں کچھ کلام نہیں لیکن اگر صرف یہی وجہ ہوتی تو شہدا کی بیویوں کا نکاح بھی درست نہ ہوتا جن کی حیات بھی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ پس معلوم ہوا کہ نکاح مذکور کی ممانعت اس وجہ سے تھی کہ حرمت و عزت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات

ے بھی دلوں میں متمکن رہے اور کوئی مسلمان اس قسم کا خیال بھی نہ کرے
جس میں کسی قسم کی بے ادبی لازم آجائے اور اس آیۂ شریفہ میں بھی ادب کی تعلیم
کی گئی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ
النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰکِنْ اِذَا
دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ
اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ
مِنَ الْحَقِّ ترجمہ۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے مت جاؤ گھروں میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے مگر جبکہ حکم ہو کھانے کے واسطے نہ انتظار کرنیوالے اس کے پکنے کا
لیکن جب بلائے جاؤ تم تب جاؤ اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ اور مت
بیٹھے رہو باتوں میں جی لگائے ہوئے البتہ یہ کام ایذا دیتا ہے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کو اور شرم کرتے ہیں وہ تم سے اور اللہ تعالیٰ نہیں شرم کرتا ہے حق بات سے
حاصل یہ کہ ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد دولت خانہ میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑی دیر ٹھیرے رہے چنانچہ اس قسم کی عادت بھی ہے۔
ان کی وجہ سے نہ حضرت اپنے مشاغل میں مصروف ہوسکے نہ مروت سے کچھ فرماسکے
غرض یہ کہ یہ امر کسی قدر باعث گرانی خاطر ہوا ساتھ ہی حق تعالیٰ نے یہ حکم قطعی
نازل فرمادیا جس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ جس چیز سے گرانی خاطر مبارک یا کسی
قسم کا ملال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند
اور نہایت ناگوار ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے
کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے ہے اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے یہی غرض ہے۔ اور قرآن سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ حضرت کے اتباع کی مثال ایسی سمجھی جاتی ہے جیسے کوئی شخص راستہ

جاننے والا چلا جارہا ہو تو اُس کے پیچھے پیچھے چلنا منزلِ مقصود تک پہونچ جانے کے لئے کافی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ پیچھے چلنے والے کو ضرور نہیں کہ اس کا ادب بھی کیا کرے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب بھی معلوم کراتا ہے۔ یا یوں کہیئے کہ یہ ادب منجملہ ان احکام کے ہے جن کے بیان کی کفالت قرآن شریف کر رہا ہے۔ اب یہاں قیاس کی ضرورت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنی گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالی کو اس قدر ہے کہ جن امور ذاتی میں شرم سے کچھ نہ فرما سکیں خود اپنے کلام قدیم میں مقصود حضرت کا مع شئے زائد بیان کرکے ان امور سے زجر فرما دیتا ہے تو وہ سراسر کسرِ شان کی باتیں جن سے طبع غیور کو رنج پہونچے اور باعث ملال و غضب ہوں کس قدر غیرت و غضب الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ اس حدیث کو دیکھئے کہ بعض لوگ جو عطا و کرم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ظاہر کرتے نہ تھے جس سے کسی قسم کا ملال حضرت کو ہوتا تھا اُس کا اثر یہ ہوا کہ وہ عطیہ ان کے حق میں آتش دوزخ بنا دیا گیا چنانچہ حاکمؒ نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ عَنْ عمرؓ قال دَخَلَ رُجلانِ علی الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسالا فی شیءٍ فدعا لھما بدینارینِ فاذا ھما یثنیانِ خیرًا فقالَ صلی اللہ علیہ وسلم لکن فلان مَا یقول ذلک ولقد اعطیتہ ما بَیْنَ عَشرۃٍ اِلی مَاتہ فما یقول ذلکَ فَاِنَّ اَحدَکم یخرج بِصدَقتہٖ من عندی متابطًا واِنّما ھی لَہ نارٌ فقلتُ یا رَسول کیف تُعطیہ وقد عَلِمتَ اَنّہ لہ نارٌ قالَ فما اَصْنَع یابُونَ اِلّا اَن یسالُونِی وَیابی اللہ لی البُخل ترجمہ روایت ہے

عمرؓ سے کہ دو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کچھ مانگے
حضرت نے اُن کو دو دو دینار منگوا دیے جس پر انھوں نے حضرت کی ثنا و صفت کی
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو دو ہی دینار پر ثنا کرتے ہیں میں نے فلاں
شخص کو دس سے سو تک دیے مگر اس نے اس قسم کی ایک بات نہ کہی جو شخص
مجھ سے صدقہ لے کر بغل میں دبائے ہوئے باہر جاتا ہے وہ اس کے حق میں آگ
ہے عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر آپ ایسے لوگوں کو کیوں
دیتے ہو حالانکہ آپ جانتے ہو کہ وہ اُن کے حق میں آگ ہے فرمایا کیا کروں
لوگ مجھ سے مانگنا نہیں چھوڑتے اور حق تعالیٰ نہیں چاہتا کہ مجھ میں بخل پایا جائے
حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث اور اس کے کئی شواہد نقل کیے ہیں۔ اب
ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ادنیٰ گرانی خاطر اور ملال میں یہاں تک نوبت پہونچ
گئی تو ایذا رسانی کا کیا حال ہوگا دیکھیے خود حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ
یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ
لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ترجمہ جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور اس کے
رسول کو لعنت کی اللہ تعالیٰ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں اور تیار کر رکھا ہے
اُن کے واسطے عذاب رسوائی کا۔

اگرچہ بظاہر حق تعالیٰ نے اپنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی
کی یہ سزا مقرر فرمائی ہے مگر در حقیقت کس کی مجال ہے کہ حق تعالیٰ کو ایذا پہونچا سکے
قال اللہ تعالیٰ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ اور امام بخاریؒ
کتاب خلق افعال عباد میں نقل کرتے ہیں عن حذیفۃ قال قال النبی
صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ یَصْنَعُ کُلَّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَہٗ وَتَلَا بَعْضُھُمْ
عند ذٰلک وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ فاخبر اَنَّ الصناعات و

اَهلَها مَخلُوقَۃٌ ترجمہ روایت ہے حذیفہؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے ہر صانع کو اور اس کی صنعت کو اور پڑھی بعضوں نے یہ آیت وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تم کو اور جو کچھ کہ تم کرتے ہو۔ اس میں خبر دی کہ سب کام اور کام کرنے والے مخلوق ہیں۔ انتہیٰ

اس صورت میں یہ سزا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی ہوئی اور حق تعالیٰ نے جو اپنا نام مبارک اس آیہ شریفہ میں ذکر فرمایا مقصود اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے چنانچہ بیضاوی شریف میں ہے۔ اِنَّ الذین یُوذُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ بِاَن یرتکبوا مَا یکرھانہ مِنَ الکُفرِ والمَعَاصِی اویُوذُونَ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بکسر رُبَاعِیَتِہٖ وَقَولِھِم شَاعِرٌ مَجنُونٌ نَحوِ ذٰلِکَ وَ ذِکرُ اللّٰہِ لِلتعظِیمِ لہ یا یوں کہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا حق تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ عَن عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَن اٰذٰی شَعرَۃً مِنِّی فَقَد اٰذَانِی وَمَن اٰذَانِی فَقَد اٰذَی اللّٰہَ رواہ ابن عساکر کذا فی کنز العمال ترجمہ:۔ روایت ہے علی کرم اللہ وجہہ سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے ایذا پہونچائی میرے ایک بال کو تو اس نے مجھکو ایذا دی اور جس نے مجھکو ایذا دی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

رہی وہ مثال جس کا مطلب یہ تھا کہ مقصود کو پہونچنے کے لئے صرف ہادی کا اتباع کافی ہے نہ محبت و تعظیم۔ سو یہ مثال یہاں بالکل صادق نہیں آسکتی اس لئے کہ اس مثال کی یہ بھی ایک صورت ہوسکتی ہے کہ اگر اس قسم کے ہادی کا اتباع کرنیوالا دل میں اس سے بغض بھی رکھے مگر پیچھے پیچھے چلے جائے

تو بھی منزل مقصود کو پہونچ جائے گا۔ اور یہاں یہ بات بالکل ممکن نہیں۔ کیونکہ یہاں بعض تو کیا اگر محبت اور جاں نثاری میں کسی قدر کمی رہجائے تو مقصود تک پہونچنا تو ایک امر دور دراز ہے۔ سرد ست ایمان ہی کے صادق آنے میں دشواری پڑجائے گی۔ دیکھ لیجئے خود حضرت کیا فرماتے ہیں۔ عن عبد اللہ بن ھشام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ رواہ احمد ذکرہ فی کنز العمال پس اس سے معلوم ہوا کہ راہ خدا کا چلنے والا اس شخص کے نہیں ہوسکتا جو ضرورۃ ہر کس وناکس کے ساتھ ہوئے اور کسی گانوں کو پہونچ جائے۔ دوسری خرابی اس مثال میں یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ راستہ معلوم ہوجائے جس کو بیان فرمادیا اب حضرت سے کچھ غرض اور احتیاج باقی نہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ کوئی آدمی انبیا تک قیامت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی نہیں ہوسکتا جیسا کہ حدیث شفاعت سے جو مشہور اور صحاح میں وارد ہے ظاہر ہے کہ اس سختی اور پریشانی کی حالت میں تمام اولین و آخرین انبیاء سے التجا کریں گے کہ کچھ راستہ نکالیں مگر کسی سے کچھ نہ ہوسکے گا آخر سب محتاج اس بات کے ہوں گے کہ ہمارے حضرت لب شفاعت ہلادیں چنانچہ یہیں سے اُن کی سب مشکلیں آسان ہونگی۔ اور حرام ہے کہ جنت کا دروازہ کسی دوسرے کے واسطے کھلے جب تک حضرت وہاں تشریف نہ لیجائیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے عن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُرِمت الجنۃ علی الانبیاء کلھم حتی اَدخلھا وحُرِمت علی الامم کلھم حتی تدخلھا امتی قط فی الافراد قال الحافظ بن حجر فی اطرافہ وھو صحیح علی شرط ک کذا فی کنز العمال ترجمہ روایت ہے عمرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت حرام ہے انبیاء پر

جبتک میں اس میں داخل نہوں اور حرام ہے تمام امتوں پر۔ جب تک میری امت اسمیں داخل نہو اور حافظ ابن حجرؒ نے اطراف میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط حاکم پر۔ انتہی

اب بتائیے کونسا مسلمان اولین و آخرین سے ہو گا جس کو منزل مقصود تک پہونچنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احتیاج نہو۔ اس مضمون کی احادیث انشاء اللہ تعالیٰ بحسب موقع آیندہ لکھی جائیں گی اور اس آیہ شریفہ میں بھی ایک قسم کے ادب ہی کی تعلیم ہے قال اللہ تعالیٰ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ترجمہ پس قسم ہے آپکے رب کی کہ اُن کو ایمان نہ ہو گا یہاں تک کہ حاکم جانیں آپ کو اس چیز میں کہ جھگڑیں آپس میں اور نہ پاویں جی میں تنگی اُس چیز سے کہ حکم کریں آپ اور مان لیویں فرمانبرداری کے ساتھ۔

یہ بات تو ہر شخص جانتا ہو گا کہ مقدمہ ہار دینے والے کے دل پر کس قدر صدمہ گذرتا ہو گا کہ صرف اُس خیال سے بے دریغ روپیہ صرف کرنا اس پر کچھ دشوار نہیں ہوتا اور بعض وقت غیرت وحمیت والوں کو طرف مقابل کے غلبہ اور اپنی مغلوبی کے وقت جان سے گزر جانا بھی آسان دکھائی دیتا ہے خصوصاً اہل عرب کو جس کی غیرت وحمیت کے وقائع سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ ایسے حمیت والوں کو یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما دیں جس میں جیت طرف ثانی کی رہی تو بھی لازم ہے کہ اُس حکم کو اس طور سے مانے کہ دل کی کیفیت بدلنے اور تنگدلی آنے نہ پائے۔ اور اس کے ساتھ تصریح اس امر کی بھی کیگئی کہ جہاں دل کی کیفیت بدلی تو سمجھ جاؤ کہ ہنوز اُس دل میں ایمان آیا ہی نہیں۔ ہر چند یہ

بات سمجھ میں نہ آئے گی کہ باوجود اس کے کہ تنگدلی کا سبب موجود ہے یعنے
حکم خلاف مرضی پایا جائے اور دل کی کیفیت نہ بدلے یہ کیونکہ ہو سکے گا
اس لئے کہ یہ مسئلہ قابل تسلیم ہے کہ دل کی کیفیتیں مثل خوشی غمی وغیرہ
آدمی کے اختیار سے باہر ہیں۔ لیکن اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جب کسی
کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے تو اس کی کوئی بات بری نہیں معلوم
ہوتی مثل مشہور ہے "ضرب الحبیب زبیب" پھر صحابہ جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی کمال محبت کو مدار ایمان سمجھتے تھے اُن کو حکم عالی سے تنگدلی
کیونکر ہو سکتی تھی الحاصل یہ آیہ شریفہ اہل اسلام کو ایک محک امتحان
عطا فرمائی ہے جس سے نقد محبت و ایمان کا امتحان ہو جایا کرے۔ اور ضعیف
الایمان لوگوں کو اس میں یہ ادب سکھایا گیا کہ اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو
تو چاہیئے کہ بہ تکلف اپنے باطن کو ادب کے ساتھ آراستہ کیا کریں کیونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ناراضی ظاہر کرنا یا دل میں رکھنا کمال
درجہ کی بے ادبی ہے۔ اور اس آیہ شریفہ میں بھی ادب سکھایا گیا ہے قال
اللہ تعالیٰ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَٰذَا
سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ
أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ترجمہ اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سُنا
تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ بڑا بہتان
ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر ہو تم ایمان والے۔
منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ایک ایسی بات
مشہور کی تھی جس کی حکایت بھی مذموم سمجھی جاتی ہے جب ہر طرف اُس کا چرچا
ہونے لگا صحابہ نے بھی اس خبر کو حیرت سے آپس میں ذکر کیا ہر چند آنحضرت صلی

علیہ وسلم نے اس امر میں نہایت حلم کو کام فرمایا مگر حق تعالیٰ کو یہ کب گوارا تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس میں کسی قسم کا دھبہ مسلمانوں کے خیال میں لگے ساتھ ہی غیرت کبریائی جوش میں آئی اور کمال عتاب سے فرمایا کہ اس خبر کے سنتے ہی تم نے یہ کیوں نہیں کہدیا کہ یہ بہتان ہے پھر فرمایا کہ خدا کا فضل تھا کہ تم بچ گئے ورنہ سخت عذاب میں مبتلا کئے جاتے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمْ فِیْمَا اَفَضْتُمْ فِیْہِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ہ اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاہِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَہٗ ھَیِّنًا وَّھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ ترجمہ اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر دنیا اور آخرت میں تو البتہ پہونچتا تم کو اس چرچا کرنے میں عذاب بڑا جب لینے لگے تم اس خبر کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے یہ خبر اڑائی تھی منافق تھے جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ جس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مراد اس سے عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے جو سرغنہ منافقوں کا تھا۔ مگر صحابہ یہ تو جانتے ہی نہ تھے کہ وہ لوگ منافق ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو دشمنوں کی بھی پردہ دری منظور نہ تھی) منافقوں کے نام عموماً بتلائے نہ تھے جس سے سننے والے جان لیتے کہ منشا اس خبر کا انھیں موذیوں کا خبث باطن ہے پھر ان حضرات کے نزدیک کونسی دلیل تھی جس سے اس خبر کی قطعاً تکذیب کردیتے اور اس عام شہرت کو باطل سمجھتے اگر نفس خبر کو دیکھئے تو شرعاً اور عرفاً ہر طرح سے محتمل صدق و کذب ہے اور اگر

مخبروں کے تعداد اور خبر کی شہرت کا لحاظ کیجئے تو دوسری جانب کی
ترجیح ہوئی جاتی ہے۔ باوجود اس کے کلام الہٰی جو زجر و توبیخ کر رہا ہے کہ
اس کی تکذیب میں تامل کیوں کیا پھر اس پر علاوہ یہ سرزنش کہ خدائے
تعالیٰ کا فضل تھا جو بچ گئے ورنہ اس معاملہ میں سخت عذاب نازل ہوتا اس کی
کوئی وجہ ظاہر معلوم نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ پاس ادب میں تساہل کیا گیا
مقتضائے ادب اور حسن عقیدت یہی تھا کہ صاف کہدیتے کہ ازواج مطہرات
جن کو ایک خاص نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاصل ہے اُن کی
شان میں ہم ایسا گمان فاسد ہرگز نہیں کر سکتے اس خبر کی تکذیب کے واسطے
یہ ایک قرینہ ایسا کافی و وافی تھا کہ اس کے مقابل اگر ہزار شہرت ہو قابل
التفات نہیں۔ الحاصل اس معاملہ میں ایک قسم کی کسر شان آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی لازم آتی تھی۔ اس لئے ان آیات میں مسلمانوں کی تادیب
کردیگئی اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ہمیشہ اس قسم کے امور سے احتراز
اور اجتناب کیا کریں چنانچہ ارشاد ہے یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖ
اَبَدًا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگرچہ سوائے اس کے اور بہت آیات ہیں
جن میں تعلیم ادب کی گئی ہے۔ مگر چونکہ طالب حق کو اس قدر بھی کافی ہو سکتی
ہیں اس لئے اسی پر اکتفا کر کے اب چند وہ حدیثیں نقل کی جاتی ہیں جن
سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرنا ثابت ہے اگر اہل ادب
ان احادیث کو اپنا پیشوا بنائیں تو بیشک بلا خوف و خطر منزل مقصود تک
پہنچ سکتے ہیں دارقطنی نے کتاب المجتبیٰ میں روایت کیا ہے۔ عن ابی جہم
قال اقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بیر جمل اما انہ
من غائط او بول فسلمت علیہ فلم یرد علی السلام فضرب الحائط

بیدہ فمسح بہا وجہہ ثم ضرب اخری فمسح ذراعیہ الی المرفقین ثم رد علی السلام وفی حدیث ابن عمرو قال انہ لم یمنعنی ان ارد علیک السلام الا انی لم اکن علی طہور۔ ترجمہ روایت ہے ابی جہیم سے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہو کر بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے میں نے سلام عرض کیا حضرت نے جواب اس وقت نہ دیا پھر تیمم کر کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ سلام کا جواب دینے سے کوئی چیز مانع نہ تھی سوائے اس کے کہ مجھے طہارت نہ تھی۔ انتہی مخلصاً ظاہر ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کوئی آیت قرآنی نہیں جس کے پڑھنے کے لئے طہارت کا اہتمام کیا جائے اگرچہ حدث اصغر سے طہارت قرارت آیت کے واسطے بھی شرط نہیں۔ مگر چونکہ سلام حق تعالی کا نام ہے اسوجہ سے بلا طہارت اس کو زبان پر جاری کرنے سے تامل فرمایا۔ اور گویا اس سے تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اجازت ہو احتراز کرنا اولی اور انسب ہے اور سنن ابوداؤد میں یہ روایت ہے۔ عن ابن عمر قال اتی نفر من یھود فدعوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی القف فاتاھم فی بیت المدراس فقالوا یا ابا القاسم ان رجلا منا زنا بامرأۃ فاحکم بینھم فوضعوا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسادۃ فجلس علیھا ثم قال ایتونی بالتوراۃ فاتی بھا فنزع الوسادۃ من تحتہ ووضع التوراۃ علیھا وقال آمنت بک وبمن انزلک ثم قال ایتونی باعلمکم فاتی بفتی شاب ثم ذکر قصۃ الرجم نحو حدیث مالک عن نافع۔ ترجمہ۔ روایت ہے ابن عمر سے چند شخص قوم یہود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ قف تک تشریف

لے چلیں (جو ایک مقام مدینہ کے قریب ہے) چنانچہ حضرت بیت مدراس میں تشریف لے گئے اور مسند پر تشریف رکھے جو حضرت کے لئے بچھائے گئے تھی پھر انھوں نے عرض کی کہ ہم میں سے ایک شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس باب میں آپ حکم فرمائیں کہ کیا سزا دیجائے۔ حضرت نے ان سے توریت منگوائی جب وہ لائی گئی تو حضرت مسند سے علیحدہ ہو کر اس پر توریت رکھدی پھر فرمایا کہ میں تجھ پر اور جس نے تجھ کو نازل کیا اس پر ایمان لایا پھر فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ جو تم میں بڑا عالم ہو چنانچہ ایک جوان آیا اور رجم توریت سے ثابت کردیا جس کا یہود کو انکار تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ باوجودیکہ اس زمانہ میں توریت تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی مگر حضرت نے اس کا بھی ادب کیا۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت ہے جس کو کنز العمال میں نقل کیا ہے۔ عن جابرؓ قال دخلنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مکۃ فی البیت وحول البیت ثلثمائۃ وستون صنماً تعبد من دون اللّٰہ فامر بھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکبت کلھا بوجوھھا ثم قال جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ثم دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم البیت فصلی فیہ رکعتین فرای فیہ تمثال ابراھیم و اسمٰعیل واسحٰق قد جعلوا فی ید ابراھیم الازلام یستقسم بھا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قاتلھم اللّٰہ ما کان ابراھیم یستقسم بالازلام ثم دعا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بزعفران فلطخہ بتلک التماثیل۔ ترجمہ۔ روایت ہے جابرؓ سے کہ ہم مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے اسوقت

عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ حضرت نے حکم فرمایا جتنے بت تھے سب سرنگوں ہوگئے۔ پھر فرمایا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اس کے بعد خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھا کہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق علیہم السلام کی تصویریں رکھی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں تیر دے رکھے ہیں جس سے کفار فال دیکھا کرتے تھے اور فرمایا خدا ان کو قتل کرے ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے پھر حضرت نے زعفران منگوا کر تصویروں کو رنگا دیا جس سے وہ مشتبہ ہوگئیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کے قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم ہو چکا تھا اور فی الواقع اُن تصویروں کو اُن حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جیسے چاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات تو ضرور تھی کہ نام اُن حضرات کا نام وہاں آگیا تھا جس کے لحاظ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اگر مٹایا بھی تو معطر زعفران سے ورنہ مٹانیوالی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔ سبحان اللہ کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اُس کے ساتھ بھی خاص ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیز کے ساتھ بلحاظ نام رعایت ادب کریں۔ تو ہم آخری زمانہ کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب اُن آثار کے ساتھ کرنا چاہیئے جن کا بطور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اگر ہم نے فرض کیا کہ واقع میں وہ چیزیں منسوب بھی نہیں۔ مگر آخر نام تو آگیا

اس کا لحاظ بھی ضروری ہے جیسا کہ اس حدیث سے ابھی ثابت ہوا۔ طرفہ یہ ہے کہ اس عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں اگر سلسلہ اس کلام کا بڑھایا جاوے تو ظاہر ہے کہ انتہا اس کی کہاں ہوگی۔ اور بروایت ابی ایوب انصاریؓ وغیرہ یہ حدیث صحاح ستہ میں وارد ہے کہ قال رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ و سلم اذا اتیتُمُ الغائطَ لاتستقبلوا القبلۃَ ولاتستدبِروھا ببول ولا غائطٍ یعنے پیشاب پاخانے کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ اور مُنہ کرنے سے حضرت نے منع فرمایا اس سے صرف ادب قبلہ کا پیش نظر تھا چنانچہ یہی بات صراحۃً بھی وارد ہے کما فی کنزِ العُمّالِ عن سُراقہ بن مالکؓ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احدُکم الغائط فلیکرم قبلۃَ اللہ فلا یستقبلنَّ القبلۃ رواہ حربُ بن اسمٰعیل والطبری وابو حاتمٍ وعبدالرزاقِ موقوفاً ومسنداً ترجمہ طبری اور ابو حاتم اور عبدالرزاق وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جاوے کوئی شخص قضائے حاجت کو تو اللہ تعالیٰ کے قبلہ کی تکریم اور بزرگی کرے اور منہ نہ کرے اس طرف اور اسی میں یہ روایت بھی ہے۔ عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جلس یبُولُ قبالۃ القبلۃ فذکر فتحرّف عنھا اجلالاً لھا لم یقم من مجلسہٖ حتی یُغفرلہ رواہ الطبرانی وفیہ کذابٌ ترجمہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص سہواً پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرے پھر یاد آتے ہی پھر جائے بخیال تعظیم قبلہ کے تو قبل اٹھنے کے بخشے جاتے ہیں گناہ اس کے۔

اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا منع کیوں ہو خصوصاً اس مقام میں جہاں

سے کعبہ شریف سیکڑوں ہزاروں کوس دور ہو۔ اگر اس موقع میں کوئی شخص کہے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے اور اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لئے کافی تھا ہمیشہ اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور سوائے حالت نماز کے بھی اس کا ادب کرنا کیا ضرور تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کے سمجھ کو کچھ دخل نہیں جو لوگ آداب داں ہیں ان کی خود طبیعت گواہی دیتی ہے کہ ذوات فاضلہ اور اماکن شریفہ کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مودب رہنا ضرور ہے اور جس کی طبیعت میں یہ بات نہ ہو اگر طالب صادق ہے تو اس کو اتنا ضرور ہے کہ اس قسم کے تعلیمات میں غور اور فکر کیا کرے تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے کسی بزرگ کامل بالغ النظر نے کہا ہے۔

اوّ بوا النفس ایہا الاحباب — طرق العشق کلہا آداب
مایۂ دولت ابد ادب است — پایۂ رفعت خرد ادب ست
چیست آں داد بندگی دادن — برحدود خدائے استادن
قول و فعل از شنیدن و دیدن — ہمو ازیں شرع سنجیدن
باحق و خلق و شیخ و یار و رفیق — رہ سپردن بمقتضائے طریق
حرکات جوارح و اعضا — راست کردن بحکم دین ہدا
خطرات و خواطر و اوہام — پاک کردن ز شوب نفس تمام
دین و اسلام و رادب طلبی است — کفر و طغیاں ز شوم بے ادبی است

جب بیت اللہ شریف کو بسبب شرافت اضافت یہ رتبہ حاصل ہو کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس قسم کا ادب ضرور ٹھہرایا گیا تو جس کو ذری بھی بصیرت ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

آداب کی کس قدر ضرورت ہو گی۔ ہر چند سوائے اس کے اور بہت آیات واحادیث وارد ہیں جن میں تعلیم ادب کی کی گئی ہے مگر چونکہ طالب حق کو اس قدر بھی کافی ہو سکتی ہیں اس لئے اسی پر اکتفا کر کے اب چند آداب صحابہ کے نقل کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ممکن نہیں کہ آداب ان حضرات کے کما ینبغی تحریر میں آسکیں اس لئے کہ ادب ایک کیفیت قلبی کا نام ہے جس سے اقسام کے آثار و افعال ظہور میں آتے ہیں اُس کو بیان کرنا امکان سے خارج ہے مگر ان چند آثار کے بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ اہل اسلام اُن حضرات کی کیفیت قلبی کو پیش نظر رکھ کر اُس قسم کی کیفیت قلبی حاصل کرنیکی کوشش کریں۔ بخاری شریف میں ہے۔ عن سھل بنِ سعدِ السَّاعِدی اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذھب اِلی بنی عمرو بن عوفٍ لِیصلح بَیْنھم فحانَتْ الصلوٰۃ فجاء المؤذنُ الی ابی بکرؓ فقال اتصلی لِلناس فاقیمُ قال نعم فصلی ابوبکر فجاء رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناسُ فی الصلوٰۃ فتخلص حتیٰ وقفَ فی الصف فصفق الناسُ وکان ابوبکر لا یلتفت فی صلوتہٖ فلما اکثر الناس التصفیق التفتَ فرایٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاشار الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَن امکث مکانک فرفع ابوبکر رضی اللہ عنہ یدیہ فحمدَ اللہ علی ما امرہُ بہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم استأخر ابوبکر حتی استوی فی الصف وتقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما انصرفَ قال یا ابابکر ما منعک ان تثبتَ اِذ امرتک فقال ابوبکر ما کانَ لابن ابی قحافۃ ان یصلی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالی رایتکم اکثرتم التصفیق من رابہ شی فی صلوتہٖ فلیسبح فانہ اذا سبح التفتَ الیہ وانما التصفیق

للنساء ترجمہ روایت ہے سہل بن سعد ساعدیؓ سے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانیکے واسطے تشریف لے گئے جب نماز کا وقت ہوا موذن نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر اقامت کہی اور انہوں نے امامت کی اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوگئے اور صف میں قیام فرمایا جب مصلیوں نے حضرت کو دیکھا دستکیں دینے لگے اس غرض سے کہ صدیق اکبرؓ خبردار ہو جائیں کیونکہ اُن کی عادت تھی کہ نماز میں کسی طرف دیکھتے نہ تھے۔ جب صدیق اکبرؓ نے دستکوں کی آواز سنی گوشۂ چشم سے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں پیچھے ہٹنے کا قصد کیا حضرت نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی ہی جائے پر قایم رہو صدیق اکبرؓ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اس نوازش پر کہ حضرت نے امامت کا امر فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے جب نماز سے فارغ ہوئے فرمایا کہ اے ابوبکر جب خود میں نے تمہیں حکم کر دیا تھا تو تم کو اپنی جائے پر کھڑے رہنے سے کون چیز مانع ہوئی عرض کیا یا رسول اللہ ابی قحافہ کا بیٹا اس لایق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ کر نماز پڑھائے۔

اور مسلم شریف میں ہے عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب یقول کتب علی بن ابی طالب الصلح بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین المشرکین یوم الحدیبیۃ فکتب ھذا ما کاتب علیہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا لا تکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلو نعلم انک رسول اللہ لم نقاتلک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی امحہ فقال ما انا بالذی امحاہ فمحاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الحدیث ترجمہ روایت

ہے براء بن عازبؓ سے کہ علی کرم اللہ وجہ نے جب وہ صلحنامہ لکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کفار کے درمیان حدیبیہ کے دن ٹھہرا تھا جس میں یہ عبارت تھی ھذا ما کاتب علیہ محمد رسول اللہ مشرکوں نے کہا کہ لفظ رسول اللہ مت لکھو کیونکہ اگر رسالت مسلم ہوتی تو پھر لڑائی کیا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو انھوں نے عرض کیا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو اس لفظ کو مٹا سکوں حضرت نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔

اب یہاں تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور علی کرم اللہ وجہ کو لفظ موصوف مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر اُن حضرات سے امتثال نہ ہو سکا حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ترجمہ۔ جو دیں تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیویں پس اس کو لو اور جس چیز سے منع کریں باز رہو۔

اور دوسرے محل میں ارشاد ہوتا ہے وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔

ترجمہ اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا نہ عورت کا جب ٹھہرا دے اللہ اور اس کا رسول کچھ کام کہ اُن کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسولؐ کے سو راہ بھولا صریح چوک کر۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے جس کے دفعیہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ اُن حضرات سے عدول حکمی عمل میں

آئے وہ بھی کس موقع میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس روبرو سے حکم فرما رہے ہیں اور اس کا بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اُن حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا اس سے بڑھکر انقیاد کیا ہو کہ ایک اشارہ پر جان دینا اُن کے پاس کوئی بڑی بات نہ تھی اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی خلاف مرضی خدا و رسول تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضرت اُن کو زجر فرما دیتے بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی اس لئے کہ ان حضرات کی تادیب کا لحاظ بیش از بیش مرعی تھا اس وجہ سے کہ ایک عالم کے مقتدا ہونے والے تھے غرض ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے پریشانی ہوتی ہے مگر یہ خلجان اس طرح سے دفع ہوسکتا ہے کہ ان حضرات کا پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ کچھ ایسا با فروغ تھا کہ اس کے مقابلہ میں وہ عدول حکمی قابل التفات نہ ہوئی۔ اگر اس حالت کو خیال کیجئے بشرطیکہ دل میں وقعت وعظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل طور پر ہو تو معلوم ہوگا کہ اُن حضرات کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہوگا۔ اُدہر خود بنفس نفیس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم روبرو سے حکم فرما رہے ہیں اور ایک طرف سے آیات واحادیث باواز بلند کہہ رہے ہیں کہ خبردار امر واجب الانقیاد سے سرمو انحراف نہ ہونے پائے اور ادہر ادب کا دل پر اس قدر تسلط ہے کہ امتثال کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں آخر ان دونوں صدیقوں کو ادب نے اس قدر مجبور کیا کہ امتثال امر ہو ہی نہ سکا اور انہوں نے وہی کیا جو مقتضائے ادب تھا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں آخر ادب ہی کی ترجیح ہوئی تو دین میں اس کو کس قدر باوقعت اور ضروری چیز سمجھنا چاہیے۔ **شعر**

شد ادب جملہ طاعت محمود ؛ طاعت بے ادب ندارد سود

اسی طرح امام شافعی کا ادب ہے جو امام سیوطیؒ نے تنزیہ الانبیاء عن تشبیہ
الاغبیاء میں امام سبکیؒ کی کتاب ترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ
نے بعض تصانیف میں وہ قصہ نقل کیا جو کسی شریف عورت نے کچھ چرایا
تھا اور حضرت نے اس کے قطع ید کا ارادہ فرمایا اور کسی نے سفارش کی پھر وہ
حدیث نقل کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ اگر فلاں
عورت بھی (جو ایک شریف تھیں) چراتیں اُن کا بھی ہاتھ قطع کرتا) امام سبکیؒ
لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں فاطمہ رضی اللہ
عنہا کا نام مصرح ہے اگر بعینہ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہ تھی
لیکن ارادہ کمالِ ادب صراحۃً نام مبارک کو ذکر نہ کیا سبحان اللہ کیا ادب
تھا کہ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ
نام مبارک جو حدیث شریف میں وارد ہے لفظ لَو کے تحت میں ہے جو محال پر
علی سبیل فرض محال آتا ہے مگر با ایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں مقام
توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک
کو صراحۃً ذکر کریں گو حدیث شریف میں وارد ہے سچ ہے جو مقربین بارگاہ
ہوتے ہیں انہیں کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں وہ صلاحیت
کہاں اور کنز العمال میں یہ روایت ہے قال ابن الاعرابی روی ان اعرابیا
جاء الی ابی بکر فقال انت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال لا قال فما انت قال الخالفۃ بعدہ ترجمہ روایت ہے کہ ایک
اعرابی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہو فرمایا نہیں۔ کہا پھر کیا ہو۔ کہا خالفہ ہوں بعد حضرت کے۔
جوہری نے صحاح میں لکھا ہے فلاں خالفۃ اهل بیتہ اذا کان

لاخیر فیہ یعنے خالفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی گھر کے سب لوگوں میں ایسا ہو جس میں کچھ خیر نہ ہو چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں صدیق اکبرؓ کو ادب نے اجازت نہ دی کہ اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق سمجھیں اور اس کو ایسے طور سے بدلا جس میں مادہ خلافت باقی رہی اور ادب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ حالانکہ خلافت آپ کی قطع نظر اجماع کے خود احادیث سے کنایۃً بلکہ صراحۃً ثابت ہے۔ جب صدیق اکبرؓ اپنے کو حضرت کے خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو اب ان لوگوں کو کیا کہنا چاہئیے جو کمال فخر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھائی بنے کی نسبت لگائے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ اس برابری سے مقصود کیا ہے اگر اپنے کو اونچا بنانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا منظور ہے تو وہ خصوصیات کہاں جو نہ کسی نبی مرسل کو نصیب ہوئیں۔ اور نہ کسی فرشتہ مقرب کو۔ اور اگر تنزل شان اور اپنے ساتھ برابر کر دینا مطلوب ہے، تو اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کا مضمون صادق آجائے گا جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ اور پھر اُن ازلی سابقوں کو کیا کریں گے جنہوں نے ذات والا کو تمامی کائنات سے منتخب کر کے ابد الآباد کے لئے علو شان اور برتری منزلت کا خاتمہ اور منتہی بنا دیا غرض دونوں صورتوں میں مثل عمرؓ کے نسبت عبدیت اور غلامی کی کیوں نہ جمائیں جس سے کچھ کام نکلے اور بیہقی رحمۃ نے دلائل النبوۃ میں روایت کی ہے عن ابی الحویرث قال سمعت عبد الملک بن مروان یقول لقباث بن اشیم الکنانی ثم اللیثی یا قباث انت اکبر ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر منی وانا اسن منہ ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل ووقفت بی امی علی روث الفیل محیلا اعقلہ

ترجمہ۔ روایت ہے ابی الحویرث سے کہ پوچھا عبد الملک بن مروان نے
قباث بن اشیم سے کہ تم اکبر یعنی بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے
نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تھے اور میں عمر میں زیادہ ہوں اسلئے
ولادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام فیل میں ہے اور مجھے
یاد ہے کہ میری والدہ اسی ہاتی کی لید کے پاس مجھے لے کر کھڑی تھیں۔

اور یہ روایت بھی اسی دلائل النبوۃ میں ہے۔ سأل عثمان بن عفانؓ
قباث بن اشیم اخا بنی یعمر بن لیث انت اکبر ام رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر منی وانا اقدم
منہ فی المیلاد ورأیت خذق الفیل اخضر محیلا ورواہ محمد بن
بشار عن وھب ابن جریر فقال خذق الطیر اخضر

قولہ محیلا یقال احالت الدار واحولت اتی علیہ حول وکذلک الطعام وغیرہ فھو محیل ۱۲ الصحاح

خلاصہ مضمون اس روایت کا یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں قباثؓ
سے اسی قسم کا سوال کیا تھا جو روایت سابق میں ہے اور انہوں نے جواب دیا
کہ آنحضرت اکبر تھے اور ولادت میری پیشتر ہے۔ اور عباس رضی اللہ عنہ نے بھی
یہ ادب ملحوظ رکھا چنانچہ ابن عساکر اور ابن نجار نے روایت کیا ہے عن عبد اللہ
بن عباس رضی اللہ عنہما قال قیل للعباس رضی اللہ عنہ انت اکبر او
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو اکبر منی وانا ولدت قبلہ
کر وابن النجار کذا فی کنز العمال ترجمہ روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ
کسی نے عباس رضی اللہ عنہما سے کہ آپ اکبر ہو یا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کہا اکبر حضرت تھے لیکن میں حضرت سے پیشتر پیدا ہوا۔

اور صدیق اکبرؓ نے بھی کمال ادب سے یہی عرض کیا عن یزید بن الاصم

انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر انا اکبر او انت قال انت اکبر واکرم وانا اسن منک حم فی تاریخہٖ وخلیفۃ بن خیاط کر قال ابن کثیر مرسل غریب جدا کذا فی کنز العمال۔

ترجمہ روایت ہے یزید بن الاصم سے کہ استفسار فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ میں بڑا ہوں یا تم۔ عرض کیا کہ آپ اکبر اور اکرم ہیں اور عمر میری زیادہ ہے روایت کیا اس کو امام احمد بن حنبل نے تاریخ میں اور خلیفہ بن خیاط اور ابن عساکر نے۔

اب اس ادب کو دیکھیے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسنّ دونوں کے ایک معنی ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے صراحۃً اُس کی نفی کردی اور مجبوراً لفظ اسن کو ذکر کیا۔ کیونکہ صراحۃً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے کوئی لفظ نہ تھا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کی تعظیم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیے اور سنن ابی داؤد میں ہے عن عبید بن فیروز قال سالت البراء بن عازبؓ ما لا یجوز فی الاضاحی فقال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصابعی اقصر من اصابعہ وانا ملی اقصر من انا ملہ فقال اربع لا تجوز فی الاضاحی العوراء بین عورھا والمریضۃ بین مرضھا والعرجاء بیّنٌ ظلعھا والکسیر التی لا تنقی الحدیث۔ ترجمہ روایت ہے عبید بن فیروز کہتے ہیں کہ براء بن عازبؓ سے میں نے پوچھا کہ کن جانوروں کی قربانی درست نہیں کہا کھڑے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں اور میری انگلیاں چھوٹی ہیں حضرت کی انگلیوں سے پھر فرمایا کہ چار قسم کے

ور ہیں جن کی قربانی درست نہیں ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو اور سخت
ر ہو اور جس کا لنگ ظاہر ہو اور جو نہایت دبلی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں پہلے
ت مبارک کے اشارہ سے تعیین فرمایا کہ چار جانور ہیں جن کی قربانی درست
یں پھر ان کی تفصیل کی براء بن عازبؓ نے جب اس واقعہ کو بیان کیا۔ ادب نے
جازت نہ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی حکایت اپنے
سے کریں آخر عذر ظاہر کیا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی انگلیوں کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار
اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے ظاہراً اس میں کوئی
ساوات کا شائبہ ہے نہ سوء ادب باوجود اس کے ادب صحابیت نے دست
ارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آجاتی تھی اب دوسرے
اب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئیے۔ ہر چند اعتراض کی نگاہ سے دیکھنے والوں
یہاں شاید موقع مل جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کب فرمایا کہ
اس قسم کے آداب کیا کریں۔ مگر جو لوگ منجانب اللہ موفق ہیں صحابہ کے عمل
بھی اعتراض نہ کریں گے بلکہ بمقتضائے حدیث شریف اصحابی کالنجوم کے
ان کے عمل کو اپنا مقتدا بنا کر ہر بات میں اس امر کا لحاظ رکھیں گے کہ اس
ارگاہ مقدس میں کوئی ایسی نسبت نہ لگائی جائے جس سے کسی قسم کی بے ادبی لازم
جائے اس مضمون کو کسی بزرگ نے کیا ہی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا ہے **شعر**

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

اور کنز العمال میں یہ حدیث ہے **عن عثمانؓ قال لقد اختبات**

عند اللہ عشراً انی لرابع الاسلام قد زوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنتیہ وقد بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی ھذہ الیمنی فما مسست بھا ذکری ولا تغنیت ولا تمنیت ولا شربت خمراً فی جاھلیۃ ولا اسلام وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یشتری ھذہ الربعۃ ویزیدھا فی المسجد ولہ بیت فی الجنۃ فاشتریتھا وزدتھا فی المسجد ش وابن ابی عاصم فی السنۃ ترجمہ روایت ہے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا انھوں نے کہ امانت رکھی ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس دس چیزیں اسلام میں ہیں چوتھا شخص ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی پھر دوسری اور جب کہ بیعت کی ہے میں نے اور ملایا سیدھا ہاتھ حضرت کے دست مبارک سے تو پھر کبھی نہ چھوا اس سے شرمگاہ کو الی آخر الحدیث اور اسی مضمون کی کئی روایتیں کنز العمال میں مذکور ہیں۔ اور کنز العمال ہی میں یہ روایت بھی ہے عن انس قال جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل الی بستان فاتی آت فدق الباب فقال یا انس قم فافتح لہ وبشرہ بالجنۃ وبالخلافۃ من بعدی قلت یا رسول اللہ اعلمہ فخرجت فاذا ابوبکر قلت لہ ابشر بالجنۃ وبالخلافۃ من بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم جاء آت فدق الباب فقال یا انس قم فافتح لہ الباب وبشرہ بالجنۃ وبالخلافۃ من بعد ابی بکر قلت اعلمہ قال اعلمہ فخرجت فاذا عمر فقلت ابشر بالجنۃ وابشر بالخلافۃ من بعد ابی بکر ثم جاء آت فدق الباب فقال یا انس قم فافتح لہ الباب وبشرہ بالجنۃ وبالخلافۃ من بعد عمر وانہ مقتول فخرجت فاذا عثمان قلت ابشر بالجنۃ بالخلافۃ من بعد عمر وانک

مقتول فدخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ
واللہ ما تغنیت ولا تمنیت ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعتک بھا قال
ھو ذاک یا عثمان کرہ ورواہ ع کرمن طریق عبد اللہ بن ادریس۔

ترجمہ۔ روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہ تشریف لے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کسی باغ میں پیچھے آیا کوئی شخص اور کھٹکھٹایا دروازہ فرمایا حضرت نے اے
انس دروازہ کھول دو اور خوشخبری دو ان کو جنت کی اور یہ کہ پیچھے کو
بعد وہ خلیفہ ہوں گے میں نے عرض کیا اُن کو یہ بات کہہ دوں یا رسول اللہ
فرمایا کہہ دو جب میں نکلا تو دیکھا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں
میں نے وہ بشارت ان کو دی۔ پھر کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا فرمایا حضرت
نے اے انس دروازہ کھول دو اور اُن کو جنت کی خوشخبری دو اور یہ کہ بعد
ابی بکر کے وہ خلیفہ ہوں گے۔ میں نے عرض کیا معلوم کرادوں اُن کو
یا رسول اللہ فرمایا معلوم کرادو۔ دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اُن کو بھی
بشارت سنادی۔ پھر اور کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فرمایا حضرت نے اے
انس دروازہ کھول دو اور خوشخبری دو اُن کو جنت کی اور یہ کہ بعد عمر کے
وہ خلیفہ ہوں گے اور قتل کئے جائیں گے۔ جب میں نکلا تو عثمان رضی اللہ عنہ کو
دیکھا کھڑے ہیں اُن سے بشارت اور قتل کا حال ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں نے کبھی نہ تغنی کی اور نہ جھوٹی بات بنائے اور نہ کبھی سیدھے ہاتھ سے اپنی
شرمگاہ کو چھوا جب سے کہ اُس ہاتھ سے بیعت کی ہے فرمایا حضرت نے یہ وہی بات
ہے اے عثمان۔

اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت

کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ جو دیا تھا اس سے کس قسم کا اثر دستِ مبارک کا ان کے ہاتھ میں رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔ باطن کا حال تو وہی لوگ جانیں جن کی باریک بین نظریں غوامض شرعیہ میں بلند پروازیاں کرتی ہیں۔ لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوتی جس کو عقل متوسط تسلیم کر لے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا وہ دوسری بات ہے اور وہ ہر کسی کو کب نصیب ہو سکتا ہے۔ غرض کچھ بھی سہی کسی مسلمان سے یہ تو نہ ہو سکے گا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اعتراض کرے اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف انہیں کا تھا بلکہ انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ تصریح معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کی باتیں اکثر کبار صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکے لیکن اعتقاداً مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے لمس سے شرافت حاصل ہو گئی اس میں کسی نہ کسی قسم کی فضیلت ضرور آ گئی۔ دوسری یہ بات بحث طلب ہے کہ شرمگاہ میں کونسی برائی رکھی تھی جس کو وہ تبرک ہاتھ لگانا مذموم سمجھا گیا اگر احادیث و آثار سے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے مثل اور اعضا کے چنانچہ موطا میں ہے۔

عن قیس بن طلق ان اباہ حدثہ ان رجلاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل مس ذکرہ ایتوضؤ قال ھل ھو الا بضعۃ من جسدک ترجمہ۔ روایت ہے طلق سے کہ پوچھا کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کیا مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے فرمایا وہ تو ایک مضغہ ہے تیرے جسد کا۔

اسی بنا پر علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں عن علی ابن طالبؓ قال ما ابالی
اِیَّاہُ اَمس اوالفی او اُذنی کذا فی الموطا للامام محمدؒ ترجمہ فرمایا علی
رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ ذکر کو مس کروں یا ناک کو یا کان کو
یعنی ان تمام اعضا کے چھونے کا ایک حکم ہے عن ابراھیم ان ابن مسعودؓ
سُئل عن الوضوء من مس الذکر فقال ان کان نجساً فاقطعہ کذا فی
الموطا ترجمہ روایت ہے ابراہیم سے کہ کسی نے پوچھا ابن مسعودؓ سے کہ مس
ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں کہا اگر وہ نجس ہے تو کاٹ ڈال۔
اس مضمون کی اور بہت سی روایتیں ہیں۔ الحاصل شرعاً مس ذکر میں نجاست
کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں البتہ اگر کراہت ہے تو طبعی ہے۔ پھر اس
کراہت طبعی کو ادب نے وہاں اس درجہ بڑھایا کہ مشابہ بلکہ زیادہ کراہت
شرعی سے کر دیا جس کی وجہ سے عمر بھر اس فعل سے بچتے رہے اس سے
معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا پورا اثر کرنے میں نہ منتظر امر ہے
نہ محتاج نظیر۔ بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوت راسخہ ہے جس کو خاص ایمان
کے ساتھ تعلق ہے اور منشا اس کا عظمت و وقعت اس شخص یا اس چیز کی
ہے جس کے آگے ادب کرنے والا اپنے کو کم درجہ اور ذلیل سمجھتا ہے اور بخاری
شریف میں ہے عن ابی رافع عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ و
سلم لقیہ فی بعض طریق المدینۃ وھو جنب فانخنست منہ فذھب
فاغتسل ثم جاء فقال این کنت یا اباھریرۃ قال کنت جنباً فکرھت
ان اجالسک وانا علی غیر طھارۃ فقال سبحان اللہ ان المومن لا ینجس
ترجمہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ
منورہ کے کسی راستہ میں دیکھا چونکہ جنب تھا چھپ گیا اور غسل کرکے حاضر خدمت

شریف ہوا فرمایا کہاں تھے تم اے ابوہریرہ عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت تھی اس لئے آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا فرمایا سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

ابوہریرہؓ اس حالت میں جو الگ ہوگئے اس سے ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرتؐ کی اُن کے دل میں تھی جس نے اُن کی عقل کو مقہور رکھ کے اُن کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ آخر سمجھتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا ایک امر حکمی ہے حسی نہیں جس سے دوسرے کو کراہیت ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہوسکتا۔ ہرچند آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے کو انھیں کونسی چیز مانع تھی۔ اگر نعوذ باللہ طبیعت میں بے باکی ہوتی تو خیال کر لیتے کہ اس حالت میں مجالست سے کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی خیال آسکتا تھا کہ چل کر تو دیکھئے اگر حضرت ہی منع فرمادیں تو ایک مسئلہ معلوم ہو جائیگا خصوصاً اس زمانہ میں کہ ہر روز نئے نئے مسائل معلوم ہونے کی ضرورت سمجھی جاتی تھی غرض کہ ادب نے ان کو جرأت کرنے نہ دیا پھر حضرت نے جو مسئلہ کہ بیان فرمایا اس سے یہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ شرعیہ معلوم ہو جائے ان کے ادب سے اس میں کچھ تعرض نہیں حالانکہ حضرت جانتے تھے کہ صرف ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہوسکے۔ اگر یہ حرکت اُن کو ناگوار طبع مبارک ہوتی تو تصریح اس سے زجر فرما دیتے اور زرقانیؒ نے شرح مواہب اللدنیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

روی الطبرانی من طریق الہیثم ابن زریق عن ابیہ عن الاسلع بن شریکؓ قال کنت ارحل ناقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاصابتنی جنابۃ فی لیلۃ باردۃ فاراد صلی اللہ علیہ وسلم الرحلۃ فکرہت

ان ارحل ناقتہ وانا جنب وخشیت ان اغتسل بالماء البارد فاموت او امرض فامرت رجلا من الانصار فرحلها ووضعت احجارا فاسخنت بها ماء فاغتسلت ثم لحقت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فقال یا اسلع مالی اری راحلتک تغیرت فقلت یا رسول اللہ لم ارحلها رحلها رجل من الانصار قال ولم فقلت اصابتنی جنابة فخشیت القر علی نفسی فامرتہ فرحلها ووضعت احجارا فاغتسلت بہ فانزل اللہ تعالی یایها الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاری الی قولہ عفوا غفورا۔ انتہی۔

ترجمہ۔ اسلع بن شریک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر میں کجاوہ باندھا کرتا تھا ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوئی اور حضرت نے کوچ کا ارادہ فرمایا اس وقت مجھے نہایت تردد ہوا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے نہاؤں تو مارے سردی کے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا خوف ہے اور یہ بھی گوارا نہیں کہ ایسی حالت میں خاص سواری مبارک کا کجاوہ اونٹنی پر باندھوں۔ مجبوراً کسی شخص نے انصاری سے کہدیا کہ کجاوہ باندھے پھر میں چند پتھر رکھ کے پانی گرم کیا اور نہاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جا ملا۔ حضرت نے فرمایا اے اسلع کیا سبب ہے کہ تمہارے کجاوہ کو متغیر پاتا ہوں میں۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نہیں باندھا تھا۔ فرمایا کیوں؟ عرض کیا۔ اس وقت مجھے نہانے کی حاجت تھی اور ٹھنڈے پانی سے نہانے میں جان کا خوف تھا اسلئے کسی کو باندھنے کیلئے کہدیا تھا۔ اسلع کہتے ہیں کہ اسی کے بعد آیہ شریفہ یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰة الآیہ نازل ہوئی جس سے سفر میں تیمم کرنے کی اجازت ملی۔ انتہی

امام سیوطی رح تفسیر در منثور میں لکھتے ہیں کہ روایت کی اس حدیث کو حسن ابن سفیان

نے اپنی مسند میں اور قاضی اسمٰعیل نے احکام میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں اور بغوی اور ماوردی اور دارقطنی اور طبرانی اور ابونعیم نے معرفت میں اور ابن مردویہ نے اور بیہقی نے سُنن میں اور ضیاے مقدسی نے مختارہ میں۔ انتہیٰ
سُبحان اللہ کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اُس کا محض ایمان دکھائی دے گا جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کردئے تھے ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً اس قسم کے امور کی تعلیم تھی نہ صراحتہً ترغیب وتحریص۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت ایمان تحقیقی کا دعویٰ کرکے کہے کہ یہ خیالات ایام جہالت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص ایماندار اس کلام کی طرف التفات کرے گا یا بطیب خاطر جواب دے گا۔ کیونکر ہوسکے کہ چودہویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جاوے۔ پھر اگر کسی قدر نظر بڑھائی جائے تو معلوم ہو کہ سلسلہ اس الزام کا کہاں منتہی ہوگا۔ کیونکہ جس امر کا ذکر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہوجائے اور اسی کے بعد کلام الٰہی اسی کے مناسب نازل ہو ویسے خیال میں آخری زمانہ والوں کی اصلاح کی نعوذ باللہ اگر ضرورت سمجھی جائے تو دینداری کے نہایت خلاف ہوگا **الحاصل** جب اُن لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہے۔ اور مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال کنا اذا قعدنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم نرفع رؤسنا الیہ اعظاما لہ ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولا احفظ لہ علۃ ترجمہ عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوتے تو عظمت کے لحاظ سے کوئی شخص حضرت کی طرف سر نہ اٹھاتا
تھی۔ کہا حاکم رح نے کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط شیخین پر حضرت کے روبرو
تو اس قسم کا ادب ہوتا ہی تھا وہ حضرات حدیث شریف کے حلقوں میں
جب بیٹھتے تھے تو اس خضوع و خشوع کے ساتھ سر جھکائے بیٹھتے تھے کہ گویا
گردنوں پر سر ہی نہیں چنانچہ مستدرک ہی میں ہے۔ عن عبدالرحمن بن
قرط قال دخلت المسجد فاذا حلقۃ کانما قطعت رؤسھم واذا
رجل یحدثھم فاذا ھو حذیفۃ قال کان الناس یسألون رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخیر وکنت اسألہ عن الشر وذکر الحدیث
بطولہ ترجمہ۔ عبدالرحمن بن قرط کہتے ہیں کہ ایک بار میں مسجد میں گیا دیکھا
کہ ایک حلقہ میں لوگ ایسے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ گویا اُن کی گردن پر سر ہی
نہیں اور ایک شخص حدیث بیان کر رہے ہیں دیکھا وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں
انتہی ملخصاً یعنی سب حدیث شریف سننے والے کچھ ایسے مودبانہ سر جھکائے
بیٹھے تھے گردنوں پر سر نہیں دکھائی دیتے تھے۔ اب ذرا زمانہ کے انقلاب
اور طبیعتوں کی رفتار کو دیکھنا چاہیئے کہ بعد خیر القرون نے اُن حضرت کے
سلک سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ معاملہ
بالکل بالعکس ہو گیا ہے۔ اس زمانہ میں حالانکہ ان امور کی تعلیم عموماً نہتی مگر
دل ہی کچھ ایسے مہذب اور مودب تھے کہ اقسام کے آداب اور طرح طرح
کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے افعال ایجاد کر لیتے اور اصول شرعیہ
پر اُن کو منطبق کر دیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانہ میں بآسانی
نہ ہو سکے کیوں نہ ہو ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں
پر فضیلت ہونے کی وجہ سے حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا تھا چنانچہ

ارشاد ہوتا ہے۔ عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان اللہ عزوجل نظر فی قلوب العباد فلم یجد قلبا انقی من قلوب اصحابی ولذلک اختارھم فجعلھم اصحابا فما استحسنوا فھو عند اللہ حسن وما استقبحوا فھو عند اللہ قبیح رواہ الدیلمی۔

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا تو میرے اصحاب کے دلوں سے پاکیزہ تر کوئی دل نہ پایا اسی واسطے اُن کو میرے اصحاب ہونے کیلئے پسند فرمایا جو کام وہ اچھا سمجھتے ہیں اللہ کے نزدیک بھی وہ اچھا ہے۔ اور جس کو وہ برا سمجھتے ہیں اللہ کے نزدیک بھی وہ بُرا ہے۔

غرض وہ وہ ہر قسم کے اداب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی کی پڑی نہ تھی۔ اور اگرچند خود سروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ قریب معلوم ہوگا تو اس وجہ سے کہ ان کی بد اعتقادیوں نے اُن کو دائرہ اتباع سے خارج اور دوسرے نام کے ساتھ مشتہر کردیا تھا۔ اُن کی باتیں کسی کی سمع قبول تک پہنچی ہی نہیں الحاصل خیر القرون کا یہ حال تھا کہ ہر قسم کے آداب ایجاد کئے جاتے تھے اور اس آخری زمانہ کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ اُن حضرات نے جن کا اتباع بحسب ارشاد شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضروری ہے۔ اقسام کے آداب تعلیم کرگئے اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہوجائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے اور صرف اعتراض ہی نہیں شرک تک نوبت پہنچادی جاتی ہے حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمادے۔ اور قاضی عیاضؒ نے شفا میں لکھا ہے وقال مالک رحمہ اللہ قد سئل عن ابی ایوب

السختیانی ؒ ماحدثتکم عن احد الا وایوب افضل منہ وقال وحج حجتین فکنت ارمقہ ولا اسمع منہ غیر انہ کان اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکی حتی ارحمہ فلما رایت منہ ما رایت کتبت عنہ ترجمہ کسی نے امام مالک ؒ سے پوچھا کہ ابو ایوب سختیانی کا کیا حال تھا کہا میرے اساتذہ میں جن کی روایتیں تم نے مجھ سے سنی ہیں ان سب سے وہ افضل ہیں۔ انھوں نے دو حج کئے اور میں اُن کا حال دیکھا کیا اس مدت میں کوئی روایت اُن سے نہ لی مگر حالت اُن کی یہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے اُن کے حال پر رحم آجاتا۔ جب ان کا یہ حال دیکھا تو ان کی شاگردی اختیار کی اور ان کی حدیثیں لکھیں۔

امام مالک ؒ ابو ایوب سختیانی ؒ کو بنظر اس حالت کے جو ترجیح دیتے ہیں اور سب اساتذہ سے افضل کہتے ہیں تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خیالات محدثین اور اکابرین کے اس بارہ میں کس قسم کے تھے اب ذرا سختیانی ؒ کے دل کی کیفیت کو خیال کیجئے کہ کس درجہ کی عظمت و محبت اور خدا جانے کون کیسی چیزیں انکے دل پر پورا تسلط کرلیتی تھیں جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو ادب سے بھی بڑی ہوئی ہے یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو تازہ کر دیا کرتا ہے۔ سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو رہی ہے جو بڑے بڑے فاضل معاصروں سے افضل بنا دیتی ہے اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کے مجلسیں نہ ہونے پائیں۔ بھلا ذرا سوچنا چاہیئے ذکر شریف کے مجلسیں ہوا کریں اور برکات اس کے مسلمانوں پر فائض ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہوگا۔ حق تعالیٰ بطفیل اپنے

حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں کی کج فہمیوں کو دفع فرما دے اور
درمنظم میں ابن حجر ہیتمی اور شفا میں قاضی عیاض نے بسند متصل روایت کی ہے
عن ابن حمید قال ناظر ابو جعفر امیر المومنین مالکا فی مسجد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا امیر المومنین لا ترفع صوتک
فی ھذا المسجد فان اللہ تعالیٰ ادب قوما فقال لا ترفعوا اصواتکم
فوق صوت النبی ومدح قوما فقال ان الذین یغضون اصواتھم عند
رسول اللہ الایۃ وذم قوما فقال ان الذین ینادونک من وراء الحجرات
الایۃ وان حرمتہ میتا کحرمتہ حیا فاستکان لھا ابو جعفر وقال یا
ابا عبد اللہ استقبل القبلۃ وادعو ام استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم فقال ولم تصرف وجھک عنہ وھو وسیلتک ووسیلۃ ابیک
آدم علیہ السلام الی اللہ یوم القیمۃ بل استقبلہ واستشفع بہ
فیشفعک اللہ وقال اللہ تعالیٰ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم
جاوک الایۃ ترجمہ امیر المومنین ابو جعفر منصور نے جو خلفائے عباسیہ سے
دوسرے خلیفہ ہیں) امام مالکؒ کے ساتھ مسجد نبوی میں کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا
جس میں اُن کی کچھ آواز بلند ہوگئی۔ امام مالکؒ نے کہا اے امیر المومنین اس
مسجد میں آواز بلند نہ کیجئے کیونکہ حق تعالیٰ نے تادیب کی ایک بہتر قوم کی اس آیۂ
شریفہ میں یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ
اور مدح کی ان لوگوں کی جو حضرت کے پاس آواز پست کیا کرتے تھے فرماتا ہے
اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ الآیہ اور مذمت
کی اس قوم کی جو حجرہ کے باہر سے حضرت کو پکارتے تھے چنانچہ فرماتا ہے:۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت بعد انتقال کے وہی ہے جو قبل انتقال
تھی۔ امیر المومنین یہ سنتے ہی متادب اور متذلل ہوگئے۔ پھر پوچھا اے ابا
عبداللہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف متوجہ ہوں۔ کہا حضرت سے کیوں منہ پھیرتے ہو وہ تو وسیلہ ہیں آپ کے اور
آپ کے باپ آدم علیہ السلام کے قیامت کے روز تو آنحضرت کی طرف متوجہ ہو کر
شفاعت اور سفارش طلب کیجئے کہ حق تعالیٰ شفاعت حضرت کی قبول کرے گا
کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ
فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
رَحِيمًا یعنی وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا اپنی ذاتوں پر اگر آویں آپ کے پاس اور
مغفرت چاہیں اللہ تعالیٰ سے اور مغفرت چاہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم
ان کے لئے تو پاویں گے وہ اللہ تعالیٰ کو مغفرت کرنے والا اور رحم کرنیوالا
— اب اُن حضرات کے اعتقادوں کو دیکھئے کہ امام مالکؒ نے آواز بلند
کرنے کے باب میں ان آیات پر استدلال کیا یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا
تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اور إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ
مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ اور خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ اور یُنَادُونَكَ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں اور اگر
اجتہاد کیا گیا تو طریقہ اُس کا کیا ہے پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف کچھ جاہل
ہوں کیونکہ تاریخ خمیس وغیرہ کتب تواریخ میں مصرح ہے کہ وہ نہایت کامل العقل
اور فقیہ النفس عالم جید اور ادیب و متدین تھے مگر معلوم نہیں اُس استدلال
میں کس درجہ قوت تھی جس نے خلیفہ وقت کو عین مباحثہ میں ساکت کر دیا۔ اگر
اس زمانہ میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو صدہا شاخ شانے اس میں

نکالے جائیں گے۔ اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہو سکے گا کہ معترض کی رائے کو امام مالکؒ کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالکؒ وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری و مسلم وغیرہ اکابر محدثین رحمہم اللہ کو فخر ہے بلکہ یہ سمجھنا اس کا اس کی عبادت اور بے علمی پر محمول ہونا چاہئے بات یہ ہے کہ جیسے قوت ایمانیہ میں ضعف بڑھتا چلا جاتا ہے ویسا ہی قوت نظری و فکری میں بھی روز بروز کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کرکے کچھ دعوی کرے تو اس کا ابطال اُن احادیث شریفہ سے ہو جائے گا جن میں خیر القرون ہونا اس زمانہ کا اور کم ہو جانا علم کا آخری زمانہ میں وارد ہے۔ اور ابن تیمیہؒ نے رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں لکھا ہے بل الذین کانوا قبل جمع ھذہ الدواوین کانوا اعلم بالسنۃ من المتاخرین بکثیر لان کثیرا مما بلغھم وصح عندھم قد لا یبلغنا الا عن مجھول او باسناد منقطع او لا یبلغنا بالکلیۃ فکانت دواوینھم صدورھم التی تحوی اضعاف ما فی الدواوین وھذا امر لا یشک فیہ من علم القضیۃ یعنی کوئی عالم اس میں شک نہیں کر سکتا کہ قدما متاخرین سے بہت زیادہ علم رکھتے تھے بہت سی حدیثیں ہم تک پہنچی ہی نہیں اور اگر پہنچی تو ضعیف ہو کر اُن کے نزدیک وہی حدیثیں صحیح تھیں اگرچہ اس روایت سے کئی مباحث متعلق ہیں مگر بخوف تطویل صرف اسی پر اکتفا کیا گیا انشاء اللہ تعالی آئندہ بحسب موقع ذکر کی جائیں گی یہاں اسی قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ امام مالکؒ نے ان آیات سے وہ ادب استنباط کیا کہ قیامت تک اہل ایمان جسکی بدولت بہرہ اندوز اور متمتع رہیں گے جزاہ اللہ تعالی عنہا خیر الجزاء بخاری شریف

میں روایت ہے عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت فاذا عمر بن الخطاب فقال اذهب فائتنی بهذین فجئته بهما قال من انتما او من این انتما قالا من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری دیکھا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں کہا جاؤ اور ان دو شخصوں کو لے آؤ جب ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو پوچھا تم کون ہو یا کہاں والے ہو کہا طائف والے فرمایا اگر تم اس شہر والے ہوتے تو میں ضرور تم کو اذیت پہنچاتا اور مارتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تم آواز بلند کرتے ہو۔

اس خبر سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا تھا باوجودیکہ سائب بن یزید چنداں دور نہ تھے مگر اسی ادب سے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام ادب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر لحاظ صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل بلد کیلئے خاص فرمایا جن کو مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے اگر صرف مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی مسجدیں تھیں۔ اسی سے یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صادق آگیا جو خلیفہ منصور سے کہا تھا ان حرمتہ میتا کحرمتہ حیا اور بخاری شریف میں روایت ہے ام المومنین

حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی عادت تھی کہ جب کبھی ذکر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتیں بابی کہتیں فرماتی ہیں فلما ذکرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا قالت بابی یعنی کم اتفاق ہوتا تھا کہ ذکر شریف کے وقت یہ لفظ نہ کہتی ہوں معنی اس کے یہ ہیں کہ میرے باپ فدا ہوں حضرت پر سے صحابہ اکثر بابی انت وامی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے چنانچہ کتب صحاح میں موجود ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ آپکے اشفاق ومراحم کے روبرو مہر مادری وپدری کی کچھ حقیقت نہیں ان دونوں کو آپ پر سے فدا کرنا چاہئے سبحان اللہ کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ بعد وفات شریف کے بھی وہ ادب مرعی تھا کہ جب تک ماں باپ کو فدا نہیں کرتے نام مبارک کو ذکر نہیں کرتے تھے کیوں نہو یہ نام مبارک وہ تھا کہ کفار بھی جس کے ذکر میں بسا وقت متادب ہوجاتے تھے چنانچہ قسطلانی رحؒ نے مواہب میں اور زرقانی رحؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ایک جماعت قبیلہ کندہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ الفاظ تحیت کے ادا کئے جو اس زمانہ میں سلاطین کے حضور میں کہے جاتے تھے یعنی ابیت اللعن حضرت نے فرمایا میں بادشاہ نہیں ہوں محمد بن عبداللہ ہوں کہا ہم آپ کو نام لے کر نہ پکاریں گے فرمایا ابوالقاسم ہوں کہا اے ابوالقاسم فرمائیے کہ ہم نے اپنے دل میں کیا چھپایا ہے فرمایا یہ تو کاہنوں کا کام ہے اور اُن کا پیشہ دوزخی ہے کہا پھر کیونکر معلوم ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں اُٹھائیں اور فرمایا دیکھو یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ساتھ ہی کنکریاں دست مبارک میں تسبیح

نے لگیں پھر تو سب کے سب گھبرا اُٹھے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک
پ اللہ کے رسول ہیں اور سب مشرف باسلام ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ لوگ قبل امتحان مشرف باسلام نہیں تھے باوجود
س کے نام لینے میں ترک ادب سمجھا۔ کیا تعجب ہے کہ یہی ادب پسند آگیا
وس سے ابدالآباد کیلئے عزت و شرافت حاصل ہو گئی۔ ہر چند کہ نام پاک
ود ایک ایسا جامع لقب ہے جس میں تمام القاب پسندیدہ اور محامد برگزیدہ
شامل کردے گئے ہیں مگر باایں ہمہ ادب والوں کی زبانیں وہاں خود بخود
رک جاتی ہیں۔ اور جن کی زبانوں نے خیرہ سری کی اور بے باکانہ نام لینا
شروع کیا حق تعالیٰ کیجانب سے اُن کی تادیب ہو گئی چنانچہ امام سخاوی
نے بروایات متعدد ثابت کیا ہے۔ کہ بعض لوگ جو نام لے کر حضرت کو پکارتے
تھے اُن کو حق تعالیٰ نے منع فرمادیا جس سے عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا معلوم ہو کما قال فی القول البدیع قال الضحاک عن ابن عباس انھم
کانوا یقولون یا محمد یا ابا القاسم فنھاھم اللہ عزوجل اعظاما
لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال قولوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ و
کذا قال مجاھد و سعید بن جبیر و قال مقاتل ابن حبان لاتسموہ
اذا دعوتموہ یا محمد ولا تقولوا یا ابن عبد اللہ ولکن شرفوہ
فقولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ و قال قتادہ امر اللہ ان یھاب
نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وان یبجل وان یعظم وان یسود
قال مالک عن زید بن اسلم امرھم ان یشرفوہ وقیل فی معنی
الآیۃ غیر ھذا یہاں یہ بات معلوم کرنا چاہیئے کہ اہل اسلام پہلے ہی
سے جانتے تھے کہ نام لینا بے ادبی ہے اس لئے بکمال ادب یا رسول اللہ

وغیرہ القاب کے ساتھ خطاب کیا کرتے تھے البتہ کفار جو اس بے ادبی کے
مرتکب ہوتے تھے اُن کے لیے آیۃ شریفہ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ نازل
ہوئی ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں لکھا ہے حیث قال ان اللہ تعالیٰ قال
لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا - فامر سبحانہ
ان لا يدعى رسوله بما يدعو الناس به بعضهم بعضا بل يقال يا
رسول الله ولا يقال يا محمد وانما كان هذا في خطابه تسميته باسمه
وقت الخطاب للكفار واما المسلمون فكانوا يخاطبونه بيا رسول الله
نقله القسطلاني في مسالك الحنفا عن جلاء الافهام لابن قيمؒ یہاں
ایک اعتراض کو گنجائش مل سکتی ہے کہ ابی امامہ بن سہل سے روایت ہے کہ
ایک شخص کسی ضرورت سے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہر روز حاضر ہوا کرتا تھا
مگر آپ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے - ایک روز انھوں نے عثمان بن
حنیف سے یہ واقعہ بیان کیا انھوں نے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز
پڑھو - اور پھر یہ دعا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى
رَبِّیْ فَيَقْضِیْ لِیْ حَاجَتِیْ - اور پھر اپنا مقصود بیان کرو چنانچہ انھوں
نے ایسا ہی کیا پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کے حضور میں گئے وہ ہنوز وہاں پہونچے
نہ تھے کہ بواب سبقت کر کے اُن کے پاس آیا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کے عثمانؓ کی
خدمت میں حاضر کیا عثمانؓ نے اُن کو باعزاز تمام قالین پر بٹھا کر حال دریافت
کیا جب انھوں نے اپنی احتیاج بیان کی فرمایا میں نے اب تک سمجھا نہ تھا کہ تمہاری
یہ حاجت تھی اور فوراً وہ حاجت روا کر کے فرمایا کہ جب کبھی تمہیں کچھ احتیاج ہو کہدیا
کرو راوی کہتے ہیں کہ وہ عثمانؓ کے پاس سے سیدھے عثمان بن حنیف کے پاس آئے

در کہا کہ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے آپ کی سفارش سے پہلے عثمانؓ نے میری طرف دیکھتے تھے نہ میری حاجت کی طرف کہا مجھ سے ان سے تو بات ہی نہیں ہوئی یہ اثر اسی نماز و دعا کا ہے اس لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بھی اس قسم کا واقعہ درپیش ہوا تھا کہ ایک نابینا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ بصارت اپنی عود کرے حضرت نے اسی نماز و دعا کی تعلیم فرمائی چنانچہ وہ شخص فوراً بینا ہوگیا امام سخاویؒ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ روایت کیا اس حدیث کو نسائی اور ابن ماجہ اور ترمذی اور امام احمد بن حنبل اور ابن خزیمہ اور حاکم اور بیہقی نے اور کہا حاکم نے کہ یہ حدیث صحیح اور شرط شیخین پر ہے۔ انشاء اللہ کسی مقام پر یہ حدیث بعینہ بھی نقل کی جائیگی۔ مقصود یہاں اسی قدر ہے کہ اس دعا میں صراحتہً نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا لقب کے مذکور ہے حالانکہ ابھی ممانعت اس کی ثابت ہو گئی ہے۔ جواب اس اشکال کا امام سخاویؒ نے قول بدیع میں دیا ہے کہ وہ دعا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی تھی بعینہ انہیں الفاظ میں تصرف اور کمی و زیادتی نہیں چاہیئے اور جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال ہر مسلمان کے دل میں ہوا کرتے ہے۔ حیث قال تحیمل ان یکون لصحابی ومن نحا نحوہ فھم اختصاص بھذا الموطن بما رشد الیہ صلی اللہ علیہ وسلم ورای ان الفاظ الدعوات والاذکار لا یتصرف فیھا بالزیادۃ والنقص بل تقیصر فیھا علی النص او اکتفی بما وقر فی قلب کل مسلم من تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجلالہ واللہ الموفق امام سخاویؒ نے جو لکھا ہے کہ الفاظ دعا میں کمی و زیادتی نہیں چاہیئے اسی بنا پر بزرگان دین اور مشائخینؒ کے نزدیک جو اعمال و

اشغال یا عزائم وغیرہ سینہ بسینہ چلے آتے ہیں اس میں کمال درجہ کا احتیاط کیا جاتا ہے کہ کمی وزیادتی بالکل نہ ہونے پائے اور تجربوں سے بھی ثابت ہے کہ ان الفاظ معینہ میں فرق کر دیا جائے، یا بغیر اجازت کے وہ اعمال عمل میں لائے جائیں تو کچھ تاثیر بھی نہیں ہوتی الحاصل اس دعا میں نام مبارک ضرورۃ بلا لقب ذکر کیا گیا ورنہ صحابہ و تابعین جب کبھی نام مبارک کو ذکر تے لقب کے ساتھ ذکر کیا کرتے اسی وجہ سے متاخرین رحمہم اللہ نے مستحسن سمجھا ہے کہ نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب لیا جائے خواہ درود شریف میں یا سوائے اس کے لفظ سیّدنا کہنا چاہیئے خصوصًا حرمین شریفین کے علماءٔ و مشائخین کو تو اس میں نہایت ہی اہتمام ہے۔ اور چونکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان کا مرجع مدینہ منورہ ہی ہوگا کما فی المشکوۃ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا متفق علیہ۔ اس لئے طالبین حق کو چاہیے کہ جن امور کو وہاں کے علماء دینی حیثیت سے مستحسن سمجھتے ہیں اس میں ان کا اتباع کیا کریں یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفد بنی عامر میں تشریف لیگئے اور میں بھی ساتھ تھا میں نے عرض کیا (انت سیدنا) فرمایا السید اللہ تبارک و تعالیٰ بظاہر اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اس لفظ کو جائز نہیں رکھا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اس موقع میں تو اضعًا یہ فرمایا ہوگا ورنہ اطلاق اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں پر کئی حدیثوں میں وارد ہے چنانچہ حدیث قوموا الی سیدکم بخاری شریف سے بحث قیام میں ابھی نقل کی گئی۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کو بلفظ سیدنا ذکر کیا چنانچہ

کنز العمال میں یہ روایت ہے عن عمرؓ قال ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا یعنی بلالا ابن سعد س ح ک والخراطی مکارم الاخلاق یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوبکرؓ ہمارے سید ہیں اور ہمارے سید یعنی بلالؓ کو آزاد کیا۔ جب اطلاق اس لفظ کا صحابیوں پر جائز ہوا تو سید الانبیاء والمرسلین پر جائز و مستحسن ہونے میں کیا کلام خود حضرت فرماتے ہیں کما فی المستدرک للحاکم عن جابر بن عبد اللہ قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال من انا قلنا رسول اللہ قال نعم ولکن من انا قلنا انت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف قال انا سید ولد آدم ولا فخر قال الحاکم ھذا صحیح الاسناد ترجمہ:۔ روایت ہے جابر بن عبد اللہؓ سے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر چڑھے اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا میں کون ہوں ہم نے عرض کیا اللہ کے رسول ہیں پھر وہی سوال فرمایا ہم نے عرض کیا آپ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں فرمایا میں سید اولاد آدم ہوں اور کچھ فخر نہیں کہا حاکمؒ نے یہ حدیث صحیح ہے۔ انتہیٰ۔

اور مواہب اللدنیہ اور زرقانی میں ہے وقد روی الترمذی و قال حسن صحیح واحمد وابن ماجہ وصححہ الحاکم عن ابی سعد الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم یوم القیمۃ ولا فخر وفی حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا عند البخاری ومسلم والترمذی واحمد انا سید الناس یوم القیمۃ وفی روایۃ لبیھقی انا سید العالمین۔ انتہی ملخصاً

ان احادیث سے سیداولاد آدم بلکہ سید الناس بلکہ سید العالمین ہونا حضرت کا ثابت ہے غرض حضرت کی سیادت اور لفظ سیدنا کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا البتہ اس میں کلام ہوسکتا ہے کہ ہم میں صلاحیت ہے یا نہیں۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے ؎

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

مگر چونکہ یہ بارگاہ رحمۃ للعالمینی ہے اس لئے امید قوی ہے کہ اس قسم کی بے ادبی کا لحاظ نہ ہوگا۔ اب رہا یہ کہ صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جن درودوں کی تعلیم حضرت نے کی ہے اس میں لفظ سیدنا نہیں ہر چند تواضعاً یہ لفظ نہ فرمایا ہوگا مگر تاہم امتثال امر اولیٰ ہے اور اسی طرح شیخ السنوسیؒ نے لفظ سیدنا کی زیادتی میں اس وجہ سے تردد کیا ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس مسئلہ کی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ امتثال امر افضل ہے یا سلوک ادب۔ امام سخاویؒ نے قول بدیع میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ادب بلفظ سیدنا شرعاً مطلوب ہے چنانچہ بروایت صحیحین ثابت ہے کہ قوموا الیٰ سیدکم خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اطلاق اس لفظ کا عمداً درست ہے پھر اگر یہ لفظ درود شریف میں زیادہ کیا جاوے تو امتثال امر میں کوئی نقصان لازم نہ آئے گا۔ اور ایک ایسے امر واقعی کا بیان ہوگا جس میں ادب ملحوظ ہے اس لئے زیادتی اس لفظ کی افضل ہے۔ قال وقرات بخط بعض محققی من اخذت عنہ مانصہ ان الادب مع من ذکر مطلوب شرعاً بذکر السید ففی الصحیحین قوموا الیٰ سیدکم

ای سعد بن معاذ وسمیا دقہ بالعلم والدین وقول المصلین اللّٰھم
صل علی سیدنا محمد فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع
الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ فیما یظھر من الحدیث السابق
وان تردد فی افضلیتہ الشیخ الاسنوی ذکران فی حفظہ قدیما ان
الشیخ عز الدین بن عبد السلام بناہ علی ان الافضل سلوک الادب
او امتثال الامر واللہ المعین یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر لفظ
سیدنا زیادہ کیا جاوے تو امتثال امر میں کس قدر فرق لازم آئے گا جس کی وجہ
سے صاحب قاموس نے اس لفظ کو ترک کرنا مناسب سمجھا ہے یہ تو ظاہر ہے
کہ مقصود درود شریف کے پڑھنے سے یہ ہے کہ "بارگاہ ربوبیت میں ظاہر
کیا جائے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا گو اور خیر خواہوں میں ہم بھی
شریک ہیں ورنہ خود حق تعالیٰ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ صلوۃ
بھیجتا ہو تو ہماری دعاء صلوۃ کس شمار میں ہے" دوسرا یہ کہ اگر درود دعا ہی ہوتا
تو ہر شخص پر درود پڑھنا درست ہوتا حالانکہ کئی روایتوں سے کراہت
اور ممانعت اس کی ثابت ہے چنانچہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سوائے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے کسی پر درود پڑھنا نہیں چاہیے۔ اور ایسا ہی سفیان ثوریؒ
بھی اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور عمر بن عبد العزیزؒ نے کسی عامل کو لکھا کہ قصہ
گویوں نے بادشاہوں اور امیروں پر درود بھیجنا ایجاد کیا ہے ان کو حکم کردو کہ
صلوۃ خاص انبیا پر پڑھا کریں اور عام مسلمانوں کے حق میں دعا کریں چنانچہ امام
سخاوی نے قول بدیع میں لکھا ہے عن ابن عباسؓ قال ما اعلم الصلوٰۃ
ینبغی علی احد من احد الا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولکن یدعی
للمسلمین والمسلمات اخرجہ ابن ابی شیبۃ واسمٰعیل القاضی

فی احکام القران والصلوۃ النبویۃ لہ والطبرانی والبیھقی و سعد بن منصور و عبد الرزاق بلفظ لا ینبغی الصلوۃ من احد علی احد الا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورجالہ رجال الصحیح و قال سفیان الثوریؒ یکرہ ان یصلی علی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخرجہ البیھقی وفی روایۃ اخرجھا ہو و عبد الرزاق ایضاً یکرہ ان یصلے الا علی نبی وجاء عن عمر بن عبد العزیز فیما رویناہ فی فضل الصلوۃ لاسمعیل القاضی واحکام القران لہ من طریق ابن بکر بن ابی شیبہ باسناد حسن ان عمر کتب اما بعد فان ناسا من الناس قد التمسوا عمل الدنیا بعمل الاخرۃ وان ناسا من القصاص قد احدثوا فی الصلواۃ علی خلفائھم وامرائھم عدل صلوتھم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا جاءک کتابی فمرھم ان تکون صلوتھم علی النبیین خاصۃ ودعاؤھم للمسلمین عامۃ ویدعوا ماسوی ذلک ۔ انتھی۔

اور یہ بھی قول بدیع ہی میں لکھا ہے ۔ قال البیھقیؒ عقب حدیث ابن عباسؓ وقول الثوری بالمنع مانصہ وانما ارادوا اللہ اعلم اذا کان علی وجہ التکریم عند ذکرہ تحیۃ فانما ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ فاما اذا کان ذلک علی وجہ الدعاء والتبرک فانہ ذلک جائز لغیرہ انتھی

ھذا عبارتہ فی الشعب وقال نحوہ فی السنن الکبری یعنی بیہقی نے شعب الایمان اور سنن کبری میں لکھا ہے کہ ابن عباسؓ اور سفیان ثوریؒ سے غیر انبیا پر درود کی ممانعت جو مروی ہے مقصود اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

بطور تکریم و تحیت نہ چاہیئے کہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اگر بطور دعا و تبرک ہو تو کچھ مضایقہ نہیں۔ انتہی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلوۃ جو مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے وہ صرف دعا نہیں جس سے حضرت کی بھلائی مقصود ہو۔ بلکہ مقصود اس سے ہماری بھلائی ہے اور فائدہ اس کا ہماری طرف ہی عود کرتا ہے چنانچہ امام فاکہانی رحمہ نے فجر المنیر فی صلوۃ علی البشیر النذیر میں لکھا ہے

فان قلت اذا کان اللہ صلی اللہ علیہ فما فائدۃ طلب الحاصل وایجاد الموجود قلت صلوتنا علیہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادۃ لنا وزیادۃ حسنات فی اعمالنا وترقی البرکات المبثوثۃ فینا المنزلۃ علینا یعنی اگر کوئی کہے کہ جب حق تعالیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ بھیجتا ہے تو پھر دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ حضرت پر صلوۃ بھیجے اس سے کیا فائدہ یہ تو تحصیل حاصل اور ایجاد موجود ہے جواب اس کا یہ ہے کہ صلوۃ طلب کرنا ہمارے لئے عبادت ہے جس سے اعمال ناموں میں ہماری زیادتی حسنات کی ہووے اور ہم پر برکات نازل ہوں اسی طرح ابن حجر ہیثمی رحمہ نے در منضود میں لکھا ہے۔ فان جمیع فائدتھا للمصلی لدلالتھا علی وضوح العقیدۃ وخلوص النیۃ واظھار المحبۃ والمداومۃ علی الطاعۃ والاحترام للواسطۃ الکریمۃ فھی محبتہ وتوقیرہ من اعظم شعب الایمان لما فیھا من اداء شکرہ الواجب علینا بعظیم منۃ علینا بنجاتنا من الجحیم وفوزنا بالنعیم المقیم یعنی فائدے درود شریف کے درود پڑھنے والے کیلئے ہیں اس لئے کہ اس سے حسن اعتقاد اور خلوص نیت معلوم ہوتا ہے اور اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ ہم محبت اور اطاعت اور احترام میں

اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگرم ہیں جو مکرم واسطہ ہیں ہمارے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں اور اس سے محبت و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیجاتی ہے جو ایک بڑا شعبہ ایمان کا ہے کیونکہ اس سے حضرت کے احسانوں کی شکرگذاری ہوتی ہے جو ہم پر ثابت ہیں۔ انتہیٰ

الحاصل مقصود درود شریف سے اپنی بہبودی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیرخواہوں اور دعاگویوں میں شریک مغفرت ذنوب کا استحقاق حاصل کریں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اکثروا الصلوٰۃ علی فان صلوٰتکم علی مغفرۃ لذنوبکم الحدیث ابن عساکر نے حسن بن علی سے کی عن ابی ھریرۃ رواہ فی کنز العمال ترجمہ ابن عساکر نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی و حاکم نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر تم زیادہ درود پڑھو اس لئے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہارے گناہوں کی مغفرت ہے۔ انتہیٰ

جب مقصود یہ ٹھیرا تو جس قدر ثنا و صفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درود شریف میں کی جاوے تو بے موقع نہو گی علاوہ اس کی یہ حدیث شریف بھی ہوسکتی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انکم تعرضون علی باسماکم وسیماکم فاحسنوا الصلوٰۃ علی عبد الرزاق عن مجاھد مرسلا صحیح کذا فی کنز العمال ترجمہ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ پیش کئے جاتے ہو مجھ پر ناموں اور علامتوں کے ساتھ اس لئے اچھی طرح سے مجھ پر درود بھیجا کرو یہ روایت صحیح ہے انتہیٰ

الحاصل لفظ سیدنا کی زیادتی میں اس اعتبار سے تو کوئی تقصیر لازم نہیں بلکہ من وجہ مقصود کی تائید ہی ہو گی۔ ہاں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو الفاظ

زبان مبارک سے نکلے تھے اُن میں فرق پڑ گیا۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امتثال امر میں کوئی بے اعتنائی ہوئی ہو اس لئے کہ جتنے الفاظ کہنے کا ارشاد ہوا تھا اس زیادتی سے اُن میں کوتاہی نہ ہوئی۔ اگر کہا جاوے کہ خاص اُن الفاظ کی برکت اس میں نہ ہوگی تو ہم کہیں گے کہ اس برکت کے لئے وہ الفاظ بعینہا موجود ہیں اگر صرف اس لفظ زائد میں وہ برکت نہیں تو ادب و تعظیم و توقیر جو اس لفظ سے معلوم ہوتی ہے خالی از برکت نہ ہوگی اور اس وجہ سے کہ مقصود اس لفظ سے ادب ہے تو اس کے زیادہ کرنے میں کوئی محل تردد نہیں اس لئے کہ جہاں قطعاً امتثال امر میں کوتاہی لازم آتی تھی صدیق اکبرؓ اور علی رضی اللہ عنہما نے ادب ہی کو ترجیح دی جس کا حال ابھی معلوم ہوا تو پھر یہاں ادب کے اختیار کرنے میں کیا کلام۔ بادنیٰ تامل یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع اولین و آخرین بلکہ تمام عالم کا سردار بنا دیا ہے جس کی خبر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے تو ہم کو بھی چاہئے کہ اس سیادت کا اقرار ہر وقت حق تعالیٰ کے روبرو یعنی بحضور قلب کیا کریں جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان حشر میں حق تعالیٰ کے روبرو عرض کریں گے بلکہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا القا ہوگا۔ چنانچہ کنز العمال میں مسند امام احمد اور دارمی اور ابن راہویہ اور حارث اور ابو یعلی اور ابو عوانہ اور صحیح ابن حبان وغیرہ کتب حدیث سے ایک روایت طویل ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے جس میں اس کی تصریح ہے فیفتح اللہ علیہ من الدعاء شیئاً لم یفتحہ علی بشر قط فیقول ای رب خلقتنی سید ولد آدم ولا فخر الحدیث یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کی اجازت لینے کا قصد فرماویں گے اسوقت حق تعالیٰ ایک ایسی دعا کا الہام

حضرت کو فرمائے گا کہ کسی کو وہ الہام نہ ہوا ہو عرض کریں گے اے رب تو نے مجھے سردار بنی آدم کا پیدا کیا اور کچھ فخر نہیں وغیرہ وغیرہ اس سے اور ایک بات معلوم ہوئی کہ سیادت حضرت کی تخلیق ہی کے وقت ملحوظ تھی۔ جو لفظ خلقتنی سے ظاہر ہے۔ پھر اس سیادت کا کون انکار کر سکے الحاصل لفظ سیدنا سے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی تعظیم مقصود ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے کما قال تعالیٰ یتعزروہ وتوقروہ اس میں کسی مسلمان کو کلام کی گنجایش نہیں۔ بطفیل حضرتؐ کے اس شخص کی تعظیم کی ضرورت ہے جس کا نام محمّد ہو جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمیتم محمداً فلا تضربوہ ولا تحرموہ رواہ البزار ترجمہ روایت ہے ابی رافع سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کا نام محمدؐ رکھو تو اس کو مت مارو اور مت محروم کرو انتہیٰ۔

وعن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمیتم الولد محمداً فاکرموہ واوسعوالہ فی المجلس ولا تقبحوالہ وجھا خط ترجمہ:۔ روایت ہے علی رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی بزرگی کرو اور مجلس میں اس کے لئے جائے کشادہ کرو اور مت کرو اس کی مذمت اور توہین انتہی

وعن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمیتم محمداً فلا تقبحوہ ولا تحرموہ وتقبحوہ بورک فی محمد وفی بیت فیہ محمد وبمجلس فیہ محمد رواہ الدیلمی ترجمہ روایت ہے جابرؓ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم کسی کا نام محمدؐ رکھو تو اس کو بے نصیب

اور محروم مت کرو برکت نہ گئی ہے محمد میں اور اس گھر میں جس میں محمد ہو
اور جس مجلس میں محمد ہو انتہیٰ

وعن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسمون
محمداً ثم تسبونہ رواہ عبد بن حمید ترجمہ روایت ہے انس رضی
اللہ عنہ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ نام محمد رکھتے ہو
پھر اس شخص کو گالیاں دیتے ہو وعن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تسمون اولادکم محمداً ثم تلعنونہم البزار ع ک
ترجمہ۔ روایت ہے انسؓ سے کہ فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم
اپنی اولاد کا نام محمد رکھتے ہو پھر اُن پر لعنت کرتے ہو انتہیٰ

یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں الحاصل ان روایتوں سے ثابت
کہ علاوہ نام مبارک کی بزرگی کے جس شخص کا وہ نام رکھا جائے اس شخص
کی بزرگی اور اس سے ادب کرنا ضرور ہو جاتا ہے۔ اب بظاہر یہ بات سمجھ
میں نہیں آتی کہ اُس نام والے کی بزرگی کیوں کی جائے اگر نام کی توہین کا لحاظ
ہے تو صرف نام لے کر بدگوئی کرنا ممنوع ہوتا تاکہ ابہام آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم کا نہو جیسا کہ عمرؓ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ عن عبد الرحمن بن ابی
لیلی قال نظر عمر بن الخطاب الی ابی عبد الحمید وکان اسمہ محمداً
ورجل یقول لہ فعل اللہ بک وفعل وجعل یسبہ فقال عند ذلک
یا ابن زید ادن منی الاری محمداً یسب بک واللہ لاتدعی محمد
اما ومت حیا وسماہ عبد الرحمن ثم ارسل الی بنی طلحۃ وہم لومئذ
سبعۃ واکبرہم وسیدہم محمد بن طلحۃ فاراد ان
یغیر اسمہ فقال محمد بن طلحۃ یا امیر المومنین انشدک اللہ ان

سمانی محمدا الا محمد فقال عمر قوموا فلا سبیل الی شئی سماہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد حم وابو نعیم فی المعرفۃ ذکرہ فی
کنز العمال ترجمہ۔ روایت ہے عبد الرحمن بن ابی لیلی سے عمر رضی اللہ
عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص ابی عبد الرحمن کو جن کا نام محمد تھا سخت سست
کہہ رہا ہے ان کو اپنے نزدیک بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ محمد تمہاری
وجہ سے گالیاں دئے جاتے ہیں قسم خدائے تعالیٰ کی آج سے تم بنام محمد کبھی نہ
پکارے جاؤ گے اور ان کا نام عبد الرحمن رکھ دیا پھر فرزندان طلحہ کو بلوایا جن
میں بڑے فرزند کا نام محمد تھا اس غرض سے کہ اُن کا بھی نام بدل دیں محمد بن ابی
طلحہ نے کہا کہ خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام
محمد رکھا ہے فرمایا جب حضرت نے یہ نام رکھا ہے تو اس کے بدلنے کی کوئی سبیل
نہیں اور اُن کو اجازت دی۔ انتہیٰ۔

اگرچہ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کا گالیاں دئے جانا گوارا
نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس شخص نے نام لے کر گالیاں
نہیں دیں جس میں شائبہ توہین نام کا ہوتا اس نے تو خطاب کر کے فعل اللہ بک و
فعل کہا تھا نہ یہ کہ فعل اللہ بمحمد و فعل اگر باوجود ان کی حضوری کے نام لیکر یہ
کہتا تو عمر رضی اللہ عنہ بے سزا دئے اُس کو کبھی نہ چھوڑتے بہرحال عمر رضی اللہ عنہ
کو بھی ملال جو ہوا اس شخص ہی کی توہین سے ہوا اور مذکورہ احادیث سے ثابت
ہے کہ اس نام والے کی تعظیم و توقیر چاہیئے کیونکہ اس کو مجلس میں کشادہ جگہ
دینا اور محروم نہ کرنا ذات سے متعلق ہے نام سے اُن امور کو کچھ تعلق نہیں
اس قدر شرافت اس شخص کی ذات میں کہاں سے آگئی کیونکہ کوئی ایسی
چیز نہیں کہ ذات میں سرایت کر جائے وہ تو ایک لفظ ہے جو زبان پر جاری

ہوتا ہے مسمی سے اس کو کیا علاقہ پھر اسی نام کی شرافت عقلاً ثابت ہونا
دشوار ہے جب خود اسی نام کی شرافت ثابت نہ ہو سکے تو دوسرا شخص اسی
نام کی وجہ سے کیونکر مشرف و مکرم ہو سکے گا۔ مگر چونکہ اس باب میں صراحتاً حدیثیں
وارد ہو گئیں تو اہل ایمان سے پھر یہ کب ہو سکتا ہے کہ ارشاد کے مقابلہ میں
عقل کی سنیں ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اس کو مان لیا پھر اگر وہ مطابق عقل کے بھی ہے تو فبہا ورنہ عقل کو اس ارشاد
کے آگے قربان کر دیا۔ غرض کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس کا مکرم ہونا
شارع علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہے اب نام مبارک کی برکت کو دیکھئے۔

وفی الحلیۃ لابی نعیم عن وہب بن منبہ قال کان رجل عصی اللہ
مائۃ سنۃ آتی فی بنی اسرائیل ثم مات فاخذوہ فالقوہ فی مزبلۃ
فاوحی اللہ تعالیٰ الی موسی علیہ الصلوۃ والسلام ان اخرجہ فصل
علیہ قال یا رب ان بنی اسرائیل شہدوا انہ عصاک مائۃ
سنۃ فاوحی اللہ الیہ ہکذا الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر
الی اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ ووضعہ علی عینیہ فشکرت
لہ ذلک وغفرت لہ وزوجتہ سبعین حوراً انتہی ذکرہ فی سیر الحلبی۔

ترجمہ۔ وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت
گنہگار تھا جس نے سو برس تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جب اس کا انتقال ہوا
تو اس کو لوگوں نے کسی مزبلہ میں پھینک دیا جہاں نجاست ڈالی جاتی تھی۔ ساتھ
فا موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس شخص کو وہاں سے نکال لاؤ اور اس پر
نماز پڑھو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ
وہ شخص سو برس تک تیری نافرمانی کرتا رہا ارشاد ہوا یہ سچ ہے لیکن اس کی

عادت تھی کہ جب توریت کو کھولتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دیکھا تو بوسہ دیکر اُس کو آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا اس لئے میں نے اس کی شکر گذاری کی اور اس کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں انتہیٰ

اب یہاں کس کس چیز کا بیان کیا جائے اگر اُن بزرگوار کی بے باکی کو دیکھئے تو موسیٰ علیہ السلام کے سے نبی کے وقت میں عمر بھر نافرمانی کر کے ایمان سلامت لے جانا بغیر کسی تائید باطنی کے ایک امر خطرناک ہے اور اگر خوش اعتقادی کو سوچئے تو باوجود اس ظاہری بیگانگی اور معاصی کے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ اپنے عملوں کے ساتھ اس قسم کے ادب سے کیا ہوگا اور سابقہ ازلی کی طرف نظر بڑھائی جائے تو کیسا مقبول ذریعہ قایم کیا گیا کہ سو برس کے گناہ ایک طرف رکھے رہے اور اس سے وہ کام نکالا گیا کہ تمام عمر کی جانفشانی سے نکلنا دشوار ہو۔ اگر اس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والا عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اُسی کا کام تھا غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گذشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرادے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہوگی۔ اس پر بھی اگر ہم نام مبارک کو دیکھکر اور سن کر کبھی بوسہ نہیں تو اتنا ضرور چاہیئے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔ اگر فضل الٰہی شامل حال ہو اور ہم لوگ حضرت کا نام مبارک سن کر تقبیل کیا کریں تو انشاءاللہ تعالیٰ برکات دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں چونکہ یہ مسئلہ اس زمانہ میں مختلف فیہ ہو رہا ہے اس لئے کسی قدر اس میں بحث کی جاتی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ امید ہے کہ اہل انصاف کو اس سے حظ وافر نصیب ہوگا تفسیر روح البیان میں قہستانی کی شرح کبیر اور محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب موذن اشہد ان محمد رسول اللہ کہے تو سننے والے کو مستحب ہے

صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہے اور دوسرے بار میں انگوٹھوں کے ناخن
آنکھوں پر رکھے اور قرۃ عینی یا رسول اللہ کہکر یہ دعا پڑھے اللّٰھم متعنی
بالسمع والبصر۔ اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک موذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنے آنکھوں پر
رکھے اور مضمرات میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت میں آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے مشتاق ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ
وسلم کے جمال کو اُن کے دونوں ابہام کے ناخنوں میں جلوہ گر فرمایا
انہوں نے اس پر بوسہ دیکر اپنی آنکھوں پر ملا۔
پس یہ سنت اُن کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جبرئیل علیہ السلام نے یہ
قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا فرمایا حضرت نے جو شخص اذاں میں
میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دیکر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔
پوری عبارت تفسیر روح البیان کی یہ ہے قال القہستانی فی شرحہ الکبیر نقلاً
عن کنز العباد اعلم یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشہادۃ
الثانیہ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی
بک یا رسول اللہ ثم یقال اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر
الابہامین علی العینین فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قائداً لہ الی الجنۃ
(وقال بعضھم) پشت ابہامین برچشم مالیدہ ایں دعا بخواند۔
اللّٰھم متعنی الخ ودر صلوات نجمی فرمود کہ ناخن ہردو ابہام را برچشم نہد
بطریق وضع نہ بطریق مدد درمحیط آوردہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بمسجد درآمد
ونزدیک ستون بنشست وصدیق رضی اللہ عنہ در برابر ان حضرت نشستہ
بود وبلال رضی اللہ عنہ برخاست وباذان اشتغال فرمود چوں گفت اشھد ان

محمد رسول اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را ہر دو
چشم خود نہادہ گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ چوں بلال رضی اللہ عنہ
فارغ شد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ یا ابابکر ہر کہ بکند چنیں کہ
تو کردی خدا بیامرزد گناہاں جدید و قدیم او را اگر تعمد بودہ باشد دگر بخطا
وحضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ در قوت القلوب
روایت کردہ از ابن عیینہ رحمہ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بمسجد
در آمد در دہہ محرم وبعد ازاں کہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار
گرفت وابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد و گفت
قرۃ عینی بک یا رسول اللہ وچوں بلال رضی اللہ عنہ را از اذان فراغتی روے
نمود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ اے ابابکر ہر کہ بگوید
آنچہ تو گفتی از روے شوق بلقائے من و بکند آنچہ تو کردی خدائے در گذارد
گناہاں ویرا آنچہ باشد نو و کہن خطا و عمد نہاں و آشکارا و من در خواستگیم جرایم
ویرا و در مضمرات بریں وجہ نقل کردہ . وفی قصص الانبیاء وغیرھا ان
آدم علیہ السلام اشتاق الی لقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین
کان فی الجنۃ فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ ھو من صلبک ویظھر فی آخر
الزمان فسال لقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین کان فی الجنۃ
فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ فجعل اللہ النور المحمدی فی اصبعہ المسبحۃ
من یدہ الیمنی فسبح ذلک النور فلذلک سمیت تلک الاصبع مسبحۃ
کما فی الروض الفائق او اظھر اللہ تعالیٰ جمال حبیبہ فی صفاء ظفری
ابھامیہ مثل المرآۃ فقبل آدم ظفری ابھامیہ ومسح علی عینیہ
فصار اصلا لذریتہ فلما اخبر جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بهذهِ القصةِ قال عليه السلام من سمع اسمي في الاذانِ فقبّل
ظفري ابهاميه ومسح على عينيه لم يعم ابداً قال الامام السخاوي
في المقاصد الحسنةِ انّ هذا الحديث لم يصح في المرفوع والمرفوعُ من
الحديث هو ما اخبر الصحابي عن قولِ رسول الله عليه السلام وفي شرح
اليماني ويكره تقبيل الظفرين ووضعهما على العينين لانه لم يرد فيه حديث
والذي فيه ليس بصحيحٍ . انتهى .

يقول الفقير قد صح عن العلماءِ تجويز الاخذ بالحديثِ الضعيف
في العمليات فكون الحديث المذكور غير مرفوعٍ لا يستلزم ترك
العمل بمضمونه وقد اصاب القهستاني في القولِ باستحبابه وكفانا كلامُ
الامام المكي في كتابه فانه قد شهد الشيخ السهروردي في عوارف المعارف
بوفور علمه وكثرة حفظه وقوة حاله وقبل جميع ما اورده في كتابه قوتِ
القلوب ولله درّ ابي طالب في بيانِ الحق وترك الجدالِ انتهى

اور امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے حدیث مسح
العينين بباطن انملتي السبابتين بعد تقبيلهما عند سماعِ قول المؤذنِ
اشهد ان محمداً رسول الله مع قوله اشهد ان محمداً عبده ورسوله
رضيت بالله رباً وبالاسلام ديناً وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبياً ذكرهُ
الديلمي في الفردوس من حديث ابي بكر الصديق انه لما سمع قول المؤذنِ
اشهد ان محمداً رسول الله قال هذا وقبّل باطن الانملتين السابتين ومسح
عينيه فقال صلى الله عليه وسلم من فعل مثل ما فعل خليلي فقد حلّت
عليه شفاعتي ولا يصح وكذا ما اورده ابو العباسِ احمد بن ابي بكر الرداد
اليماني المتصوف في كتابه موجباتِ الرحمةِ وعزائمِ المغفرة بسند فيه

مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام انه من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهد ان محمدا رسول الله مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم ثم يقبل ابهاميه ويجعلهما على عينيه لم يرمد ابدا ثم روى بسند فيه من لم عرفه عن اخيه الفقيه محمد بن البابا فيما حكى عن نفسه انه هبت ريح فوقعت منه حصاة فى عينه وعياه خروجها والمته اشد الالم وانه لما سمع المؤذن يقول اشهد ان محمدا رسول الله قال ذلك فخرجت الحصاة من فوره قال الرداد وهذا يسير فى جنب فضائل الرسول صلى الله عليه وسلم وحكى الشمس محمد بن صالح المدنى امامها وخطيبها فى تاريخه عن المجد احد القدماء من المصريين انه سمعه يقول من صلى على النبى صلى الله عليه وسلم اذا سمع ذكره فى الاذان وجمع اصبعيه المسبحة والابهام وقبلهما ومسح بهما عينيه لم يرمد ابدا قال ابن صالح وسمعت ذلك ايضا من الفقيه محمد بن الزرندى عن بعض شيوخ العراق او العجم انه يقول عندما يمسح عينيه صلى الله عليك يا سيدى يا رسول الله يا حبيب قلبى ويا نور بصرى ويا قرة عينى وقال لى كل منهما منذ فعلته لم ترمد عينى قال ابن صالح وانا ولله الحمد والشكر منذ سمعته منهما استعملته فلم ترمد عينى وارجوان عافيتهما تدوم وانى اسلم من العمى ان شاء الله قال وروى عن الفقيه محمد بن سعيد الخولانى قال اخبرنى الفقيه العالم ابو الحسن على بن محمد بن حديد الحسينى اخبرنى الفقيه الزاهد البلالى عن الحسن عليه السلام انه قال من قال حين يسمع المؤذن

يقول اشهد ان محمداً رسول الله مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم ويقبل ابهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم ولم يرمد وقال الطاؤسي انه سمع من الشمس محمد بن ابي نصر البخاري خواجه حديث من قبل عند سماعه من الموذن كلمة الشهادة ظفري ابهاميه ومسهما على عينيه وقال عند المس اللهم احفظ حدقتي ونورهما ببركة حدقتي محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم ونورهما لم يعم ولا يصح في المرفوع من كل هذا شئ. انتهى.

ترجمہ۔ روایت کی دیلمی نے فردوس میں کہ جب ابوبکر صدیق رضی نے موذن سے اشہد ان محمداً رسول اللہ سنتے تو کہتے اشهد ان محمداً عبده ورسوله رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا اور بوسہ دیتے کلمہ کی انگلیوں کے باطن پر اور ملتے اُن کو اپنی آنکھوں پر اور کہا انھوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کرے جیساکہ کیا خلیل نے میرے تو ثابت ہوگی اس کے نئے شفاعت میری لیکن یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی اور ایسا ہی وہ روایت جس کو ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے کتاب موجبات الرحمۃ عزائم المغفرۃ میں خضر علیہ السلام سے ذکر کیا ہے کہ جو شخص موذن سے اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے پھر بوسہ دے انگوٹھوں پر اپنے اور رکھے اُن کو آنکھوں پر تو اس کی آنکھوں میں رماد کی بیماری کبھی نہو گی۔ اس حدیث کی روایت میں بعض مجاہیل ہیں اور انقطاع بھی ہے پھر روایت کی ابو العباس رح نے اپنے بھائی فقیہ محمد بن البابا سے کہ

ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک کنکری اُن کی آنکھ میں گری بہتیرا اس کو نکالا نہ نکلی اور شدت سے آنکھ میں درد ہونے لگا جب موذن سے اشہد ان محمداً رسول اللہ سنا حدیث مذکور پر عمل کیا فوراً آنکھ سے کنکری نکل پڑی رواو کہتے ہیں کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلتوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اور شمس محمد بن صالح مدنی اپنی تاریخ میں مجدؒ سے جو قدماے مصر میں سے ہیں حکایت کرتے ہیں کہ جو شخص نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اذان میں سن کر درود پڑھے اور انگشتان شہادت اور آنکھوں پر جمع کرکے اُن پر بوسہ دے پھر ملے دونوں آنکھوں پر تو مرض رمد میں کبھی مبتلا نہ ہوگا۔ ابن صالح مذکور کہتے ہیں کہ فقیہ محمد بن الرزندی سے بھی میں نے ایسا ہی سُنا ہے۔ لیکن وہ روایت کرتے تھے بعض شیوخ عراق سے کہ آنکھوں پر انگوٹھے ملنے کے وقت کہتے تھے یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرۃ عینی ابن صالح کہتے ہیں کہ وہ دونوں شیخ کہتے تھے کہ جب سے ہم نے یہ شروع کیا ہے کبھی ہمیں آشوب چشم نہ ہوا اور الحمد للہ جب سے میں نے سنا ہے میرا بھی عمل اس پر جاری ہے اور مجھے بھی کبھی آشوب چشم نہ ہوا۔

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی موضور ہے کہ تدین میں اس کے کچھ نہ کچھ علت ہوگی۔ سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں گستاخانہ انداز میں "انا خیر منہ" کہا اور ابد الآباد کے لئے مردود بارگاہ کبریائی ٹھہرا اسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا کما قال وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ الآیۃ اقسام کی تدابیر سوچیں مگر اس غرض کو پوری کرنے میں اس سے بہتر کونسی تدبیر ہوسکتی ہے جس کا تجربہ خود اسی کی

ذات پر ہو چکا ہے۔ یعنی دعویٰ انانیت اور ہمسری بزرگان دین جب دیکھا کہ گستاخی اور بے ادبی کو صرف دنیانے میں نہایت درجہ کا اثر اور کمال ہے۔ اس لیے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم شروع کردی چنانچہ ہر زمانہ کے کفار انبیا علیہم السلام کے مقابلہ میں یہی کہا کئے اب اس کلام کو دیکھئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو انا خیر منہ میں تھی۔ اور اگر کسی قدر فرق ہے تو وہ بھی بے موقع نہیں کیونکہ تابع و متبوع کی ہمتوں میں اتنا فرق ضرور ہے جس پر تفاوت درجات و درکات مرتب ہو۔ غرض کہ انبیا علیہم السلام نے ہزارہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جمنے نہ دی پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہوئے اُن سے کسی قدر اس کو مایوسی ہوئی کیونکہ اُن سے تو وہ بے باکی نہیں ہوسکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی یہاں اس فکر کی ضرورت ہوئی کہ وہ چیز دکھائی جائے جو دین میں بھی محمود ہو آخر یہ سوجھا کہ راست گوئی کے پردہ میں یہ مطلب حاصل ہوسکتا ہے۔ بس یہاں سے دروازہ بے ادبی کا کھولدیا اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کرکے احمقوں کے فہم میں ڈالدیتا ہے اور کچھ ایسا بیوقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی ذہن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام کا اندیشہ چنانچہ کسی بیوقوف نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ جو یہ مال بانٹتے ہیں اس میں عدل و انصاف کیجئے چنانچہ بخاری شریف میں ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انہ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقسم قسما اذا اتاہ ذو الخویصرۃ وھو رجل من بنی تمیم فقال یارسول اللہ اعدل فقال ویلک ومن یعدل اذا لم اعدل قد خبت وخسرت ان لم اکن اعدل فقال عمرؓ یارسول اللہ ائذن لی

فیہ فاضرب عنقہ فقال دعہ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلوتہ
مع صلوتہم وصیامہ مع صیامہم یقرؤون القرآن لایجاوز ترا
قیہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ ینظر الی نصافہ
فلایوجد فیہ شی ثم ینظر الی صافہ فلا یوجد فیہ شی ثم ینظر الی
نضیہ وہو قدحہ فلا یوجد فیہ شی ثم ینظر الی قذذہ فلا یوجد فیہ شی
قد سبق الفرث والدم آیتہم رجل اسود احدی عضدیہ مثل ثدی المرأۃ
او مثل البضعۃ تدردر ویخرجون حین فرقۃ من الناس قال ابوسعید
فاشہد انی سمعت ہذا الحدیث من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
اشہد ان علی ابن ابی طالب قاتلہم وانا معہ فامر بذلک الرجل
فالتمس فاتی بہ حتی نظرت الیہ علی نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی
نعتہ ترجمہ روایت ہے ابوسعید خدریؓ سے کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے اور حضرت کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ
ذوالخویصرہ آیا جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا۔ اور کہا یا رسول اللہ عدل کیجیے حضرت
نے فرمایا تیری خرابی ہو جب میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون کرے گا اور جب میں
نے عدل نہ کیا تو تو محروم اور بے نصیب ہو گیا۔ عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ حکم
دیجئے کہ اس کی گردن ماروں فرمایا جانے دو اس کے رفقا ایسے لوگ ہیں کہ
ان کی نماز اور روزوں کے مقابلہ میں تم لوگ اپنی نماز و روزوں کو حقیر سمجھوگے
وہ قرآن پڑھیں گے لاکن ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل
جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے کہ باوجودیکہ اس جانور کے پیٹ کی آلائش
و خون میں سے پار ہوتا ہے۔ مگر نہ اس کے پیکان میں کچھ لگا ہوتا ہے نہ اس کے
بندن میں جس سے پیکان باندھا جاتا ہے نہ لکڑی میں نہ پر میں نشانی ان کی

ہے کہ اُن میں ایک شخص سیہ فام ہوگا جس کی ایک بازو مثل عورت کی
پستان کے یا مثل گوشت پارہ کے حرکت کرتی ہوگی۔ وہ لوگ اس وقت
نکلیں گے۔ جب لوگوں میں تفرقہ ہوگا۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں
کہ اس حدیث کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور یہ بھی
گواہی دیتا ہوں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے ان لوگوں کو قتل کیا اور میں بھی علیؓ
کے ساتھ تھا انھوں نے بعد فتح کے حکم کیا کہ اس شخص کی تلاش کی جائے جس
کی خبر حضرت نے دی تھی چنانچہ جب اس کی لاش لائی گئی دیکھا میں نے کہ جتنی
نشانیاں اس کی حضرت نے کہی تھیں سب اس میں موجود تھیں انتہی
الحاصل شیطان نے اس احمق کے ذہن میں یہی جمایا کہ عدل بیشک عمدہ
شے ہے اگر صاف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کہدیا
جاوے تو کیا مضائقہ اس بیوقوف نے یہ نہ خیال کیا کہ بات تو چھوٹی ہے۔ مگر
بہ نسبت شان نبوی کتنی بڑی بے ادبی ہوگی اور انجام اس کا کیا ہوگا چنانچہ
اسی بے ادبی سے واجب القتل ہوگیا تھا۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو منظور تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے اپنے تمام مشربوں کے ساتھ مارا جائے
اس لئے باوجود عمرؓ کی درخواست کے اس وقت اغماض فرمایا چنانچہ اس حدیث
سے ظاہر ہے عن نبیط بن شریط قال لما فرغ من قتال اہل النہروان قال
قلبوا القتلی قلبناھم حتی خرج فی آخرھم رجل اسود علی کتفہ مثل
حلمۃ الثدی فقال علی اللہ اکبر واللہ ماکذبت ولاکذبت مع
النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد قسم فجاء ھذا فقال یا محمد اعدل
فواللہ ما عدلت منذ الیوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ثکلتک امک ومن یعدل علیک اذا لم اعدل فقال عمر بن الخطاب

یارسول اللہ الا اقتلہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا دعہ فان لہ من یقبلہ فقال صدق اللہ خط کذا فی کنز العمال ترجمہ روایت ہے نبیط ابن شریط سے کہ جب فارغ ہوئے علیؓ اھل نہروان کے قتل سے کہا کشتوں میں اس شخص کو تلاش کرو جب ہم نے خوب ڈھونڈا تو سب کے آخر میں ایک شخص سیہ فام نکلا جس کے شانہ پہ ایک گوشت پارہ مثل سر پستاں کے تھا یہ دیکھتے ہی علیؓ نے کہا اللہ اکبر قسم ہے خدا کی نہ مجھے جھوٹی خبر دیگئی نہ میں اس کا مرتکب ہوا ایک بار ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے اور حضرت غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم عدل کیجئے کہ آج آپنے عدل نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے جب میں عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اس کو قتل نہ کروں فرمایا نہیں چھوڑ دو اس کو قتل کرنیوالے کوئی اور شخص ہیں علیؓ نے یہ کہکر کہا صدق اللہ انتہٰی۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے وہی شخص قتل کیا گیا اس لئے کہ اس کی لاش سب لاشوں کے نیچے تھی۔ اب دیکھئے کہ اس ایک گستاخی نے اس شخص کو کہاں پہنچا دیا اور وہ کثرت عبادت اور ریاضت اس کی کس کام پر آئی جس کی تصریح اس حدیث میں ہے عَنْ اَبِی بَرْزَۃَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِدَنَانِیْرَ فَجَعَلَ یُقَسِّمُھَا وَعِنْدَہٗ رَجُلٌ اَسْوَدُ مَطْمُوْمُ الشَّعْرِ عَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَبْیَضَانِ بَیْنَ عَیْنَیْہِ اَثَرُ السُّجُوْدِ وَکَانَ یَتَعَرَّضُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یُعْطِہٖ فَاَتَاہُ فَتَعَرَّضَ مِنْ قِبَلِ وَجْھِہٖ فَلَمْ یُعْطِہٖ وَاَتَاہُ مِنْ قِبَلِ یَمِیْنِہٖ فَلَمْ یُعْطِہٖ شَیْئًا ثُمَّ

اتاہ من قبل شمالہ فلم یعطہ شیئاً ثم اتاہ من خلفہ فلم یعطہ شیئاً فقال یا محمد ما عدلت منذ الیوم فی القسمۃ فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضباً شدیداً ثم قال واللہ لا تجدون احداً اعدل علیکم منی ثلاث مرات ثم قال یخرج علیکم رجال من قبل المشرق کان ھذا منھم ھکذا یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لا یعودون الیہ ووضع یدہ علی صدرہ سیماھم التحلیق لا یزالون یخرجون آخرھم مع المسیح الدجال فاذا رایتموھم فاقتلوھم ثلثا ھم شر الخلق والخلیقۃ یقولھا ثلثا حم ن وابن جریر طب ک کذا فی کنز العمال۔ ترجمہ۔ روایت ہے ابی برزہؓ سے کہ کہیں سے دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے تھے اس کو تقسیم فرمانا شروع کیا اور حضرت کے پاس ایک شخص سیہ فام تھا سر کے بال کترا یا ہوا اور سفید کپڑے پہنا ہوا جس کے دونوں آنکھوں کے بیچ میں اثر سجدہ کا نمایاں تھا چاہتا تھا کہ حضرت کچھ عنایت فرما دیں مگر کچھ نہ دیا۔ روبرو آ کر سوال کیا کچھ عنایت نہ فرمایا داہنے طرف سے آ کر سوال کیا جب بھی کچھ نہ ملا بائیں طرف سے آ کر مانگا کچھ نہ ملا پیچھے سے آ کر سوال کیا جب بھی کچھ نہ پایا کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج آپ نے تقسیم میں عدل نہ کیا حضرت اس بات پر بہت خفا ہوئے اور شدت غضب سے تین بار فرمایا خدا کی قسم مجھ سے زیادہ عدل کرنے والا تم کسی کو نہ پاؤ گے پھر فرمایا یہ اُن لوگوں سے ہے جو تم پر مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ اُن کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا

کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر نہ لوٹیں گے دین کی طرف اور دست مبارک سینہ پر رکھ کر فرمایا نشانی اُن کی یہ ہے کہ سر کے بال منڈوایا کریں گے ہمیشہ وہ لوگ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ آخر دجال کے ساتھ ہوں گے پھر تین بار فرمایا کہ جب تم ان کو دیکھو تو قتل کر ڈالو وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں یہ جملہ تین بار فرمایا روایت کیا اس کو امام احمد اور نسائی اور ابن جریر اور طبرانی اور حاکم نے انتہی۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے پیشانی میں اس کے گھٹا پڑ گیا تھا غرض کہ ان احادیث میں تامل کرنیکے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال جو واجب القتل اور بدترین مخلوقات ٹھیرے وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور گستاخ طبعی کے اور کوئی نہ نکلے گی۔ اب اس قوم کا حال سنئے جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ادبکے اصحاب ہے فرمایا ہے ابن اثیرؒ نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ ابتدا اس گروہ یعنی خوارج کی یہ ہوئی کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہؓ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں طرفین سے ہزارہا صحابہؓ اور تابعین شہید ہوئے آخر یہ ٹھیرا کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد قرار پائیں جو موافق کتاب و سنت کے کوئی ایسی تدبیر نکالیں کہ لڑائی موقوف ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں چنانچہ علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابوموسی عبداللہ بن قیسؓ اور معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن عاصؓ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہدنامہ لکھا گیا۔ پھر اشعث بن قیس نے اس کاغذ کو لیکر ہر قبیلہ میں سنانا اور اس کا اشتہار دینا شروع کیا جب قبیلہ بنی تمیم میں پہنچے عروہ بن ادیہ تمیمی نے سنکر کہا کہ اللہ کے امر میں آدمیوں کو حکم بناتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ

کوئی حکم نہیں کر سکتا یہ کہکر اشعث بن قیس کے سواری کے جانور کو
مار ماری اور اس پر سخت جھگڑا ہوا جب علیؑ کو یہ خبر پہنچی فرمایا بات تو
ہی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے اگر وہ لوگ سکوت کریں تو ہم اُن پر
بیعت ڈالیں گے اور اگر گفتگو کریں تو ان پر دلیل قایم کریں گے اور اگر
مقابل ہوں تو ہم اُن سے لڑیں گے یہ سنتے ہی یزید بن عاصم محاربی اٹھ کھڑا
ہوا اور خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے حمد اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے جس سے ہم
مستغنی نہیں ہو سکتے یا اللہ پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے کہ اپنے دین میں دنائت
اور کم ہمتی کو عمل میں لاویں کیونکہ اس میں مداہنت ہے اللہ کے امر میں اور
ذلت ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصہ کی طرف لیجاتی ہے۔ اے علیؓ کیا ڈراتے ہو
تم ہم کو قتل سے آگاہ رہو قسم ہے اللہ کی میں امید رکھتا ہوں کہ ماریں گے
ہم تم کو تلواروں کی دھار سے تب تم جانوگے کہ ہم میں سے کون مستحق عذاب
ہے پھر اس کے بھائی نکلے اور خوارج کے ساتھ مل گئے اسی طرح روز بروز
جمعیت ان کی بڑھتی چلی ایک روز سب عبداللہ بن وہب راسبی کے گھر میں
جمع ہوے اور اس نے خطبہ پڑھا جس میں دنیا کی بے ثباتی اور خواہش دنیا
کی خرابیاں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت بیان کی۔ پھر
کہا کہ اس شہر کے لوگ ظالم ہیں ہمیں ضرور ہے کہ پہاڑوں یا دوسرے شہروں
کی طرف نکل جائیں تا کہ ان گمراہ کرنے والی بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت
ہو جاوے اس کے بعد حرقوص ابن زہیر کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا کہ لوگو متاع
اس دنیا کی بہت تھوڑی ہے اور جدائی اس سے قریب ہے کہیں زینت اور تازگی
اس کی تمہیں اسی میں مقام کرنے پر آمادہ نہ کرے اور طلب حق اور انکار
ظلم سے نہ پھیرے اور یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ

لُھُم مُحسِنُون ۔یعنی اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے اس خطبہ کے بعد حمزہ ابن سنان اسدی نے کہا اے قوم رای وہی ہے جو تم نے سوچی ہے مگر اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک شخص مقرر ہو جو متولی تمامی امور کا ہو سکے سب نے زید بن حصین طائی پر اتفاق کیا مگر اس نے امارت کو قبول نہ کیا۔ پھر حرقوص ابن زبیر پر سب کی رائے قرار پائی اُس نے بھی انکار کیا اسی طرح حمزہ بن سنان اور شریح ابن اوفی عبسی نے بھی انکار کیا۔ پھر سب نے عبداللہ بن وہب کی طرف رجوع کیا جب اس نے دیکھا کہ کوئی قبول ہی نہیں کرتا بمجبوری قبول کیا اور کہا خدا کی قسم مجھے اس امارت کے قبول کرنے میں مطلقاً خواہش دنیوی نہیں اور نہ موت سے خوف ہے کہ اس سے باز رہوں غرض کہ میں نے صرف اللہ کیواسطے قبول کیا ہے اگر اس میں مر جاؤں تو کچھ پروا نہیں پھر سب شریح ابن اوفی عبسی کے گھر جمع ہوئے۔ اس مجلس میں ابن وہب نے کہا اب کوئی شہر ایسا دیکھنا چاہیئے کہ ہم سب اسی میں جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کریں۔ کیونکہ اہل حق اب تمہیں لوگ ہو سب نے بالاتفاق نہروان کو پسند کیا اور روانہ ہو گئے پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو نامہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ طرف سے عبداللہ علی امیرالمؤمنین کے زید بن حصین اور عبداللہ بن وہب اور اُن کے اتباع کو معلوم ہو کہ وہ دو حکم جن کے فیصلہ پر ہم راضی ہوئے تھے انھوں نے کتاب اللہ کے خلاف کیا اور بغیر اللہ کی ہدایت کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی جب انھوں نے قرآن وسنت پر عمل نہیں کیا اللہ اور اللہ کے رسول اور سب اہل ایمان ان سے بری ہو گئے۔ تم لوگ اس خط کو دیکھتے ہی ہماری طرف چلے آؤ تاکہ ہم اپنے اور تمہارے دشمن کی طرف نکلیں اور اب ہم اپنی اسی پہلی بات پر ہیں۔ انتہیٰ

اس نامہ کے جواب میں انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اب تمہارا غضب خدا کے واسطے نہیں ہے اس میں نفسانیت شریک ہے۔ اب بھی اگر اپنے کفر پر گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا ورنہ ہم نے تم کو دور کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ انتہیٰ۔

اب دیکھئے کہ وہ لوگ کیسے بڑے موحد تھے کہ جن کے نزدیک آدمی کو حکم بنانا شرک تھا اور بدعت سے انہیں کس قدر تنفر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہر کو اس خیال سے کہ بدعتیوں کا شہر ہے چھوڑ دیا اور دنیا کی بے ثباتی اور زہد و تقویٰ کی ترغیب و تحریص اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام اور امارت کے قبول کرنے میں ہر ایک کا عذر و حیلہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور ایسے ہیں کہ جو شخص سنے کمال دینداری پر اس گروہ کے گواہی دینے کو مستعد ہو جائے اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو انکی حقانیت کا دھوکا ہوتا تھا جیسا کہ جندب رض کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ لَمَّا فَارَقَتِ الْخَوَارِجُ عَلِيًّا خَرَجَ فِي طَلَبِهِمْ وَ خَرَجْنَا مَعَهُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى عَسْكَرِ الْقَوْمِ فَإِذَا لَهُمْ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَإِذَا فِيهِمْ أَصْحَابُ النَّقِبَاتِ وَ أَصْحَابُ الْبَرَانِسِ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ دَخَلَنِي مِنْ ذٰلِكَ شِدَّةٌ فَتَنَحَّيْتُ فَرَكَزْتُ رُمْحِي وَ نَزَلْتُ عَنْ فَرَسِي وَ وَضَعْتُ بُرْنُسِي فَنَشَرْتُ عَلَيْهِ دِرْعِي وَ أَخَذْتُ بِمِقْوَدِ فَرَسِي فَقُمْتُ أُصَلِّي إِلَى رُمْحِي وَ أَنَا أَقُولُ فِي صَلَاتِي اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ قِتَالُ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَكَ طَاعَةً فَأْذَنْ لِي فِيهِ وَإِنْ كَانَ مَعْصِيَةً فَأَرِنِي بَرَاءَتَكَ فَأَنَا كَذٰلِكَ إِذْ أَقْبَلَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ بِبَغْلَةِ رَسُولِ اللّٰهِ

صلی اللہ علیہ وسلم فلما جا الی قال نعوذ باللہ یا جندب من
شر السخط فجث اسعی الیہ ونزل فقام یصلی اذ اقبل رجل فقال
یا امیر المومنین الک حاجۃ فی القوم قال وما ذالک قال قطعوا النھر
فذھبوا قال ما قطعوہ قال سبحان اللہ ثم جاء آخر فقال قطعوا
النھر فذھبوا قال ما قطعوہ قال سبحان اللہ ثم جاء آخر فقال قد
قطعوا النھر فذھبوا قال علی ما قطعوہ ثم جاء آخر فقال قطعوا النھر
فذھبو فقال علی ما قطعوہ ولا یقطعوہ ولیقتلن دونہ عھد من اللہ
ورسولہ ثم رکب فقال لی یا جندب اما انا فابعث الیھم رجلا یقرا
المصحف یدعوا الی کتاب ربھم سنۃ نبیھم فلا یقبل علینا بوجہہ
حتی یرشقوہ بالنبل یا جندب اما انہ الا یقتل منا عشرۃ ولا ینجو
منھم عشرۃ ثم قال من یاخذ ھذا المصحف فیمشی بہ الی ھولاء القوم
فیدعوھم الی کتاب اللہ وسنۃ نبیھم وھو مقتول ولہ الجنۃ فقام
یجیبہ الاشاب من بنی عامر بن صعصعۃ فقال لہ علی خذ ھذا المصحف
اما انک مقتول ولست مقبلا علینا بوجھک حتی یرشقوک بالنبل
فخرج الشاب بالمصحف الی القوم فلما دنا منھم حیث یسمعوا قاموا
ونشبوا الفتی قبل ان یرجع فرماہ انسان فاقبل علینا بوجہہ فقعد
فقال علی دونکم القوم قال جندب فقتلت بلفی ھذہ ثمانیہ قبل
ان اصلی الظھر وما قتل منا عشرۃ ولا نجا منھم عشرۃ کما قال
طس کذا فی کنز العمال ترجمہ روایت ہے جندبؓ سے کہ جب خوارج
علیحدہ ہوگئے علی رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے اور ہم بھی ساتھ تھے جب
ہم اُن کے لشکر کے قریب پہنچے تو ایک شور قرآن شریف پڑھنے کا سنا گیا اور حالت

ان کی یہ کہ تہمد بند سب ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے یعنی کمال درجہ کے زاہد
و عابد نظر آتے تھے ان کا یہ حال دیکھنے سے تو ان کا قتال مجھ پر نہایت شاق
ہوا اور ایک طرف نیزہ گاڑ کر ٹوپی اور زرہ اس پر لگا دیا اور گھوڑے سے اتر
کر نیزہ کی طرف نماز پڑھنا شروع کیا۔ اور اس میں یہ دعا تھی کہ الٰہی اگر اس قوم
کا قتل کرنا تیری طاعت ہے تو مجھے اجازت مل جائے اور اگر معصیت ہے تو
مجھے اس رائے پر اطلاع ہو۔ ہنوز اس سے فارغ ہوا نہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے
پاس آئے اور کہا اے جندب شر نارضامندی سے پناہ مانگو میں یہ سنتے ہی
ان کی طرف دوڑا اور وہ اتر کر نماز پڑھنے لگے اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا
یا امیر المومنین کیا آپ کو ان لوگوں سے کچھ حاجت ہے۔ فرمایا کیا بات کہا وہ
سب نہر سے پار ہو گئے یعنی اب ان کا تعقب مشکل ہے فرمایا پار نہیں ہوئے
اس نے کہا سبحان اللہ پھر دوسرا شخص آیا اور کہا کہ وہ لوگ نہر کے پار اتر گئے
فرمایا نہیں کہا سبحان اللہ پھر تیسرا شخص آیا ویسا ہی کہا اور وہی جواب پایا پھر
چوتھا شخص آیا اور وہی کہا فرمایا نہ وہ پار اترے اور نہ اتریں گے اسی طرف
سب قتل کیے جائیں گے۔ خدا و رسول کی طرف سے یہ بات ٹھیری پھر
سوار ہوئے اور فرمایا اے جندب میں ایک شخص ان کی طرف بھیجتا ہوں جو قرآن
پڑھ کے ان کو ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی کی سنت کی طرف بلائے
دیکھ لینا کہ وہ شخص ہماری طرف متوجہ ہونے نہ پائے گا کہ اس کو تیروں سے
ماریں گے۔ اب جندب ہم میں سے دس شخص نہ مارے جائیں گے اور ان میں سے
دس آدمی نہ بچیں گے۔ پھر فرمایا کوئی ہے کہ یہ مصحف اس قوم کی طرف لیجائے اور
مارا جائے پھر اس کے لیے جنت ہو۔ کسی نے جواب نہ دیا سوائے ایک جوان کے جو
بنی عامر سے تھا فرمایا کہ یہ مصحف لے جاؤ اور تم لوٹ کے نہ آؤ گے۔ وہ جوان قرآن

ے کر اُن کی طرف روانہ ہوا جب ایسے موقع پر پہنچا کہ اُس کی آواز اُن تک پہنچنے لگی وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور تیر مارنا شروع کیا قبل اس کے کہ وہ بوٹے ایک شخص کا تیر اُس کے لگا وہ جوان تیر کے لگتے ہی ہمارے لشکر کی طرف منہ کیا اور بیٹھ گیا اس وقت علی کرم اللہ وجہ نے حکم دیا کہ اب اس قوم کو لو جناب کہتے ہیں کہ میں نے قبل نماز ظہر اس ہاتھ سے آٹھ آدمیوں کو قتل کیا اور جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا کہ ہمارے دس آدمی شہید ہوئے اور اُن کے دس آدمی نہ بچے روایت کیا اس کو طبرانی نے ۔ انتہیٰ

دیکھیے جناب رضی اللہ عنہ پر اُن کے زہد و عبادت کا کس قدر اثر پڑا کہ اُن کے ساتھ جنگ کرنے میں اُن کو تردد ہو گیا تھا۔ اگر وہ تمام پیشین گوئیاں علی کرم اللہ وجہ کی وقوع میں نہ آتیں معلوم نہیں کہ ملال اس کا کیونکر رفع ہوتا۔ باوجود اس کے قتل کے بعد پھر اُن کے حالات کا سب کو خیال آیا اور یہ فکر ہوئی کہ کہیں بہترین مردم ہمارے ہاتھ سے قتل نہ ہوئے ہوں اور اس فکر نے یہاں تک اثر ڈالا کہ سب کے سب رونے لگے کما فی کنز العمال

عن طارق بن زیاد قال خرجنا مع علی الی الخوارج فقتلهم قال اُطلبوا فان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انہ یخرج قوم یتکلمون بکلمۃ الحق لا یجاوز حلوقهم یخرجون من الحق کما یخرج السہم من الرمیۃ سیماهم ان فیهم رجلا اسود مخدج فی یدہ شعرات اسود فانظروا ان کان هو فقد قتلتم شر الناس وان لم یکن فقد قتلتم خیر الناس فبکینا فقال اطلبوا فطلبنا فوجدنا المخدج فخررنا سجودا وخر علی معنا الدورقی وابن جریر ترجمہ روایت ہے طارق بن زیاد سے کہ نکلے ہم علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ خوارج کی طرف اور ان کو قتل

یا پھر علیؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قریب ہے کہ ایک قوم نکلے گی
کی بات حق ہو گی لیکن اُن کے حلق کے نیچے سے وہ بات نہ اترے گی نکل جائیں گے وہ لوگ
ن سے جیساکہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ علامت انکی یہ ہے کہ اُن میں ایک شخص سیہ فام ہوگا
س کا ہاتھ ناقص اور اس پر سیاہ بال ہوں گے اُس کو ڈھونڈو اگر وہ شخص اُن میں ہے تو سمجھ جاؤ کہ
تم نے سب آدمیوں سے بدتر لوگوں کو مارا اور اگر وہ نہ ملا تو سمجھو کہ سب سے اچھے لوگوں کو تم نے قتل
کیا یہ سن کر سخت پریشانی ہوئی اور سب رونے لگے فرمایا ڈھونڈو تو بھی جب خوب تلاش کی گئی
تو اس شخص کی لاش مل گئی تمام اہل لشکر مارے خوشی کے سجدہ شکر میں گرے اور علیؓ نے
بھی ہمارے ساتھ سجدہ شکر بجا لایا۔ انتہی

اب خیال کرنا چاہیے کہ اس قوم کا تقویٰ اور تورع اور عبادت و زہد
کس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ بعد قتل کے اُن حضرات کو اس قدر خوف ہوا اور
یہی حضرات لشکر معاویہؓ کو برابر قتل کرتے رہے جن میں ہزارہا صحابہ و
تابعین شریک تھے پھر کسی روایت میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ اُن کے قتل میں
ایسے متردد ہوئے ہوں اس قوم کی عبادت کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ
کے سے شخص کہتے ہیں کہ ایسے زاہد و عابد میں نے کبھی نہیں دیکھے جیساکہ اس
حدیث میں مصرح ہے جس کو امام نسائیؒ نے خصایص علی کرم اللہ وجہہ میں اور
حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ عن ابی زمیل سماک الحنفی قال
حدثنا عبد اللہ بن عباس قال لما خَرجَتِ الحرورِیّۃ اجتمعوا فی دارھم
ستّۃ آلاف آتیتُ علیا علیہ السلام فقلتُ یا امیر المومنین ابرِدوا
الظھر لعلّی آتِی ھولاء القومَ فاکلمھم قال انی اخاف علیک قلتُ
کلا قال فخرجتُ الیھم و لبستُ احسَنَ مایکونُ مِن حُلل الیمن قال
ابوزمیل کان ابن عباس جمیلا جھیرا قال ابن عباسٍ فاتیتھم وھم

مجتمعون في دارهم قائلون فسلمت عليهم فقالوا مرحبا بك يا ابن عباس فما هذه الحلة قال قلت ما تعيبون علي لقد رأيت على رسول الله صلى الله عليه وسلم واحسن ما يكون من الحلل ونزل قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق قالوا فما حالك قلت اتيتكم من عند صحابة النبي صلى الله عليه وسلم من المهاجرين والانصار لابلغكم ما يقولون وتخبرون بما تقولون فعليهم نزل القرآن وهم اعلم بما يوحى منكم وفيهم انزل وليس فيكم منهم احد فقال بعضهم لا تخاصموا قريشا فان الله تعالى يقول هم قوم خصمون قال ابن عباس واتيت قوما لم ار قوما قط اشد اجتهادا منهم منهمة وجوههم من السهر كان ايديهم وركبهم تثنى عليهم قمص مرحضة فقال بعضهم لنكلمنه ولننظرن ما يقول قلت اخبروني ماذا نقمتم على ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وصهره والمهاجرين والانصار قالوا ثلثا قلت ما هن قالوا اما احداهن فانه حكم الرجال في امر الله تعالى وقال الله تعالى ان الحكم الا لله وما للرجل وما للحكم وما للرجل فقلت هذه واحدة واما الاخرة قاتل ولم يسب ولم نغنيم فلئن كان الذي قاتل كفارا لقد حل سبيهم وغنيمتهم ولئن كانوا مومنين ما حل قتالهم قلت هذه ثنتان ثم الثالثة قالوا انه محى اسمه من اميرالمومنين فهو اميرالكافرين قلت اعندكم سوى هذا قالوا حسبنا هذا فقلت بهم الايتم ان قرات عليكم من كتاب الله ومن سنة نبيه صلى الله عليه وسلم ما يرد به قولكم اترضون قالوا نعم فقلت لهم اما قولكم

حكم الرجال فی امر الله تعالیٰ فانا اقرأ علیکم ما قد رد حکمہ الی
الرجال فی ثمن ربع درهم فی ارنب ونحوها من الصید فقال۔ یا
ایها الذین آمنوا لاتقتلوا الصید وانتم حرم الی قوله تعالیٰ یحکم
به ذوا عدل منکم فنشدتکم بالله احکم الرجال فی ارنب ونحوها
من الصید افضل ام حکمهم فی دمائهم وصلاح ذات بینهم و
ان تعلموا ان الله تعالیٰ لو شاء لحکم ولم یصیر ذلک الی الرجال و
فی المراۃ وزوجها قال الله عزوجل وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا
حکما من اهله وحکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما
فجعل الله تعالیٰ حکم الرجال سنة ماضیة - اخرجت من هذه
قالوا نعم قلت واما قولکم قاتل ولم یسب ولم یغنم اتسبون امکم
عائشه رضی الله عنها ثم تستحلون منها ما یستحل من غیرها فلئن
فعلتم فقد کفرتم وهی امکم وان قلتم لیست بامنا لقد کفرتم
ان الله تعالیٰ یقول النبی اولی بالمومنین من انفسهم وازواجه
امهاتهم فانتم تدورون بین ضلالتین ایهما صرتم الیها صرتم
ضلالة فنظر بعضهم الی بعض قلت اخرجت من هذه قالوا نعم
قلت اما قولکم محی اسمه من امیر المومنین فانا انبئکم بمن ترضون
ذاراکم قد سمعتم ان النبی صلی الله علیه وسلم یوم الحدیبیة
کاتب سهل بن عمرو وابا سفیان بن حرب فقال رسول الله صلی الله
علیه وسلم لامیر المومنین اکتب یا علی هذا ما اصطلح علیه محمد
رسول الله فقال المشرکون لا والله ما نعلم انک رسول الله ولو نعلم
انک رسول الله ما قاتلناک فقال رسول الله صلی الله علیه و

سلم اللّٰھم انک تعلم انی رسول اللہ اکتب یا علی ھٰذا ما اصطلح علیہ محمد بن عبد اللہ فواللہ لرسول اللہ خیر من علیٍ وما اخرجہ من النبوۃ حین محی نفسہ قال عبد اللہ بن عباس فرجع من القوم الفان وقتل سائرھم علیٰ ضلالۃ انتھی قال الحاکم ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ترجمہ :۔ روایت ہے ابو زمیل سماک حنفی سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب نکلے حروریہ اور جمع ہوئے چھ ہزار شخص اپنے مقام میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا کہ یا امیر المومنین نماز ظہر میں کسی قدر توقف کیجئے میں جاتا ہوں کہ اس قوم میں جاؤں اور ان سے کچھ گفتگو کروں۔ فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ تمہیں کہیں ضرر نہ پہنچا میں میں نے کہا کچھ خوف نہ کیجئے پھر میں عمدہ حلہ یمنی پہنکر نکلا۔ ابو زمیل کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت اور بلند آواز تھے ابن عباسؓ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس قوم میں گیا جہاں وہ سب جمع تھے اور ان پر سلام کیا انھوں نے اس کے جواب میں کہا مرحبا اے ابن عباس اور یہ حلہ کیسا میں نے کہا مجھ پر کیا عیب دھرتے ہو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے عمدہ حلہ دیکھا اور یہ آیت قرآن شریف میں موجود ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یعنی کہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون حرام کیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی اپنے بندوں کے لئے پھر میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس سے جن میں مہاجرین انصار موجود ہیں اس غرض سے آیا ہوں کہ تمہیں ان کے اقوال پہنچا دوں وہ لوگ وہ ہیں جن پر قرآن نازل ہوا اور وہ تم سے زیادہ وحی کو جانتے ہیں انہیں کے معاملات میں قرآن نازل ہوا اور ان میں سے تم میں کوئی نہیں ہے۔ جب انھوں نے یہ سنا تو

بعضوں نے کہا قریش سے مباحثہ مت کرو کیونکہ حق تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے۔ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ یعنی وہ لوگ جھگڑانے والے ہیں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ایسی قوم میں گیا کہ عبادت میں کوشش کرنے والے اُن سے زیادہ کسی کو نہ دیکھا تھا چہرے اُن کے جاگنے جاگنے سے سوکھے سوکھے ہاتھ پانوں ٹیڑھے ٹیڑھے سفید کپڑے پہنے ہوئے غرض بعضوں نے مباحثہ سے انکار کیا اور بعضوں نے کہا کہ ہم مباحثہ کرتے ہیں دیکھیں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں میں نے کہا یہ تو بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور داماد میں مہاجرین و انصار میں تم نے کیا عیب دیکھا ہے کہا تین عیب میں نے کہا وہ کیا۔ کہا ایک تو یہ کہ انہوں نے اللہ کے کام میں لوگوں کو حکم بنایا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یعنی نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے آدمی کو حکم سے کیا علاقہ کہا دوسرا یہ کہ انھوں نے جنگ کیا پھر ان لوگوں کو قید کیا نہ اُن کا مال لوٹا اگر وہ لوگ کافر تھے تو اُن کا مال حلال اور غنیمت تھا اور اگر مسلمان تھے تو ان کے ساتھ لڑنا ہی درست نہ تھا۔ کہا میں دور ہوئے تیسری بات کیا ہے کہا انھوں نے اپنے نام سے امیر المومنین کو مٹا دیا جائے تو اب وہ امیر الکافرین ہیں۔ میں نے کہا اس کے سوائے بھی کچھ اور الزامات ہیں۔ کہا یہی بس ہیں۔ میں نے کہا اگر ان اعتراضات کے جواب میں قرآن کی آیتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پڑھوں تو کیا تم راضی ہو گے کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے امر میں انھوں نے ان آدمیوں کو حکم بنایا سو یہ آیت سنو کہ حق تعالیٰ نے ربع درہم کے معاملہ کو آدمیوں کی رائے پر رکھا یعنی محرم اگر خرگوش برابر جانور کو شکار کرے تو اس کی جزا میں جس کا اندازہ ربع درہم ہو گا دو شخص عدل کے حکم کی ضرورت ہے کما قال تعالیٰ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ الیٰ قَوْلِہٖ تَعَالیٰ یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اب میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ آدمیوں کا حکم ہونا خرگوش کے باب میں افضل ہے یا مسلمانوں کے خون اور اُن کے اصلاح کے معاملہ میں اور تم جانتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس معاملہ میں خود ہی حکم فرماتا اور اسی طرح عورت اور مرد کے مقدمہ میں حکم بنانے کی اجازت اس آیتہ شریفہ سے ثابت ہے قال تعالیٰ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ یُّرِیْدَا اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمیوں کو حکم بنانا سنت جاریہ ہے۔ کیا اس اعتراض کا جواب ہو گیا۔ کہا ہاں۔ پھر میں نے کہا تم جو کہتے ہو کہ انھوں نے جنگ کیا مگر کسی کو قیدی نہ بنایا۔ اور نہ غنیمت لی سو میں پوچھتا ہوں کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنالو گے اور اُن سے حلال سمجھو گے جو اوروں سے حلال سمجھتے ہو اگر اس کے قائل ہوئے تو کافر ہو گئے کیونکہ وہ تمہاری ماں ہیں۔ اور اگر تم نے کہا کہ ماں نہیں ہیں تب بھی کافر ہو گئے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ اس صورت میں تم دو گمراہیوں میں سرگرداں رہو گے جس کو اختیار کیا گمراہ ہوئے یہ سنتے ہی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے میں نے کہا اس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا۔ کہا ہاں پھر میں نے کہا تم جو کہتے ہو کہ لفظ امیر المومنین کو مٹا دیا سو میں اُن کے حال سے خبر دیتا ہوں جس سے تم راضی ہو جاؤ گے اور میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے بھی سنا ہو گا کہ جب حدیبیہ کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو اور ابو سفیان بن حرب کے ساتھ مصالحت کی اور صلحنامہ امیر المومنین کے ہاتھ لکھوایا۔ فرمایا اے علی لکھو ھٰذا ما اصطلح علیہ محمد رسول اللہ ان لوگوں

نے کہا یہ نہ ہوگا۔ وہ نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ورنہ جنگ
ہی نہ کرتے حضرتؓ نے فرمایا "یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں لکھو
یہ علی ہٰذا ما اصطلح علیہ محمد بن عبد اللہ" خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم بہتر ہیں علیؓ سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لفظ رسول اللہ کو مٹانے سے
رسالت سے ہرگز نہیں نکلے۔ عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ تقریر سن کر
دو ہزار شخصوں نے توبہ کی اور باقی اسی گمراہی پر مارے گئے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث سے اُن کے عبادات اور خیالات کا حال معلوم ہوا احتیاط کا
یہ حال تھا کہ بات بات پر قرآن و حدیث سے دلیل طلب کیجاتی تھی اور رائے
سے بالکل احتراز تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے عن علی بن ابی ربیعہ
قال سمعتُ علیًّا علی المنبر واتاہ رجل فقال یا امیر المومنین مالی
اراك تستحل الناس استحالة الرجل ابله العهد من رسول الله
صلی الله علیه وسلم او شیئاً رائیتہ قال والله ما کذبتُ ولا کذبت
ولا ضللتُ ولا ضل بی بل عهد من النبی صلی الله علیه وسلم عهده
الیٰ وقد خاب من افتریٰ عهدا الی النبی صلی الله علیه وسلم ان
اقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین البزارع کذا فی کنز العمال
ترجمہ:۔ روایت ہے علی ابن ابی ربیعہ سے کہ علی کرم اللہ وجہہ منبر پر خطبہ
پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا اے امیر المومنینؓ میں دیکھ رہا ہوں کہ
آپ آدمیوں کی خونریزی ایسی حلال سمجھ رہے ہیں جیسے کوئی اپنے اونٹوں
کو ذبح کرتا ہے کیا کوئی وصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس باب میں
آپ کو ہوئی ہے یا آپ اپنی رائے سے یہ کام کرتے ہو فرمایا قسم ہے اللہ
کی کہ نہ میں جھوٹ کہا نہ مجھ کو جھوٹی خبر دیگئی اور نہ گمراہ ہوا نہ گمراہ کیا گیا اور

بے نصیب ہے جو افترا کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت کی کہ جو لوگ عہد شکنی کریں اور حق بات سے عدول کریں اور خروج کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کروں انتہی ا

اسی طرح دوسری روایت میں وارد ہے عن الحسن قال لما قدم علی البصرۃ فی امر طلحۃ واصحابہ قام عبد اللہ بن الکواء وابن عباد فقالا یا امیر المومنین اخبرنا عن مسیرك ھذا اوصیۃ اوصاك بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام عھد عھدہ ام رای رایتہ الحدیث رواہ ابن راھویہ وصحح کذا فی کنز العمال ترجمہ: روایت ہے حسن بصری سے کہ جب علی کرم اللہ وجہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب کے بارہ میں بصرہ کو تشریف لائے عبد اللہ بن کوا اور ابن عباد کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے امیر المومنین خبر دیجئے کہ یہ آپ کا جانا کیسا ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے یا اقرار لیا ہے یا صرف آپ کی رائے ہے۔ انتہی۔

مقصود یہ کہ اگر رائے ہو تو ہم اتباع نہ کریں گے۔ اُن لوگوں کو رائے سے کچھ ایسا احتراز تھا کہ اس کو بالکل بیکار ہی کر دیا تھا اسی وجہ سے بھانجے اور بھتیجوں کی لڑکیوں کیساتھ نکاح جائز رکھتے تھے اس لئے کہ قرآن شریف میں صرف لڑکیوں اور بھانجی بھتیجیوں کی حرمت کا ذکر ہے ان کی اولاد کا ذکر نہیں۔ یہ بات عبد الکریم شہرستانی نے الملل ونحل میں لکھی ہے اور قرآن شریف پر عمل کرنے میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ جب تک نص قطعی سے کوئی بات ثابت نہو کسی کی نہ مانیں یہاں تک کہ زانی کے رجم کے قائل نہ تھے اور نہ اس حد قذف کے قائل تھے جو محصن مرد کو کوئی گالی دے اس لئے کہ ان دونوں مسئلوں کا حکم صرف حدیث سے ثابت ہے صراحتاً قرآن شریف میں مذکور نہیں کذا فی الملل والنحل۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ بات بات پر قرآن سے دلیل طلب کرتے ہیں تنگ ہو کر ایک بار قرآن منگوایا اور کہنے لگے اے قرآن ان لوگوں سے تو ہی بات کر کما ر وعن عبد اللہ بن عیاض بن عمرو الفارسی قال جا عبد اللہ بن شداد فدخل علی عایشہ ونحن عندھا جلوس مرجعہ من العراق لیالی قتل علیؓ فقالت لہ یا عبد اللہ بن شداد ھل انت صادق عما اسألک عنہ حدثنی عن ھولاء القوم الذین قتلھم علیؓ قال ان علیاً لما کاتب معاویۃ وحکم الحکمین علیہ خرج علیہ ثمانیۃ الاف من قراء الناس فنزلوا ارضا یقال لھا حروراء من جانب الکوفۃ وانھم عتبوا علیہ فقالوا انسلخت من قمیص البسک اللہ و اسم سماک اللہ بہ ثم انطلقت فحکمت فی دین اللہ ولا حکم الا للہ فلما بلغ علیاً ما عتبوا علیہ وفارقوہ امر موذنا فاذن لا یدخل علی امیر المومنین الا رجل قد حمل القرآن فلما ان امتلات الدار من قراء الناس دعا بمصحف امام عظیم فوضعہ بین یدیہ فجعل یصکہ بیدہ ویقول ایھا المصحف حدث الناس فقالوا یا امیر المومنین ما تسأل عنہ فانما ھو مداد فی ورق ونحن نتکلم بما روینا عنہ فما ترید قال اصحابکم ھولاء الذین خرجوا بینی وبینھم کتاب اللہ الحدیث حم والعدنی ع ک ص کذا فی کنز العمال ترجمہ: روایت ہے عبد اللہ بن عیاض سے کہ ایک بار عبد اللہ بن شداد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے عائشہؓ نے ان سے پوچھیں اے عبد اللہ سچ بتاؤ کہ علی رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو قتل کیا ان کا حال کیا تھا کہا جب علی اور معاویہ رضی اللہ عنہا نے صلحنامہ لکھا اور دو شخصوں کو حکم قرار دیا

آٹھ ہزار قاری قرآن علیحدہ ہو گئے اور حروراء میں جو ایک مقام ہے کوفہ کے گرد و نواح میں جا ٹھیرے اور علیؓ پر الزام لگایا کہ جو قمیص اللہ نے تمہیں پہنایا تھا اس کو تم نے نکالدیا اور جو لقب کہ اللہ کی طرف سے تمہیں ملا تھا اس کو تم نے مٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے آپ ہی معزول ہو گئے۔ اور اللہ کے دین میں تم نے حکم بنایا حالانکہ حکم خاص اللہ کے لئے ہے علیؓ نے یہ سنکر اعلان دیا کہ جو شخص امیر المومنین کے پاس آوے قرآن ساتھ لیتے آئے جب دار الحکومت قاریوں سے بھر گیا مصحف امام کو منگا کر روبرو رکھا اور اس کو مار کر کہنے لگے اے مصحف ان لوگوں سے بات کر انھوں نے کہا اے امیر المومنین ہم قرآن سے نہیں پوچھتے وہ سیاہی ہے کاغذوں میں ہم اس میں کلام کرتے ہیں جو ہم سے بیان کیا گیا ہے آپ چاہتے کیا ہیں فرمایا یہ لوگ تمہارے ساتھ والے جو علیحدہ ہو گئے ہیں اُن کے اور میرے بیچ میں کتاب اللہ ہے روایت کیا اس کو امام احمد اور عدنی اور ابو یعلی اور حاکم اور ابن عساکر نے انتہیٰ۔

قیاس کرنا چاہیئے ان لوگوں نے دلائل پوچھ پوچھ کر علیؓ کو کس قدر دق کیا ہوگا کہ یہ حرکت اُن سے صادر ہوئی اور تنزیہ جناب باری میں ان لوگوں کو اس بلا کا احتیاط تھا کہ سورہ یوسف کو قرآن شریف سے اس لحاظ سے خارج کر دیا کہ خدائے تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ عشق کا قصہ بیان کرے اور عمل میں اُن کو اس قدر اہتمام تھا کہ مرتکب کبیرہ کو کافر اور مخلد فی النار اور صغیرہ پر اصرار کرنے والوں کو مشرک کہتے تھے صاحب ملل و نحل نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ نماز کو ترک کرنے والا کافر ہے نہ اس وجہ سے کہ نماز کو ترک کیا بلکہ اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ کو نہیں جانا کیونکہ اگر جانتا اور اعتقاد رکھتا کہ حق تعالیٰ تمام احوال پر مطلع اور طاعت پر جزا اور معصیت پر سزا دینے

والا ہے تو اس گناہ پر جرأت نہ کرتا اس جرأت سے معلوم ہوا کہ اس نے جانا ہی نہیں اور اگر جانا ہے تو تکلیف کی کچھ پروا نگی۔ اس باب میں تارک صلوٰۃ اور ہر مرتکب کبیرہ کافر ہونے میں برابر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابلیس صرف کبیرہ کے مرتکب ہونے سے کافر ہوا کہ باوجود حکم کے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا ورنہ اس کی توحید میں کسی قسم کا شک نہیں اور یہ بھی اعتقاد ہے کہ اجنبی عورت کو دیکھ لینا یا چھوٹی جھوٹ کہنا صغیرہ ہے اور جب اس پر اصرار ہو تو شرک ہو جاتا ہے خیال کرنے کی جائے ہے کہ جن لوگوں نے یہ اصول مان لئے ہونگے اُن کے اعمال کا کیا حال ہوگا۔ جتنے ذریعے نجات کے آدمی خیال کرسکتا ہے وہاں سب منقطع ہیں۔ دوسرے ہر وقت پیش نظر ہے کہ جہاں امر الٰہی کے امتثال میں سستی ہوئی یا کوئی حرام فعل صادر ہو گیا قطعاً دوزخی بن گئے اب نہ کسی کی شفاعت سے کام چلتا ہے نہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کی امید ہے کیونکہ کفار کا رحمت الٰہی سے مایوس ہونا نص قطعی سے ثابت ہے اس خیال شبانہ روزی نے اُن کے چہروں پر کیسا رنگ خضوع جمایا ہوگا۔ اور اعضا پر کیسی کیفیت انکسار طاری ہوگی۔ اسی وجہ سے ابن عباسؓ نے کہا اُن کی سی حالت کسی قوم کی میں نے نہیں دیکھی اور ظاہر بھی یہی ہے اس لئے صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اور خدائے تعالیٰ کی رحمت کے قائل تھے اور جانتے تھے کہ صرف عمل سے کبھی نجات نہیں مل سکتی پھر اُن حضرات پر ان کی سی مصیبت کا ہے کیوں آتی جو ویسی حالت بنتی۔ غرض کہ توحید عبادت زہد تقویٰ وغیرہ اور جن کا حال بہ تفصیل معلوم ہوا ان لوگوں میں نہایت درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ اگر یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہ ہوتے تو بادی النظر میں اولیاء اللہ سمجھے جاتے۔ اور اُن کے مخالف کو نہیں معلوم لوگ کیا سمجھتے۔ مگر

الحمد للہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی کارروائیوں اور احادیث صحیحہ کی
تصریحات سے تمامی اہل اسلام پر اُن کی غلطی کھل گئی۔ اور بے دین اور
دوزخی ہونا اُن کا ثابت ہوگیا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ کونسی بات تھی جس
نے باوجود ان اوصاف کمال کے اُن پر بے دینی کا حکم صادر کردیا اصل
منشا اگر دیکھا جائے تو صرف بے باکی اور بے ادبی اُن کی پیش نظر ہوجاتی
جس سے پہلی خرابی یہ ہوئی کہ بزرگان دین کی عظمت نہ ہونیکی وجہ سے
طبیعت میں تقلید کی صلاحیت نہ رہی اور ہمسری کا دعوی کرکے خود مجتہد
بن بیٹھے۔ حضرت علیؓ کے قول کا جب اُن کے نزدیک کچھ اعتبار نہ تھا اور ہر
بات میں اُن سے دلیل طلب کرتے تھے تو اور کسی بزرگ کے قول کو وہ کب
مانتے تھے حالانکہ علیؓ کا قول و فعل خود واجب القبول اور بجائے خود دلیل تھا
آخر یہی ترک تقلید جس کو انھوں نے تحقیق سمجھا تھا عین مادہ گمراہی ہوا۔
دیکھ لیجئے جب مسئلہ حکم اُن کے سمجھ میں نہ آیا اور اس میں تقلید بھی نہ کی
حضرت علی کرم اللہ وجہ پر شرک و کفر کا الزام لگادیا اور خود کافر بنے نعوذ
باللہ من ذلک اس سے بڑھکر اور کیا گستاخی اور بے ادبی ہوگی کہ کیسے کیسے
جلیل القدر صحابہ کی انھوں نے تکفیر کی جس کا حال معلوم ہوگا اور مخبر صادق
کی بشارتوں کا کچھ خیال نہ کیا۔ ملل و نحل میں لکھا ہے کہ زیاد بن امیہ نے عروہ
ابن ادیہ سے جو خارجی تھا پوچھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا کیا حال تھا کہا
اچھے تھے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا کہا ابتدا میں چھ سال تک
اُن کو میں بہت دوست رکھتا تھا پھر جب انھوں نے نئی نئی باتیں اور بدعتیں شروع
کیں ان سے علیحدہ ہوگیا اس لئے کہ وہ آخر میں نعوذ باللہ کافر ہوگئے تھے۔ پھر علی
رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا کہا وہ بھی اوائل میں اچھے تھے جب حکم بنایا نعوذ باللہ

فر ہوگئے۔ اس لئے اُن سے بھی علیحدہ ہوگیا پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال
ریافت کیا کہ اُن کو ایک سخت گالی دی پھر زیادہ بن امیہ نے اپنا حال پوچھا
ا تمہارا اول حال زینت تھا اور آخر گزندگی اور دونوں حالتوں کے بیچ میں تم
نے رہے نافرمان ہو زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور اس کے
لام کو بلا کر کہا کہ اس کا مختصر سا حال بیان کر کہا جب میں اس کے پاس کھانا
جاتا یا بچھونا کرنے کو جاتا غرض ہر حال میں یہی اعتقاد اور اجتہاد اس کا
مجھتا تھا۔ لکھا ہے کہ طلحہ زبیر عائشہؓ عبداللہ بن زبیر اور تمام اہل اسلام
ان کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم اجمعین سب کی تکفیر کیا کرتے اور سب کو
لد فی النار کہتے تھے نعوذ باللہ من ذلک اور اُن کا یہ بھی قول تھا کہ جائز ہے
حق تعالیٰ ایک ایسا نبی بھیجے کہ بعد نبوت کے کافر ہو جائے یا قبل نبوت کے کافر
ہو اور اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ عجم میں ایک نبی ملت "صابیہ" سے پیدا
ے گا اور اس پر ایک کتاب وقت واحد میں نازل ہوگی جو آسمان پر لکھی
گئی ہے اور وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑ دے گا ملل و نحل
سوائے اس کے اور کئی اعتقاد اُن کے نقل کئے ہیں بخوف تطویل اسی پر اکتفا
کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسر شان نبوت بھی ان کو مقصود تھی چنانچہ اس حدیث
ے یہ بھی بات معلوم ہوتی ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن ابی یحییٰ
ل سمع رجلا من الخوارج وھو یصلی صلوۃ الفجر یقول ولقد اوحی
لیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن
ن الخاسرین قال فترک سورتہ التی کان فیھا قال وقرأ فاصبر
ن وعد اللہ حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون روایت ہے ابی
ے کہ ایک خارجی نے صبح کی نماز میں یہ آیت پڑھی ولقد اوحی الیک

یعنی آپ کی اور اگلے نبیوں کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر شرک کروگے تم تو تمہارے عمل اکارت ہو جائیں گے اور ہوگے تم نقصان پانیوالوں سے انتہی۔ پھر اس سورہ کو چھوڑ کر دوسرے سورہ کی یہ آیت پڑھی فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ الآیۃ یعنی صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ ہلکا کریں آپ کو وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے۔ اس قسم کی آیتیں چن چن کر پڑھنے سے مقصود اس شخص کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں کے دلوں سے کم ہو جائے کیونکہ اگر اس کو قراءت ہی مقصود ہوتی تو مرتب آیتیں پڑھتا راوی کو بھی حیرت ہوئی پھر وہ سمجھ گئے یہ بات مسلمان سے ہو نہیں سکتی۔ بعد تحقیق کے پہلے تصریح اس امر کی کردی کہ وہ شخص خارجی تھا پھر وہ قصہ بیان کیا اگر اس شخص کی برائی بیان کرنا راوی کو مقصود نہ ہوتا تو اس قصہ کے بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ قرآن ہر شخص نماز میں پڑھتا ہے۔ ان تمام احادیث وغیرہ سے اس قوم کا طریقہ اور طرز رفتار معلوم ہوگیا کہ جب اپنی سمجھ کے کوئی بات خلاف پاتے اسی پر اعتراض کر بیٹھتے اور ادب کو پاس آنے نہ دیتے۔ توحید کی حفاظت اور شرک و بدعت کے مٹانے کو اپنا فرض منصبی ٹھہرایا تھا۔ پھر اس ٹٹی کے آڑ میں ہزارہا مسلمانوں کی تکفیر کردی جو آیتیں کفار کی شان میں نازل ہوئیں مسلمانوں کو ان کا مصداق بنایا جیسا کہ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ کو جو کفار قریش کی شان میں ہے صحابہ کے مقابل پڑھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کی آیتیں ڈھونڈا کرتے وغیرہ ذلک **الحاصل** گستاخیوں اور بے ادبیوں میں وہ لوگ ہر زمانے کے بے ادبوں کے پیشوا اور مقتدا تھے جس مسئلہ و مقام میں انھوں نے کچھ کلام کیا ان کے پیرو دل

ہیں وہ مسئلہ معرکۃ الآرا بنا جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قریب میں معلوم ہوگا۔
پھران بے دینیوں کا یہ اُن کو وثوق تھا کہ اپنے مخالفوں کو کافر اور اُن کے
مال کو غنیمت سمجھتے تھے کما فی الملل والنحل ظاہراً اس بات پر وہ لوگ دلیل
بھی رکھتے تھے کہ نہ اُن کا سا کوئی عابد و زاہد اُس وقت تھا نہ صاف صاف
کہنے والا دینی امور میں کسی کی رو رعایت نہیں خواہ ولی ہو یا صحابی یا نبی جہاں
خلاف بات دیکھی فوراً کہدیا۔ ہرچند یہ دلیل ظاہراً قوی معلوم ہوتی ہے مگر انجام
کار کے معلوم ہونے سے ہمیں تو یقین ہوگیا کہ واقع میں وہ دلیل بالکل باطل
اور سیدھی دوزخ میں لے جانیوالی تھی اب اُن کے انجام کار کا حال سنئے
مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے عن سعید بن جمھان قال کانت الخوارج
تدعونی حتی کدت ان ادخل فیھم فرایت اخت ابی بلال فی
المنام کانھا رأت ابا بلال قالت فقلت یا اخی ما شانک قال فقال جعلنا
بعدکم کلاب اھل النار۔ روایت ہے سعید بن جمہان سے وہ کہتے ہیں کہ
خوارج مجھے اپنے طرف بلاتے اور ترغیب دیتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا کہ میں اُن
میں مل جاؤں ایک رات ابی بلال کی بہن کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہیں کہ
میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہا کہ ہم لوگ
تمہارے بعد دوزخ کے کتے بنائے گئے۔ انتہیٰ۔
یہ خواب تصدیق اس حدیث شریف کی جو کنز العمال میں ہے۔ عن
ابی غالب قال کنت فی مسجد دمشق فجاوا بسبعین راسا من راس
الحروریۃ فنصبت علی درج المسجد فجاء ابو امامۃ فنظر الیھم
فقال کلاب جھنم شر قتلی قتلوا تحت ظل السماء ومن قتلوا خیر قتلی
تحت ظل السماء وبکی قال یا ابا غالب تقرء آل عمران قلت نعم قال منہن آیات محکمات ھن ام الکتاب

وَاخر متشابهات فاما الذين فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله و قال تعالی یوم تبیض وجوه و تسود وجوه فاما الذین اسودت وجوههم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون قلت یا ابا امامة انی رایتک تهریق عبرتک قال نعم رحمة لهم انهم کانوا من اهل الاسلام قال افترقت بنو اسرائیل علی واحدة و سبعین فرقة و تزید هذه الامة فرقة واحدة کلها فی النار الا السواد الاعظم علیهم ما حملوا و علیکم ما حملتم و ان تطیعوه تهتدوا والسمع والطاعة خیر من الفرقة والمعصیة فقال له رجل یا ابا امامة امن رایک تقول هذا ام شیء سمعته من رسول الله صلی الله علیه و سلم قال انی اذا لجری بل سمعته من رسول الله صلی الله علیه و سلم غیر مرة ولا مرتین ولا ثلثة حتی ذکر سبعا ش و ابن جریر۔

ترجمہ۔ روایت ہے ابو غالب سے کہ خارجیوں کے ستر سر دمشق میں مسجد کی سیڑیوں پر نصب کئے گئے ابو امامہؓ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ جہنم کے کتے ہیں اور بدتر ہیں تمام روئے زمین کے مقتولوں سے اور ان کے قاتلوں سے جو شہید ہوئے وہ تمام روئے زمین کے مقتولوں سے بہتر ہیں پھر یہ آیتیں پڑھیں اور کہا کہ جتنے فرقہ سواد اعظم کے سوا ہیں سب دوزخی ہیں کسی نے کہا اے ابوامامہ یہ باتیں کیا آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہیں کہا اگر میں اپنی رائے سے ایسی باتیں کہوں تو مجھ میں بڑی جرات ہوگی یہ باتیں ایک دو بار نہیں بلکہ ساتھ بار سے زیادہ سُنی ہیں روایت کیا اس کو ابن شیبہ اور ابن جریر نے انتہی۔

اور یہی روایت بادنیٰ اختلاف مستدرک حاکم میں دو طریقوں سے مروی ہے ایک میں اُن کا کلاب النار ہونا مصرح ہے۔ غرض کہ اس قوم کا دوزخی بلکہ دوزخ کے کتے ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بار کے ارشاد سے ثابت ہے اور تصدیق بھی اُس خواب سے ہو گئی۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ باوجود اُن فضائل کے دوزخ میں آدمی بھی نہیں کتے بنے اس کی کیا وجہ ہو گی۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن میں کتوں کی صفت غالب تھی کہ بزرگان کی شان میں زبان درازی کرنا اور ہر کسی پر بے باکانہ حملہ کر جانا گویا اُن کا شعار ہو گیا تھا۔ چونکہ یہ صفت راسخ تھی اس عالم میں اس کا یہ اثر ہوا کہ صورت ظاہری بھی اسی کے تابع کر دی گئی نعوذ باللہ من ذلک اس قوم کی ایک ظاہر نکبت یہ بھی تھی کہ جس کے دل میں ان کی محبت آئی آثار برکت کے اس سے جاتے رہے چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ عن ابی الطفیل اَنَّ رَجُلاً ولد له غلامٌ علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدعاله وَاَخَذَ بِبَشَرَةِ جبهتهِ فقال بها هکذا وغمز جبهته ودعاله بالبرکة قال فنبتت شعرة فی جبهته کانها هُلْبُ فَرَسٍ فشبّ الغلام فلما کان زَمَنَ الخوارج احبّهم فسقطت الشعر عن جبهته فاخذ ابوه یقیده مخافة ان یلحق فیهم قال فدخلنا علیه فوعظناه وقلنا اله فیما نقولُ الم تر ان برکة دعوةِ الرسولِ صلی اللہ علیہ وسلم قد وقعت من جبهتِكَ فما زلنا به حتی رَجَعَ عن رأیهم فردّ اللہ الیه الشعر بَعدُ فی جبهته وتاب واصلح کذا فی مصنفِ ابن ابی شیبه

ترجمہ:۔ روایت ہے ابو الطفیل سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا حضرت نے اس کو دعا دی اور اس کی پیشانی پر

ہاتھ رکھا اور دبایا۔ اثر اُس کا یہ ہوا کہ پیشانی پر اُس کی خاص طور پر بال اُگے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے وہ لڑکا جوان ہوا اور خوارج کا زمانہ پہنچا اور اُن سے اُس کو محبت ہوئی ساتھ ہی وہ بال جو دست مبارک کا اثر تھا جھڑ گئے اُس کے باپ نے جو یہ حال دیکھا اس کو قید کر دیا کہ کہیں ان میں مل نہ جائے ابو الطفیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ اُس کے پاس گئے اور وعظ و نصیحت کی اور کہے دیکھو تم جو اُن لوگوں کی طرف مایل ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی غرض جب تک وہ شخص ان کی رائے سے رجوع نہ کیا ہم اُس کے پاس سے ہٹے نہیں پھر جب ان کی محبت اُس کے دل سے جاتی رہی حق تعالیٰ نے وہی نشانی دست مبارک کی اس کی پیشانی میں پھر پیدا کر دی پھر تو اس نے بالکلیہ اُن کے عقاید سے توبہ کی اور اچھی حالت پر ہو گیا۔ انتہیٰ

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ گیا اُس مقام کو ہمیشہ کیلئے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہو گئی پھر کبھی تو حق تعالیٰ نے اس کے آثار ظاہر بھی فرما دیا اور اگر کبھی ظاہر نہ فرمایا تو اُس مقام میں برکت تو ضرور رکھی اسی وجہ سے بخاری شریف وغیرہ کتب صحاح سے ثابت ہے کہ ابن عمرؓ وغیرہ صحابہ حضرت کے ماثر کو تلاش کرنے میں نہایت اہتمام کیا کرتے تھے انشاء اللہ تعالیٰ کسی مقام میں یہ بحث بھی مفصل آجائے گی۔ دوسرا یہ کہ اُن آثار کے ظہور کے لئے وہ مقامات خاص کئے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں پھر جہاں کسی قسم کی ان میں خرابی آگئی وہ آثار اور صلاحیت وہاں سے جاتی رہی تا کہ طالبان حق کو اُس سے عبرت حاصل ہو۔ تیسرا یہ کہ اُن آثار کے اثر کے لئے بھی وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو اہل حق

ہوں یعنی اس برکت کے قابل اہل ایمان ہی ہوا کرتے تھے اہل باطل کو اس طرف توجہ نہ تھی۔ چوتھا یہ کہ جس کو حضرت نے براہ شفقت دستِ مبارک لگا دیا عقاید باطلہ کا اثر اس کے دل میں ہونے نہ پایا دیکھ لیجئے اگر اس شخص کے دل میں اوّل عقاید کا پورا اثر ہو جاتا تو پھر اس کے رجوع کی امید نہ تھی جیسا کہ ابی ہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی معلوم ہو گا کہ اس فرقہ کے عقاید کا پورا اثر جس کے دل میں ہو جاتا ہے تو کبھی وہ راہِ راست پر نہیں آتا۔

احادیث و آثار جو خوارج کے باب میں ہیں اس کثرت سے وارد ہیں کہ اُن کی نقل کے لئے کئی جز چاہئیے جن لوگوں کو حق تعالیٰ نے فہم سلیم دیا ہے اتنا بھی اُن کے لئے کافی ہے ہرچند یہ فرقہ خاص ان عقیدوں کے ساتھ جس پر بانیٔ مذہب نے بنا کیا معلوم نہیں اب تک موجود ہے یا نہیں مگر اتنا تو یقین ہے کہ اس رفتار پر چلنے والوں سے کوئی زمانہ خالی نہ ہو گا اس لئے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ مسلمانوں کو گمراہ اور مردود بنانے کے باب میں شیطان کے پاس بے ادبی اور بے باکی سے بہتر کوئی طریقہ نہیں جس کا تجربہ خود اسکی ذات پر ہو چکا ہے اور بے باکیاں اور بے ادبیاں اس فرقہ کے اصول میں داخل ہیں اور سوائے اس کے اس حدیث شریف سے یہ بات بھی ظاہر ہے۔ عن ابی جعفرِ الفرا مولی علیؓ قال شهدتُ مع علی رضی اللہ عنه النهر فلما فرغ مِنْ قتلهُمْ قال اطلبوا المخدج فطلبوه فوجدوه فی وَهدَة رجلٍ اسود منتن الریح فی موضع یدہٖ کهیئة الثدیِ عَلَیْهِ شَعَرَاتٌ فَلَمَّا نظر الیه قال صَدَقَ اللهُ وَرَسُولَه فسمع اُحَدِ ابنیه انا الحسنؓ او الحسینؓ یقول الحمد للهِ الذی اراها امة

محمد صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ الاصابۃ فقال علیؓ لو لم یبقی من امۃ محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلثۃ لکان احدٌ ھم علی رای ھولاء انّھم لفی اصلاب الرجال وارحام النساء کذا فی کنز العمال

ترجمہ:- ابو جعفر فزار کہتے ہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ کیساتھ نہر کی لڑائی میں شریک تھا جب علیؓ اُن کے قتل سے فارغ ہوئے فرمایا اس شخص کو ڈھونڈو جس کا ہاتھ ناقص ہے چنانچہ اس شخص کی لاش ملی وہ شخص سیاہ فام تھا اور اس سے بدبو آتی تھی اور اس کے ہاتھ کی جگہ بشکل پستان ایک گوشت پارہ تھا جس پر چند بال تھے علیؓ نے اس کو دیکھ کر فرمایا سچ کہا خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن یا امام حسین علیہما السلام نے خدائے تعالیٰ کا شکر بجالایا علیؓ نے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے صرف تین ہی شخص رہجائیں ان میں بھی ایک شخص اس فرقہ کی رائے اور طریقہ پر ہوگا وہ لوگ ہنوز مردوں کی پیٹھ اور عورتوں کے رحم میں ہیں روایت کیا اس کو طبرانی نے اوسط میں۔ انتہیٰ۔

اور اس حدیث شریف سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہ فرقہ کئی بار ظہور کرے گا

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج ناس من المشرق یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم کل ما قطع قرن نشاء قرن حتیٰ یکون اٰخرھم یخرج مع مسیح الدجال حم طب ک حل۔

ترجمہ- روایت ہے ابن عمرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کئی لوگ مشرق کے طرف سے نکلیں گے پڑھیں گے وہ قرآن مگر اُن کے حلق کے نیچے نہ اترے گا جب ایک سینگ کاٹا جائے گا تو دوسرا نکلے گا یعنی جب ایک فرقہ استیصال کیا جاوے گا تو دوسرا ظہور کرے گا یہاں تک کہ وہ آخر میں

دجال کے ساتھ رہیں گے روایت کی اس کو امام احمد اور طبرانی اور حاکم وغیرہ نے انتہی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے اور وہابی بھی جن کا فتنہ مدتوں ملک عرب میں رہا غالبًا یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی شامنا وفی یمننا قال قالوا وفی نجدنا فقال قال اللھم بارک لنا فی شامنا وفی یمننا قال قالوا وفی نجدنا قال قال ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان رواہ البخاری ترجمہ روایت ہے ابن عمرؓ سے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیو صحابہ نے عرض کی اور ہمارے نجد میں مقصود یہ کہ نجد کو بھی حضرتؐ دعا میں شریک فرمائیں پھر وہی دعا کی کہ الٰہی ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیو پھر صحابہ نے نجد کے لئے عرض کی حضرت نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا روایت کی اس کو بخاری نے انتہی۔

اس حدیث شریف سے بتصریح معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگرچہ شرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے شرق ہی میں واقع ہے مگر مدینہ طیبہ کے عام و خاص لوگ نجد ہی کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد میں ہے پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور ایک یہ کہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے جیسا کہ ارشاد ہوے عن ابن مسعودؓ قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی آخر الزمان سفہاء الاحلام یقولون من قول خیر البریۃ یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیھم من یقتھم فلیقتلھم فان فیہ اجرا لمن قتلھم الحکیم کذا فی کنز العمال ترجمہ۔ روایت ہے ابن مسعودؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نکلیں گے آخر زمانہ میں بیوقوف لوگ بات نہایت اچھے لوگوں کی سی کہیں گے اور قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے حلق سے نیچے نہ اترے گا جو شخص اُن سے ملے چاہئے کہ اُن کو قتل کر ڈالے کیونکہ اُن کے قتل میں ثواب ہے انتہی۔

ظاہر ہے کہ اُن کا دعویٰ یہی تھا کہ شرک و بدعت کو مٹاتے ہیں اور ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج من امتی قوم یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یقتلون اھل الاسلام فاذا خرجوا فاقتلوھم فطوبی لمن قتلھم وطوبی لمن قتلوہ کلما طلع منھم قرن قطعہ اللہ عزوجل حم کذا فی کنز العمال۔

ترجمہ: روایت ہے ابن عمرؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نکلے گی ایک قوم میری امت سے کہ قرآن پڑھیں گے مگر اُن کے حلق سے نہ اترے گا قتل کریں گے وہ اہل اسلام کو خوشخبری ہے اس کو جس نے انہیں قتل کیا اور جس کو انھوں نے شہید کیا جب کوئی شاخ ان کی نکلے گی حق تعالیٰ اس کو قطع کر دیگا روایت کی اس کو امام احمد نے انتہی۔

یہ بات ثابت ہے کہ ہزارہا مسلمانوں کو اُن لوگوں نے قتل کر کے حرمین شریفین اور تمامی ملک عرب پر تسلط کر لیا تھا اب بے باکی کو ان کے دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ جو شخص مسجد حرام میں شرارت سے کجروی کرنا چاہے چکھائیں گے ہم اس کو عذاب دردناک انتہیٰ۔ حافظ محی السنۃ بغویؒ تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں ان تقتل فیہا من لا یقتلک او تظلم من لا یظلمک یعنی الحاد بظلم یہ ہے کہ قتل کرے تو اس شخص کو جو تجھ کو نہ مارے یا ظلم کرے تو اس پر جو تجھ پر ظلم نہ کرے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ لو ان رجلا ہم بخطیئۃ لم یکتب علیہ مالم یعملہا و لو ان رجلا ہم بقتل رجل بمکۃ وھو بعدن او ببلاد اخر اذاقہ اللہ من عذاب الیم۔ اگر کوئی کہیں گناہ کا قصد کرے تو جب تک اس کا وقوع نہ ہوگا گناہ لکھا نہ جائے گا۔ بخلاف اس کے کہ جو شخص مکہ میں رہتا ہو تو اس کے قتل کے قصد پر عذاب الیم لکھا جائے گا اگرچہ قصد کرنے والا عدن میں ہو یا دوسرے شہر میں۔ اور مدینہ طیبہ کی نسبت ارشاد ہے عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت سمعت سعدا قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یکید اہل المدینۃ احد الا انماع الملح فی الماء رواہ البخاری یعنی بخاری شریف میں روایت ہے سعد سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ مکر و حیلہ کرے تو ایسا گلے گا جیسا نمک پانی میں پگلتا ہے ابن حجرؒ فتح باری میں اس حدیث کے تحت میں مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرید احد اہل المدینۃ بسوءٍ الا اذابہ اللہ فی النار ذوب الرصاص او ذوب الملح فی الماء یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مدینہ والوں کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرے گلادے گا اس کو حق تعالیٰ دوزخ میں مثل سیسہ کے یا جیسے نمک پانی

میں گھلتا ہے انتہی

جب مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں قتل اور برائی کے ارادہ پر یہ مستعد ہوئیں تو جنہوں نے وہاں قتل عام کیا اور وہ وہ اذیتیں پہنچائیں جس سے ہزارہا لوگ جلاوطن ہو گئے ان کا کیا حال ہوگا اور ایک علامت اس قوم کی یہ کہ قرآن پڑھیں گے جیساکہ کئی حدیثوں سے یہ بات معلوم ہو چکی۔ قرآن شریف پڑھنے کا اس قوم میں اس قدر اہتمام تھا کہ دلائل الخیرات کے صدہا نسخے جلادئے تاکہ اس کا وقت بھی تلاوت قرآن ہی میں صرف ہو جیساکہ درر السنیہ میں مذکور ہے ایک علامت یہ ہے کہ اس قوم میں جو کوئی داخل ہوا اس کے پھر نکلنے کی توقع نہیں

عن ابی برزۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی آخر الزمان قوم کان ھذا منھم یقرؤن من القران لایجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لایرجعون الیہ سیماھم التحلیق لایزالون یخرجون حتی یخرج آخرھم مع المسیح الدجال فاذا لقیتموھم فاقتلوھم ھم شر الخلق والخلیقۃ ابن ش حم ن طب ک کذا فی کنز العمال ترجمہ۔ روایت ہے ابی برزہؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے نہ اترے گا اسلام سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر نہ پھریں گے اسلام کی طرف علامت ان کی یہ ہے کہ سر منڈایا کریں گے یہ قوم ہمیشہ خروج کرتی رہیگی یہاں تک کہ آخر دجال کیساتھ ہوں گے جب کبھی تم اُن سے ملو ان کو قتل کر ڈالو کیونکہ وہ کل آدمیوں اور جانوروں سے بدتر ہیں روایت کی اس کو ابن شیبہ اور امام احمد نسائی طبرانی اور حاکم نے انتہی

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی نکبت اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ

سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ دین میں نہ آئیں گے مگر لہٰذا ہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں محبوبان بارگاہ الٰہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ مثل اصول دین کے تعلیم و تعلم میں اس کو داخل کرتے ہیں جس کی وجہ سے غیرت الٰہی ان کو تباہ کر دیتی ہے اور ایک علامت یہ کہ بنی تمیم سے ہونا جیسا کہ درر السنیہ میں کتاب جلاء الظلام سے نقل کیا ہے کہ ظن غالب ہے کہ محمد ابن عبدالوہاب ذوالخویصرہ تمیمی کی اولاد سے ہوگا جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دی ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من ضئضئ ھذا او فی عقب ھذا قوما یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد رواہ البخاری ترجمہ روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس شخص کے خاندان یا نسل میں ایک قوم ہوگی کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نہ اترے گا دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں ان کو پاتا تو قتل کرتا مثل قوم عاد انتہی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے انتہی۔

اس شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقسم قسما اتاہ ذوالخویصرۃ وھو رجل من بنی تمیم فقال یا رسول اللہ اعدل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَیلک وَمَن یَعدل اِذا لم اَعدلُ قد خبت وخسِرتَ ان لم اَعدِل فقال عمرُبن الخطابِ یارسولَ اللہ ائذن لی فیہ اَضرِب عنقہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہ فانَّ لہ اصحاباً یحقر احدکم صلوتہ مع صلوتھم وصیامہ مع صیامھم یقرؤنَ القرآن لایجاوز ترا قیھم یمرقونَ مِن الاسلام کما یمرُق السھمُ من الرمیۃ الحدیث ترجمہ روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے حضرت کچھ مال تقسیم فرمار ہے تھے کہ بنی تمیم کے قبیلہ والا ایک شخص آیا جس کا نام ذوالخویصرہ تھا اور کہا یارسول اللہ عدل کیجئے فرمایا حضرت نے خرابی ہو تیری اگر میں نے عدل کروں تو پھر کون کرے گا عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کی گردن ماروں فرمایا جانے دو اس کے ساتھ والے ایسے لوگ ہوں گے کہ تم اپنی نماز و روزہ کو ان کی نماز و روزہ کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھینگے مگر حلق سے آگے نہ بڑھے گا اسلام سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے روایت کی اس کو مسلمؒ نے انتہیٰ ملخصاً

اس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ذوالخویصرہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور ابن عبدالوہاب بھی تمیمی ہے تعجب نہیں کہ اس کی نسل سے ہو اور اگر نہ بھی ہو تو ہم خاندان ہونے میں شک نہیں اور ایک علامت یہ ہے کہ سر کے بال منڈوایا کرینگے جیسا کہ کئی حدیثوں سے ابھی معلوم ہو چکا عن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج قومٌ مِن المشرق ملقان الروس یقرؤنَ القرآن لَایجاوِز حناجرکھم طوبیٰ لمن قتلوہ وطوبیٰ لِمن قتلھم ابونصرِ السنجری فی الابانہ والخطیب وابن عساکرِ کذا فی کنزِ العمال ترجمہ روایت ہے عمرؓ

ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم مشرق سے نکلے گی جو سر
منڈوائے ہوئے ہوں گے پڑھینگے وہ قرآن مگر اُن کے حلق سے نہ اترے گا خوشخبری
ہے اس کو جو اُن کے ہاتھ سے شہید ہوا اور جس نے اُن کو قتل کیا انتہی
اور رسیفہ میں بخاری اور مسلم سے یہ روایت نقل کیا ہے کہ قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یخرج ناس من المشرق ویقرؤن القرآن لا
یجاوز تراقیھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ
لایعودون فیہ حتی یعود السھم الی فوقہ سیماھم التحلیق جس کا خلاصہ
یہ ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک فرقہ نکلے گا کہ قرآن پڑھیں گے مگر نکل جائیں گے
دین سے پھر نہ لوٹیں گے جیسے تیر شکار سے نکل کر لوٹتا نہیں علامت اُن کی یہ ہے
کہ سر منڈوایا کریں گے۔ انتہی۔
پھر قول عبد الرحمن اہدل مفتی زبید کا نقل کیا کہ ابن عبد الوہاب کے رد
میں کوئی کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں صرف یہ حدیث کافی ہے جس کی
خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ (سر منڈوایا کرینگے) کیونکہ اس
شخص نے جیسا سر منڈوانے میں اہتمام کیا تھا کسی فرقہ میں نہ ہوا اس نے دستور
ٹھیرا دیا تھا کہ جو شخص اپنی بات میں داخل ہوا اس کو سر منڈوانا ضرور ہے یہانتک
کہ عورتوں میں بھی یہ حکم جاری کر دیا تھا ایک روز کسی عورت نو گرفتار نے بجب
عادات سر منڈوانے کو کہا اُس نے جواب دیا کہ عورتوں کے سر کے بال اور مردوں کی داڑھیاں
برابر ہیں اگر مردوں کی داڑھیاں منڈوائی جائیں تو عورتوں کے سر کے بال منڈوانا بجا ہوگا یہ سن کر
مبہوت ہو گیا اور کچھ جواب دیکا الحاصل علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہیکہ مخبر صادق صلی اللہ
علیہ وسلم فرقہ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں بیان فرمائیں سب اسمیں پائی گئیں اور سوا
احادیث مذکورہ بالا کے رسیفہ میں کئی حدیثیں نقل کی ہے جنمیں علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں اور وہ سب اسمیں پائی گئیں
احادیث مذکورہ سے یہ بات بھی ثابت ہیکہ فرقہ خوارج کی وہ ایک شاخ ہے مگر اس وجہ سے کہ نئے طور

پر اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور اس کے بانی کی
طرف منسوب کیا گیا اسی وجہ سے یہ لوگ محمدی کہلاتے ہیں مگر محتاط علماء نے
جب دیکھا کہ عوام الناس ان کو ضرور گالیاں دیں گے اور اس میں توہین لفظ
نام مبارک کی ہوگی اس لئے محمد ابن عبدالوہاب کے نام سے جزو دوم کی طرف
منسوب کر کے باختصار لفظ وہابی مقرر کیا۔ غرض وہابی اور محمدی کے یہاں ایک
معنی ہیں محمد ابن عبدالوہاب کا مجملاً حال یہ ہے ۱۱۱۱ھ گیارہ سو گیارہ میں وہ
پیدا ہوا اور بعد کسی قدر تحصیل علم کے ۱۱۴۳ھ گیارہ سو تینتالیس میں اپنے خیالات
فاسدہ کو رواج دینے کے واسطے خطہ نجد میں گیا پہلے صرف اسی بات پر زور دیا
کہ اس زمانہ میں شرک ہر طرف پھیل گیا ہے اور اسلام کی حالت روز بروز
گھٹتی جارہی ہے اس وقت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ توحید کو رواج دینے
اور شرک کو مٹانیکا فکر کرے چونکہ یہ دعویٰ قابل تسلیم تھا لوگ اس کے دام
میں پھنسنے لگے چنانچہ ۱۱۵۰ھ گیارہ سو پچاس میں اس کی شہرت ہوئی اور
درعیہ اس کے اطراف و جوانب کے لوگ اس کے تابع ہوگئے اور روز بروز ترقی
ہونے لگی جب کسی قدر مجمع ہوگیا جہاد پر آمادہ ہوا اور اپنے ہوا خواہوں کو جمع
کر کے لکچر دیا کہ سوائے اس خطہ کے اس وقت کل روئے زمین پر شرک پھیلا ہوا ہے
اور سوائے ہم چند شخصوں کے جتنے لوگ آسمان کے تلے ہیں سب مشرک ہیں اب ہم کو
ضرور ہے کہ جہاد کر کے مشرکوں کو قتل کریں تمہیں یاد رہے جو کوئی مشرک کو قتل
کرتا ہے اس کیلئے جنت ہے پھر سب سے بیعت لے کر جہاد کا حکم دیا۔ یہ فتنہ ایک مدت
تک رہا اس قوم نے ہزارہا مسلمانوں کو شہید اور جلا وطن کر دیا اور حرمین شریفین پر قبضہ
کر کے کئی سال بالاستقلال حکمرانی کی آخر ۱۲۲۷ھ بارہ سو ستائیس میں بحکم سلطان محمود حرمین
وغیرہ سے نکالے گئے مادہ تاریخ ان کے اخراج کا قطع دابر الخوارج ہے اس فتنہ
۱۲۲۷

کی کسی قدر تفصیل اور حال اُن مصیبتوں کا جو اہل حرمین شریفین پر گذریں
شیخ دحلان مکی نے الدرر السنیہ میں لکھا ہے۔ اس فرقہ کو بھی مثل خوارج کے عمل
میں نہایت اہتمام تھا یہاں تک کہ تارک فرض کو کافر حلال الدم سمجھتے اور توحید
میں ان کو اس قدر غلو تھا کہ یا رسول اللہ کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے
والے کو کافر سمجھتے ابن عبد الوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی کا
توسل کرے وہ کافر ہے اور زیارت قبور نا جائز سمجھی جاتی تھی چنانچہ لکھا ہے
کہ ایک قافلہ "احسا" سے مدینہ طیبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت
کے لئے گیا تھا واپسی کے وقت جب "درعیہ" پہنچا جہاں وہ تھا اُس نے ان کی
یہ سزا ٹھیرائی کہ ڈاڑھیاں سب کی منڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی
کے ساتھ سوار کئے جائیں کہ دم کی طرف منہ ہو اور یہی حالت "احسا" تک رہے جہاں
ان کا گھر ہے تا تشہیر ہو جائے کہ جب شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت
کو جائے اس کی یہ سزا ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بدعت سے اُن لوگوں کو اسقدر
احتراز تھا کہ صدہا دلائل الخیرات اور دوسرے علوم کی کتابیں جلا دی گئیں
اسی میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نابینا اذان کے بعد منارہ پر باواز بلند درود شریف
پڑھا کرتے تھے ابن عبد الوہاب نے اس کو منع کیا جب انھوں نے نہ مانا قتل کر ڈالا
اور کہا کسی عورت کے گھر سے رباب کی آواز درود کی آواز سے بہتر ہے جو منارہ پر
پڑھا جائے اور مولود شریف کسی کو پڑھنے نہ دیتا صرف ونحو وفقہ وغیرہ علوم کے
مطالعہ سے منع کرتا اس کا قول تھا کہ اصل شریعت ایک تھی ان لوگوں کو کیا ہوا جو
اس میں چار مذہب کر دئے کبھی کہتا کہ قول ائمہ اربعہ بالکل قابل اعتبار نہیں اور
کبھی کہتا وہ تو حق پر تھے مگر اُن کے اتباع کتابیں تصنیف کر کے خود گمراہ ہوئے اور
لوگوں کو گمراہ کیا شیخ سلیمان بن سحیم حنبلی نے جو معاصر ابن عبد الوہاب کے

ہیں ایک استفتا کیا جس کا جواب علامہ احمد بن علی قبتانی نے دیا ہے استفتا میں لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نے یہاں اقسام کی بدعتیں نکالیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر کمر باندھی ہے منجملہ اُن کے چند یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر جمعہ کے دن اور رات میں درود پڑھنے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسی بدعت ہے کہ اس سے آدمی دوزخی بن جاتا ہے دلائل الخیرات اور روض الریاحین کے کئی نسخے اُس نے جلا دے اس کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر لفظ سیدنا کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کبھی جو قدرت ہو گی قبہ شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈہا دے گا۔ زید بن خطاب اور اُن کے ساتھ والے صحابہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا۔ غرض کہ اس کے بے باکیاں اور گستاخیاں کوئی شمار و حساب نہیں رکھتے اس سے بڑھکر کیا ہو کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کمال بے ادبی کے الفاظ کہتا ہے اور سن کر چپ رہتا ہے چنانچہ رسول کے معنی طارش کہتا ہے جو ان لوگوں کی زبان میں ہرکارہ کو کہتے تھے اور اس کی اتباع کہتے تھے کہ جو اس عصا سے کام نکلتا ہے وہ کبھی اُن سے نہیں نکلتا اور وہ ایسی باتیں سن کر خوش ہوتا اور سوائے اس کے صدہا خرافات ان لوگوں کے زبان زد تھے یہ فرقہ نجد میں اب تک موجود ہے اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ کون مسلمان ایسا ہو گا کہ ان اعتقادوں کو پسند کرے گا مگر ہمارے حضرات زیادتی کر کے ادنی احتمال پر کسی کو بھی وہابی کہہ دیتے ہیں جو قطع نظر فتنہ و فساد کے شرعاً جائز بھی نہ ہو گا۔

———— ❊ ————

متن انوار احمدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکر حق اس نظم میں ہیں وہ مضامین دلپذیر — جس سے ایماں تازہ ہو اور ہوں دل اعدا اسیر
ہے حدیثوں کا جو یہ مضمون بلا ریب و نکیر — جو محدث ہیں وہ اس کو مانیں گے ناگزیر

گرچہ یہ اشعار ہیں پر شاعری اس میں نہیں
ترجمہ منقول کا ہے خودسری اس میں نہیں

لکھا اس کو نظم میں ہرچند میں شاعر نہیں — کیونکہ خوش ہوتے تھے اکثر نظم ہی سے شاہ دیں
تھا یہی لم جو ممد حسان کے تھے روح الامیں — کعب اور ابن رواحہ کو اسی کا تھا یقیں

ذکر ختم المرسلیں اس نظم سے مقصود ہے
جو ازل سے تا ابد ممدوح اور محمود ہے

حضرت عباس نے جب نعت میں اس شاہ کی — اک قصیدہ لکھا جس سے ہو خجل سحبان بھی
سن فرمایا صلہ شاعر کو دیتے ہیں سبھی — ہم نے دی اس کے صلہ میں سلطنت اسلام کی

مل گیا پروانہ با مہر قضا اک بات میں
سلطنت کی کنجیاں دیں خانداں کے ہاتھ میں

ٹھیرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا — اور از قسم عبادت ہو جو ذکر انبیاء
پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیا مرتبا — جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا

رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولاک سے

ذکرِ نامِ پاک سے نارِ جہنم سرد ہو
بو البشر نے کی وصیت وقتِ آخر شیث کو
اور کبھی حضرت کا دوزخ میں نہ جائیگا کبھو
کہ قرین ذکرِ حق ذکرِ محمد کیجیو
وحشتِ آدم گئی نامِ شہِ لولاک سے
مردہ زندہ ہوگئے تاثیرِ نامِ پاک سے

حضرتِ آدم نے اس فرزند سے یہ بھی کہا
دیکھا ذکرِ احمدی میں ہر ملک مصروف تھا
میں تفرج کیلئے جب آسمانوں پر گیا
اور ہر اک پتہ پہ جنت کے ہے نام ان کا لکھا
سینے حوروں کے ملائک کے جبینیں تا بعرش
ہر جگہ اس نام کا ہے عالمِ علوی میں نقش

ہے درودِ پاک ہی ذکرِ شہِ عالی مقام
بھیجتا ہے خود "درود" اس فخرِ عالم پر مدام
ہر طرح سے جس کا ہے خالق کو منظور اہتمام
اور فرشتہ دائما مشغول ہیں جس میں تمام
کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

کیا فضیلت ہے پڑھے یکبار گر کوئی درود
اور ملائک کے "درود" اس پر کریں پیہم ورود
بھیجتا ہے اس پہ ستر رحمتیں ربِ ودود
ہو مدام اس کی ترقیٔ مدارج زود زود
دیکھ لیگا قبلِ موت اپنا وہ جنت میں مقام
اور ہم رتبہ شہیدوں کا رہے با احترام

محو ہوتے ہیں گنہ پڑھنے سے اس کے لاکلام
نکلیں اس کی وجہ سے دونوں جہاں کے سارے کام
دفع ہوں سب ہم و غم جو کوئی پڑھتا ہو مدام
جو پڑھے دائم رہے منصور و محبوبِ انام
ذکرِ خالق اور دعا ذکرِ نبی کے سات ہے
کیا صلوٰۃِ احمدی بھی افضل الطاعات ہے

جو وضو کیو قت حضرت پہ نہ پڑھتا ہو صلوۃ
ہے صلوۃ احمدی کامل نہ ہو ہرگز صلوات

ہے طہارت اسکی ناقص آئیں ہیں کیا کیا نکات
التحیات اسکی ہو جاتی ہے بالکل واہیات

اور جو نام شاہ دین سن کر نہ پڑھتا ہو درود
جانئے رغماً نار ہیں وہ ابخل الناس عنود

حضرت آدم کو پہلے میل طبعی جب ہوا
بولی یارب مہر کیا دوں حق تعالی نے کہا

عرض کی خاتون نے حضرت مہر ہوا اول ادا
صاحب لولاہ پر پڑھ تو درود باصفا

یعنی استحلال چاہئے درود پاک سے
تا کھلیں گل رشک افلاک و ملائک خاک سے

جتنا کل اہل زمیں پادیں عمل کرکے ثواب
لکھی جائیں نیکیاں اسکی بدولت بے حساب

لیجیے اتنا پڑھ کے دم بھر میں درود بیحساب
ساتھ اس کے جو دعا کیجیے ہو بیشبہ مستجاب

ہے فضیلت میں زیادہ تر وہ سب طاعات سے
حج سے اور صدقات سے اعتاق سے غزوات سے

جو کہ پڑھتا ہو درود اس کو شفاعت ہو نصیب
اس کا سایہ ملیگا ہوگا حضرت کے قریب

راضی ہوگا حق گواہی دینگے جب اس کے حبیب
ہووے روز عید اُس کو حشر کا روز مہیب

اور اس کثرت سے ہوگا نور اس دن اسکے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

ہے بہت سارے فرشتوں کی عبادت بس یہی
ہر جو یادیں ٹہریں اسکے گھر یہ باصدق دلی

کہ کریں دایم تلاش شخص ہمنام نبی
دیکھیے کس طرح ہے تعظیم نام پاک کی

صرف نام پاک جب ہووے ملائک کا مطاف
کیوں نہ دران کا ہو روحوں کا محل اعتکاف

جس مکاں میں موسیٰ حضرت کا وہ گھر دایما
توبہ حضرت صفی اللہ قبول اس دم ہوا

رزق و برکت سے رہے مملو اجد نشو ونما
کہ وسیلہ شاہ دیں کے نام اطہر کو کیا

خاتم حضرت سلیماں میں جو وہ تسخیر تھی
نقش نام شاہ جن و انس کی تاثیر تھی

گرچہ انکی مدح میں قرآن ہے ناطق سر بسر
رتبہ انکا کوئی کیا جانے جو دیوے کچھ خبر

وصف انکی کر سکے کیا کوئی بیچارہ بشر
عقل حیراں ہے یہاں اور وہم کے جلتے ہیں پر

ہر مسلماں چھوڑے کیونکر نعت کو بالکلیہ
پس تیرک کل مالا یدرک بالکلیہ

خود خدا نے کی ثنائے رحمۃ للعالمیں
اور جماد و جانور بھی نعت سے چھوٹے نہیں

انبیا دایم رہے مداح ختم المرسلین
بت زبان قال سے کرتے تھے وصف شاہ دیں

ہاں مگر شیطان کو شاید ہو تو ہو اسمیں کلام
ماسوا کی اس نے جب تعظیم سمجھی ہے حرام

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام
ہو جو محروم اس سے ہے ایمان اس کا ناتمام

حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
اور جو دشمن ہو تو اس کے کفر میں پھر کیا کلام

کی بذات خود خدا نے نعت جب محبوب کی
پھر ثنا دل سے کریں کیونکر نہ سب محبوب کی

کیونکہ دلمیں جب کسی کی ہو محبت جاگزیں
جس طرح ہوتا ہے دلمیں جب کسی سے بغض وکیں

اس کو بے ذکر و ثنائے دوست چین آتا نہیں
اسکی بدگوئی میں رہتا ہے سدا وہ عیب چیں

قلب کی کیفیتیں اظہار پاتی ہیں ضرور
دل کی موجیں لب پہ جوشش اپنا دکھاتی ہیں ضرور

[خ]طبہ جب ہوا منبر کا مستحکم اساس
[؟]ش صادق تھا جب دیکھا کہ ہے قربت سے یاس
اور ستوں نے جان عالم کو بنایا اپنے پاس
گریہ و زاری رگا کرتے نہ غمگین بے قیاس

قلب کی کیفیتیں اظہار پاتی ہیں ضرور
دل کی موجیں لب پہ جوش اپنا دکھاتی ہیں ضرور

[ہ]ے جو خالق کو محبت ان سے اس کا ذکر کیا
[ج]س کو ان سے ہو محبت ہے وہ محبوب خدا
ہو جو تابع ان کا اس کو دوست اپنا کہہ دیا
رتبہ اس کا پا نہیں سکتی کبھی عقل رسا

ہوگا روز حشر خود خیر الوریٰ کے ساتھ وہ
پاوے عالی مرتبہ بے کثرت طاعات وہ

[؟]ں نے حب اولیاء اللہ میں دیکھو کیا کہا
[؟]ب محبت ہو طفیلیوں سے یہ بے انتہا
کہ میں ہو جاتا ہوں ان کے چشم و گوش و دست و پا
جب شاہ مرسلیں ہو کس قدر سوچو ذرا

انتہا اس حب کی عقلوں سے ہمارے دور ہے
ما رمیت کی حقیقت جس طرح مستور ہے

الغرض یہ حمد ہے اور نعت محبوب خدا
ہو زبان پر نام احمد کا احد دل میں چھپا
لب پہ صل علیٰ اور قلب میں جل وعلا
چاہیے اب ہوں سراپا چشم و گوش اہل صفا

جلوۂ نور خدا از خود عیاں ہونے کو ہے
راز جو مخفی تھا خود صرف بیاں ہونے کو ہے

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو
فیض بخش کن فکاں گنجینۂ اسرار ہو
اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو
کنج تاریک عدم جولانگہ انوار ہو

نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال
اور محمد اس کا رکھا نام حمداً لایزال

گرچہ حضرت ہیں محمد پر تو وہ ہے خدا
لیک جب خود حق تعالیٰ نے محمد کہدیا

کیونکہ حمیلہ حمار راجع ہیں سو رب العلا
پھر محمد ہم نے گر اُن کو کہا تو کیا ہوا

عقدہ یہ کھلتا نہیں کہ کون ہیں اور کیا ہیں وہ
ہاں سمجھتے ہیں بس اتنا برزخ کبریٰ ہیں وہ

حمد ہے اس خالق کون ومکان کو بیحد
اور مقام ان کا کیا محمود با صد شد و مد

جس نے اُن کو کر دیا ذاتِ محمد تا ابد
پھر بنایا ان کو حامد اپنا وہ ربِ صمد

تھی جو اصل خلق بس لایق انہیں کے تھا یہ کام
تا ہو ان کا حمد سب کے حمد کے قایم مقام

الغرض اس نور سے پیدا کیا عالم تمام
نام ان کا لیکے نبیوں نے نکالے اپنے کام

لکھا پھر ہر جا کے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام
دی یہ شہرت انکو تا جانیں انھیں سب خاص و عام

وہ نبی اسوقت تھے کہ آدم آب و گل میں تھے
جان جب آئی نہیں وہ جانیں زباں پر دل میں تھے

پھر کیا یک شان سے آدم میں آکر جلوہ گر
پھر ملایک سے کرائے سجدے با صد کر و فر

رکھا پیشانی میں تا ہو سجدہ گاہ بو البشر
اور لیا اقرار سب پیغمبروں سے معتبر

کہ وہ ختم الانبیا اور خیر خلق اللہ ہیں
ہیں وہ شمس الانبیا گر انبیا سب ماہ ہیں

تھا جو منظورِ خدا ہو منتقل اس کا ظہور
جو کہ قابل تھا ہوا اس نور کا اس میں مرور

منتقل ہوتے دیگا اولاد آدم میں وہ نور
جسمیں آیا وہ ہوا اُس جا کرامت کا وفور

اس کی ٹھنڈک سے کہیں گلزار بن جاتی تھی نار
حسن کی گرمی کہیں کرتی دلوں کو بے قرار

الغرض بہر ظہور نور عین جان و دیں
تاکہ ہووے مطلع اس رمز سے اہل یقیں

ٹھیرے عالم میں عرب منظر رب العالمیں
کہ ہے جسمانی تعین کا عبور اور کچھ نہیں

گو مقر اس کا عرب ہے پر وہ کل کا شاہ ہے
سایہ گستر دو جہاں پر ایک ظل اللہ ہے

رفتہ رفتہ صلب عبد اللہ میں آیا وہ نور
عشق سے ہونے لگے دل قابلوں کے چور چور

جلوہ گر اس میں ہوا جس وقت مثل شمع طور
یعنی شیدا ہوتی تھیں ان پہ زنان شکل حور

پر ہر اک عورت قریں ہر شرف ہوتی نہیں
قابل یک دانہ گوہر ہر صدف ہوتی نہیں

اس امانت کیلئے تھیں آمنہ خاتون بی
رکھا ایماں کا مادہ ان میں تھا پہلے سے ہی

آمنہ بھی تھیں ہر طرح سے جو کہ وہ اُم نبی
پھر تو پھیلی دین و ایماں کی انہیں سے روشنی

جس کے ہو فرزند وہ اس کو شرف کیونکر نہو
گوہر نایاب سے فخر صدف کیوں کر نہ ہو

گرچہ رسم جاہلیت ان دنوں تھا بیشتر
اس سے سب تھے بری اس رسم سے تا بوالبشر

لیک تھا حافظ خدا اس خانداں کا سر بسر
پس نکاح ان کا ہوا دین خلیل اللہ پر

تھی یہ وہ شادی کہ جس کی آسماں پر دھوم تھی
تہنیت کی ہر طرف کون و مکاں میں دھوم تھی

تھا فقط منظور کھلانا بشر ورنہ وہ نور
اس کو رحم مادر و صلب پدر رکھتے کیا ضرور

جس کی دولت آدم و جملہ جہاں کا ہے ظہور
عقل عاجز ہے یہاں و فہم ہے جفت قصور

جب خدا قدرت نمائی کا کوئی ساماں کرے
کیا ہی جز تسلیم مقدور اور جو انساں کرے

یہیں ہوں ابن دو ذبیح ارشاد حضرت نے کیا
اور عبد اللہ جو ہیں والد خیر الوریٰ
یعنی اسمٰعیل جو جد عرب ہیں برملا
ذبح کرنے کیلئے تھا باعث الہام کیا

اس میں یک نکتہ ہے یعنی جس کے ہو ایسا پسر
باپ دادا چاہیئے قربان ہوں اس پر سربسر

الغرض وہ نور پاک حضرت خیر الوریٰ
شام مثل صبح گھر سے آپ کے روشن ہوا
شمس کے مانند جب برج حمل میں آگیا
بلکہ تھی ساری زمیں اسوقت واں چہرہ نما

ہو نہ کیونکر روشنی تھی آمد عالی جناب
صبح صادق چاہیئے قبل طلوع آفتاب

پھر تو ہر جانب سے عالم میں بشارت کی تھی دھوم
اور تھے یوں نغمہ سرا سب نکتہ سنجان علوم
پڑھتے تھے اشعار ہاتف تہنیت کے جھوم جھوم
کہ مٹے جاتے ہیں اب سارے نحوست کے رقوم

ہاں رہیں ہشیار ظاہر حق ہوا چاہتا ہے اب
ہے یہ قطعاً صدر باطل شق ہوا چاہتا ہے اب

تھے جہاں بتخانے بت واں سب نگوں سر ہو گئے
سبزے لہرانے لگے دن قحط کے سر ہو گئے
اٹھے اورنگ جہاں باناں خود سر ہو گئے
قلعہ ہائے دولت و اقبال سب سر ہو گئے

کشت عالم سبز ہے باد بہاری آتی ہے
صاحب انا فتحنا کی سواری آتی ہے

صرف اہل عقل ہی میں تھا نہ اس کا اہتمام
کوئی تو کہدے سنا ہے اس طرح کا جشن عام
وحشیوں میں بھی مبارکباد کی تھی دھوم دھام
ابتدائے عالم تکویں سے تا یوم القیام

ہو گی اخلاق جہاں کو ان دنوں کیسی خوشی
جس کے پرتو سے عیاں تھی ہر طرف ایسی خوشی

جب ولادت کا زمانِ باسعادت آگیا
بانڈیں حوروں نے پرے جس سے تھا سارا گھر بھرا

پہنچیں خدمت کیلئے جلدی سے مریم آسیا
اور ملایک آفتابے کھڑے تھے جابجا

شب برات وقار ہو جس پہ فدا کیا رات تھی
تھا نمایاں جلوہ شانِ خدا کیا رات تھی

بس وہ نورِ پاک رب العالمیں پیدا ہوئے
جانِ عالم قبلۂ اہلِ یقیں پیدا ہوئے

سیدِ کونین و ختم المرسلیں پیدا ہوئے
شکر ایزد رحمۃ للعالمیں پیدا ہوئے

دھوم تھی عالم میں خورشیدِ کرم طالع ہوا
ہاں کریں تعظیم اب نورِ قدم طالع ہوا

پھر تو سب اصنام سر کے بل زمیں پر گر گئے
اٹھ گئیں ناریں پڑے بیکار سب آتشکدے

اور گرے ایوان کسریٰ کے بھی کتنے کنگرے
واسطے تعظیم کے تارے بھی سارے جھک گئے

تھا غرض تعظیم کا ارض و سما میں اہتمام
کوئی راکع کوئی ساجد کوئی تھا صرف قیام

سامعیں سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا
وہ معین روز روزِ عید ٹھہرایا گیا

تھا ذبیح اللہ کا فرحت فزا جو واقعہ
تہنیت کے سب رسوم اس روز ہوتے ہیں ادا

روزِ میلادِ نبی جس میں تھا وہ کچھ اہتمام
ہو نہ کیونکر واجب تعظیم پیشِ حق مدام

مجلسِ میلاد بھی جاگی ہے وقتِ خاص کی
پھر بھلا تعظیم وقتِ ذکرِ میلادِ نبیؐ

جیسی حسبِ حکمِ خالق خلق نے تعظیم کی
ہو خلافِ مرضیِ حق یہ نہیں ممکن کبھی

حق تعالیٰ تو کرادے سجدے باصد عز و شان
اور کھڑا رہنا ہو ناجائز یہ کیسا ہے گمان

بولہب جس کے ہے ذم میں سورۂ تبت یدا
ہو کے شاداں انت حرۃ اذہبی اسکو کہا
مژدۂ میلاد حضرت جب ثوبیہ سے سُنا
ساتھ اس کہنے کے اس کا ہاتھ بھی کچھ ہلگیا

عین آتش میں ہے جاری آب اس کے ہاتھ سے
جس کے پینے سے ہے تسکیں پیاس کے صدمات سے

یہ اثر اللہ اکبر مجلسِ میلاد کا
پھر جو ایماں بھی ہو ساتھ اس جشن کے سو چند را
کفر و دوزخ میں ہو جسکی آبیاری برملا
مبغضوں کی طرح کیا محروم وہ رہجائیگا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں
یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

پھر ہوا ظاہر مکاں میں ایک نورانی سحاب
اور منادی نے کیا پھر غیب سے یوں خطاب
چھپ گئے سردار عالم اسمیں مثلِ آفتاب
جلوہ گر سارے عالم میں انہیں کر دے شتاب

تا خدائی جملہ ان کو دیکھ لے پہچان لے
یعنی ہر ایک اپنے آقا کو بخوبی جان لے

پس ہوئے حضرت روانہ جانب بر و بحار
پھر ہوئے روحانیوں کی سمت شاہِ دیں سوار
تا کہ حیوانات بر و بر کو دیں افتخار
تا کہ ارواح ملا ایک کو بھی کر دیویں شکار

پھر تو ہر ایک کی زباں پر تھا کہ لو معراج ہے
رویت نور خدا ہم کو میسر آج ہے

پھر حلیمہ وہ کہ جن کا خاندان تک سعد تھا
داہنی جانب کا ان کے دودھ نوشِ جاں کیا
آئیں خدمت میں تو دیکھا آنکو شہ نے مسکرا
جانب چپ اُن کے بچے کیلئے رکھی بچا

طفل بھی گر تھے تو دانش تھی طفیل ان کی رسا
عدل و احسان و کرم تھی جلوہ گر صبح و مسا

شاہ دیں کو پھر سواری کے جو لائیں متصل — تین سجدے شکر کے اُس نے کئے باصدق دل
پھر بڑہی سب سے اگرچہ تھی بہت ہی مضمحل — یہ عجائب دیکھکر سب ہوگئے تھے یابگل

بولی تم کچھ جانتے ہو میرا راکب کون ہے
آج میں وہ ہوں کہ مجھ پر شاہ ہر دو کون ہے

جب یہ ارض و سما کو لائیں خاتون اپنے گھر — تھے یہ گہوارہ جنبانی ملک باندہے کمر
دل کے بہلانے کو تھا حلقہ بگوشانہ قمر — جس طرف کرتے اشارہ ساتھ ہی جھکتا اُدھر

تمہاریں بھی ہیں تو سیر عالم ملکوت ہے
فکر تمہید جہاد رونق ناسوت ہے

جب ہوا رفتار کا عزم اک تماشا تھا ہوا — خاک کی پا بوسیاں تھیں دم بدم رشک سما
دھوپ میں رہتا تھا سر پر ابر رحمت چتر سا — یا چھپا لیتا تھا منہ خورشید از خود حیا

تابش خور رنگی رحمت سے ہو کیونکر قریں
زیب خاور عرش کی زینت سے ہو کیونکر دیں

پھر تو شاہ بحر و بر کا جس طرف ہوتا گذر — سجدہ تعظیم کرتے جھاڑ۔ پتھر۔ جانور
تھے جو مرفوع القلم کرلیتے سجدے بے خطر — بلکہ تھا کچھ حکم خالق ہی انہیں اس طور پر

ورنہ یاں تو تھا تواضع کا کچھ ایسا اہتمام
کر نہیں سکتا تھا کوئی دست بوسی یا قیام

پھر جو چاہا حق نے اظہار نبوت برملا — حالتیں پھر وہ کہاں نقشہ دگرگوں ہوگیا
عالم اسباب کی تاثیر کا خاکہ کھنچا — اور دبستاں عبدیت کے رسم و آئیں کا کھلا

آفتاب حسن پر ابر تعصب چھا گیا
دیدہ خفاش کا پردہ دلوں پر آگیا

یعنی اہل کفر کی ہر سمت سے یورش ہوئی
کافروں نے کوئی بھی ایذا رسانی میں نہ کی
در پئے آزار ختم المرسلیں تھا ہر شقی
جس سے ایذا خود خدائے پاک کو ہونے لگی

پھر تحمل آپ کا قدرت خدا کی تھی عیاں
صبر تھا یا سر بسر رحمت خدا کی تھی عیاں

اک اشارہ سے بھلا شق القمر جس نے کیا
پر فقط اخفائے اسرار خدا منظور تھا
اسکے آگے لشکر کفار کا کیا حوصلہ
دیکھ لو الحرب خدعہ سے اشارہ کر دیا

پھر پہاڑوں سے بھلا تائید لیتے کس طرح
اور ملایک کو مدد کا حکم دیتے کس طرح

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدمے اس قدر
ورنہ جو مسجود اک عالم کا ہووے سر بسر
تب کیا دعوی کہ میں بھی ہوں تمہیں سا ایک بشر
اہل ذاتش کس طرح رکھتے وہ دعوی معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اغیار سے
پھر بھی بست متکلم فرما دیا اخیار سے

از لیں ز آخریں کا علم گو موجود تھا
تھی غرض تعلیم گو کرتے تھے شورے ظاہرا
پر بسبب مصلحت کرتے تجاہل بارہا
حق نے لم تعلم اللہ کر کہا تو کیا ہوا

حوصلہ چاہئے عالی چشم پوشی کے لئے
چاہیئے ہو شرح صدر ایسی خموشی کے لئے

جتنے تھے اصحاب سب جانتے تھے بالیقیں
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں
کہ ہیں واقف موت سے ہر ایک لشکر کے شاہ دیں
جسکی جو مرنیکی جا ٹھیراتے وہ فرمادہیں

اہل خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

دست کی توصیف میں ہیہات قاصر ہے زباں
کل خزانوں کی انہیں ہاتھوں میں ہیں سب کنجیاں

کیونکہ دستِ عقل خود پہنچا نہیں اتنا وہاں
اور انہیں ہاتھوں سے ہو گی فتح ابوابِ جناں

ہو تصرف کیوں نہ پھر اس ہاتھ کا اکوان میں
جس کو خالق نے یداللہ کہدیا قرآن میں

تھا نظر سے شاہِ دیں کے قدرتِ حق کا ظہور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور

یعنی تھا پیشِ نظر یکطور پر نزدیک و دور
یکساں تھی چشمِ نورانی کو تاریکی و نور

دیکھتے تھے واقعے روزِ قیامت کے عیاں
جس طرح ہیں دائما احوالِ امت کے عیاں

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر
کہ شبِ یلدا میں دس فرسخ پہ چیونٹی ہو اگر

گو نہ دیکھا حق کو تس پر بڑھ گئی ایسی نظر
دیکھ لیتے طور کی رویت کا تھا یہ کچھ اثر

پھر جو خود اللہ کو دیکھا شہِ دیں نے دو بار
کون سی شے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار

غزل

تبارک اے چشم کز تو دیار نبیہا دیدہ ام
مرحبا اے گوش کز تو قربہا نشنیدہ ام

اے نگاہم تا بطوف گنبد خضرا ستی
دل بصد جانت مصروف طواف دیدہ ام

اے مشامم حمد اجزائے دماغم محو تست
بوئے انس از خاک پاک تا بتو بوئیدہ ام

اے دل رہبر فدایت باد سر تا پائے من
گر طفیلت دیدہ ام لطفیکہ اینجا دیدہ ام

زیر بار منت او گردنِ من ہست خم
تا بریں درگہ فرود آمد سر شوریدہ ام

از پئے بوسہ ہم خم میشود بر پائے من
زانکہ از سعیش رسید اینجا تن کاہیدہ ام

خندہ ام باد فدائے مقدمت اے گریہ ام
زاب یاری تو من بر خویشتن بالیدہ ام

کے تواند چشم گریانم ادا شکر تو
اے دہاں اینجا بتو من شادماں خندیدہ ام

اے لبانم جان من مرہون احسان شماست
زانکہ از وجہ شما ایں عقیدہ را بوسیدہ ام

چشم من فرش قدومت اے خیال یار من
کز تو شد بیدار بخت روز ہا خوابیدہ ام

مردم چشم زدست من بجاں منت کش اند
گرد کوی یار تا بر روے شاں مالیدہ ام

قامتم گشتہ دوتا از بار احسان سرم
جبہہ را تا بر سر خاک درش سائیدہ ام

ہست ممنونت سراپایم کہ از تو بر درش
ایستادم با ادب اے قامت بگزیدہ ام

انورا اینجا فدا ے خود خودم در بیخودی
سخت حیراں بودہ ام از حالت پیچیدہ ام

غزل

تشنہ کاماں در جوار آب حیواں آمدیم
پیش عیسی استخوانے چند بیجاں آمدیم

گرچہ از روز ازل خود زیر فرماں آمدیم
حالیا از فیض لطفش زیر داماں آمدیم

خواہ بخشی خواہ بکشی ما بصد شوق و ہراس
با امید و بیم تو خنداں و گریاں آمدیم

ہر کسی را میکشد میلش بخوبی در جہاں
ما بحمد اللہ پیش شاہ خوباں آمدیم

رحمتی بر حال زار ما کہ از دور و دراز
زیر بار معصیت افتاں و خیزاں آمدیم

بر مساکیں ہم نگاہے تا شود رفع علل
اے دوائے دردمنداں بہر درماں آمدیم

گریہ بر خود کردنی چوں بود حال زار ما
بیخودانہ زیں سبب چوں اشک غلطاں آمدیم

ما کجا و ذات پاک تو کجا لیکن ز دور
ذرہ آسا در ہوائے شمس رقصاں آمدیم

سرخ رو آمد ہر آنکو در مدینہ آمدہ است
ما ہم انورا آمدیم اما پشیماں آمدیم

غزل

ہر کسی را با تو رازے دیگرے ناز و انداز و نیازے دیگرے
شمع آسا دم بدم عشاق را میرسد سوز و گدازے دیگرے
عاشقانرا با تو خلوت گاہ دوست ہست پنہاں ترک تازے دیگرے
میرسد در راہ پیچاپیچ عشق ہر زماں نشیب و فرازے دیگرے
ہست صناعی کہ صنعش میدہد ہر عدم را امتیازے دیگرے
عاشقانرا در بیاں رازہاست ہر حقیقت را مجازے دیگرے

انور افتادہ را اے دستگیر
نیست جز تو چارہ سازے دیگرے

غزل

بجسم پاکیزہ تر ز جانی بجا چہ گویم کہ جان جانی مرا چہ یارا کہ گویم آنے برون ز تخمین ہر گمانی
کلیم مدہوش لن ترانی حبیب مامور من رانی بمرتبہ فرق در میانی از انست ظاہر چنانکہ دانی
بیکدم از لطف کبریائی جمیع افلاک طے نمائی عجب ترانکہ ز عرش آئی بکاخ چہ بیں ام ہانی
تو اولیں نور کبریائی باحمدی نیز دل ربائی ہر آنچہ وصفت کنم سزائی کہ مبداء امر کن فکانی
یکے سہی حق تو باشی آندم کہ نفسی نفسی بگوید آدم ترا چہ نسبت بود بہ عالم مگر پے مصلحت ازانی
فلک حبابی ز بحر جودت نمی بحار از یم وجودت خیال گل از گلشن نمودت تو اصل ایجاد دو جہانی
زمین و افلاک فرش راہت مقام محمود جائگاہت ملائک و انس و جان سپاہت تو در عوالم شہ نہانی

بکوے تو افتادہ انور ز کار ماندہ بحال ابتر
ببخش اے شاہ بندہ پرور ہر آنچہ میخواہی میتوانی

غزل

الهی آنکه نامش را بنام خویشتن ضم کردی
مرا سویش نمودی ره چه با من کرم کردی

جزاک الله خیر اگر جفا کردی ستم کردی
هزاران جور بر عشاق کردی باز کم کردی

بلال این خم که میداری بدین حسن از چه رو باشد
نگارا بر رخ یارم دیده تا پشت خم کردی

ولا تسلیم زلفی شو که صد چین است تسخیر خوش
مرا یا آهوت خواهم اگر زین دام رم کردی

بیک تیر نگاهت یافت تسکینی ز بیتابی
هزاران لطف احسان بر دل بیچاره ام کردی

تماشای تیغ ابرویت بود اینها که می گویم
که سر هرگز نه پیچم گر جدا از تن سرم کردی

روان تا ساحل مقصود کردی کشتی ما را
بسی لطف و کرم بر جانم ای چشم ترم کردی

بشادی می توان مردن بکوی یار ای انور
نباشی لایقش گر بار دیگر چشم نم کردی

غزل

ای آنکه تجلی نخستین خدائی
یا حسن که داری بکسی رو ننمائی

تعلیم توجه حملی که آن فوج ملائک
مجروحی و از بهر چرا لب نگشائی

گردید همه سر نهفته ز تو مکشوف
آئینه روشن گر اسرار خدائی

آرام بهشت را نرسد وهم فلک هم
هر چند که در خیمه گه ارض و سمائی

زان وجه که دوری نتوان یافت بحقیقت
زین طرفه که با این همه نزدیک بمائی

بودی که بما هست نشان میدهد از تو
از ما نشدی دور که گوئیم کجائی

باز آی و نگاهی بکن از لطف بر انور
رفتی نه چنان دور کز آن باز نیائی

غزل

یا الهی دل زدستم می برد این بوی کیست
وین ره آورد جانهای عزیزان سوی کیست

یارب این شور صد شام غریبان موی کیست
فتنهٔ روز قیامت قامت دلجوی کیست

والضحی را وصف می یابی که قصد روی کیست
معنی واللیل میدانی که آن گیسوی کیست

کیست آنکو روضه اش گردید بیان شد مشتاق
سجده گاه آسمانها بر زمین مشکوی کیست

بازگه مانی ای قمر یا منظرت شد دلپذیر
وین حکایت از هلال عید از ابروی کیست

آنکه خوانندش رحمة للعالمین رب العلی
شهر معنی را از آن دریا بنا هم خوی کیست

هرکه میجوید احد گوییش محمد را بجوی
تا کشاید بهر شما این معنی که حب و جوی کیست

ناصحا گویی که تسکین دل آواره کن
آنکه دل گم کش باشد بیک در قابوی کیست

از فسرده وضع تسکین دلم هرگز مجوی
از نفس هردم نمیدانی که های و هوی کیست

انور اقصد تقرب با سگ کویش کنی
هیچ میدانی که آن سگ پاسبان کوی کیست

غزل

شکر لله که سرم بر در کاشانهٔ تست
جان آتش زدهٔ هجر تو پروانهٔ تست

دیده تا روی تو مدهوش فتاده است زمین
رقص افلاک بیک جرعهٔ پیمانهٔ تست

موقف جن و ملک بارگه عام تو هست
دل کس نیست بجائیکه نهانخانهٔ تست

دل عشاق فقط حجله گه یاد تو نیست
در عوالم همگی شهرهٔ افسانهٔ تست

رو کسی را نمائی و دلش صید کنی
دلبری شیوهٔ انداز جداگانهٔ تست

عاشقا هیچ مترس از سخن دانشمند
عقل خود حلقه بگوش دل دیوانهٔ تست

سد راہت نشود جور حسود و ناصح — لطفِ حق پیش رو ہمت مردانہ تست

در دمی قلع مرضہاے درونیت شود
انورا کوے مدینہ چو شفا خانہ تست

قصیدہ نعتیہ

محتاج گدا چو کند اہلِ کرم را — از سکہ بود دام دل آویز درم را

از مہر فزا سعی کند ہم تگ کافور — خورشید بکف مشعلۂ نور ظلم را

کے جز بہ عرق ریزی اجرام توان شد — آرائش انواع حلل خاک زرم را

از فیض دل نطق سرا منبع الہام — منقار نوا سنج بود چوب قلم را

افراشتہ زیامردی روح ملک اسپاہ — برخاک فتادہ تن افسردہ علم را

استادہ ازل محض پے تربیت شاں — آرد بہ بار بستان وجود اہل عدم را

بینی طبق چرخ پر از انجم رخشاں — ہر صبح نثار لیست چنیں خاک زرم را

خورشید پے آنکہ دہد نور بسایہ — در راہ تعقب نہ کند سست قدم را

در کام جبد نفس بصد حیلہ بریزد — بے منت او اذالذت اصناف نعم را

گر طفل ز مادر رسد در راہ تغافل — از شیر بمہرش کند آمادہ سقم را

رو تابد ہم سر کشد از مہر بہ تو — لیک او بعطارہ ندہد کاہش کم را

زاں سال کہ زآرام گہش رحمتِ عالم — کردہ پے بہبود جہاں رنجہ قدم را

مطلع دوم

اے نیر برج شرف اسرار قدم را — سوزندہ بیک دم زدن اظلام عدم را

مہر شرفت راز شرف نیست ہبوطے — گو چند خساں قدر ندارند خدم را

زاں سان کہ محاق ہست باررزد بفلک کان — زایم کند انگشت نما یاد ر اتم را
سر باز بجا نادہ است کہ تابار و ثنی سر — زاں ورکہ برآں سر بسجود است صنم را
نام تو بجالش چو زناد ست بکوشش — زہرہ ہمہ تن آب شود شیر اجم را
عزمت چو قمر زہرۂ شیران بشگافد — انست بر داز آہوے وحشت زدہ رم را
عشاق ورت شان نظر انداز نماید — حوران کہ بیارند بجلوہ خم و چم را
کیف عجبش را بار آرد ز تناہی — کمیا بہ باضعاف رسیدہ ز تو کم را
طبعت چو شود ملتفت خاطر اصلاح — از تعذیہ چارہ نبود قوت سم را
زاں بحر سخاوت کہ محیط است بعالم — نم سرزدہ نام پدید آمدہ یم را
آں روز کہ حق منبر اقبال تو آراست — افراشت پئے ظلگیش ہفت خیم را
آں کیست کہ گوئے سبق از تو برباید — گو طے بکند اشتر رقصاں رہ یم را
از فیض گدایان تو گردونشہ شامل — ہم پہلو خاک آنکہ کند منبر جم را
مدحے کہ زند زم باصابت زرہ فخر — از فکر و نظر در ہفر اشت علم را
واں مدح کہ نازند حریفاں بادائش — نسبت بجناب تو شبیہ آمدہ ذم را
برنعت نہ ہر خیرہ سرے چیرہ تواں شد — منطق نہ تواں کرد بلفظ جار را ضم را
بالغز رہیست ایں نتواں رفت گراں سر — زیبا کہ زسر باز تراشندہ قدم را
نے ہیچو کسانیکہ سپردند ہمیں راہ — لیکن ز سر فخر عصا کردہ منم را
زانرو کہ خطا سرزدہ زانہا بفزونی — آنجا کہ خجالت بود افزونی ہم را
بل از سر بحریکہ ز ہستی بار آرد — ہستی نبود نیز براں محض عدم را
تا بیخودی باخود نہ تن نعت تواں شد — ذرے بر تو ش انوار دہد ست ظلم را
نعتت چو ہیم و مادح سر ایم ازاں ہم — از لے سرو پائے کہ خود صورت نم را
بافعلیت حسن تقی کار من ار رہن — دادیم من و کار بہر تہلکہ ہم را

در نعت تو با فکر ردیف است خیالم
ورنہ نہ چہ سروکار رہی را بچنیں ہا

زان سانکہ بجستم زپئے قافیہ غم را
آقا تو رہانی زغم وفکر اہم را

عمریست کہ از عشق تو دم میزند انور
قربان تو در کارکن ایں تیغ دودم را

قطعہ تاریخ طبع کتاب انوار احمدی از محمد مظفر الدین معلے

قطعہ اردو

حضرتِ انوار اللہ نے جو لکھی یہ کتاب
مصرعہ تاریخ طبع اس کا معلی نے لکھا

ہیں مضامیں اسکے پر گنجینۂ اسرار سے
پر تقدس ہے دو عالم احمدی انوار سے
۱۳ ھ ۲۴

قطعہ فارسی بصنعت تخرجہ

مضمونِ ایں کتاب زارشاد بادشاہ
مالیدہ چشم اعمش جاہل ببیں منش

مملو ز فیض اقدس لمعات سرمدیست
پر نور دل ز جلوۂ انوار احمدیست
۱۳ ھ ۲۴

قطعہ فارسی بصنعت تدخلہ از محمد اکرام علی بودھنی

کرد ایں کتاب حضرت استاد من رقم
از غور وقت صحت کاپی شد ایں یقیں
اکرام سال طبع بگو از زبانِ جان

از انتخاب دفتر اخبار احمدی
ہر حرف اوست اوست گوہر شاہوار احمدی
زیبا کتاب روشن انوار احمدی

۱۳ ھ ۲ع

۱۳ھ ھ ۲۳

تمام شد

تذکرۂ محبوبین

شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

علمائے اسلام میں حضرت حاجی صاحب کا پایہ بہت بلند ہے یہ اس زمانہ میں موجود تھے جبکہ ہندوستانی مسلمانوں کی قومی زندگی کا نہایت پر آشوب دور تھا چھ سو سال اسلامی حکومت پر انگریز رفتہ رفتہ قابض ہوتے جا رہے تھے ایسے زمانے میں حضرت شیخ المشائخ نے ان حالات سے متاثر ہو کر روحانیت اور سیاست کے امتزاج سے ایک ایسی جماعت قائم کی جو ایک طرف علم و عرفان اور رشد و ہدایت کی شمعوں کو روشن کرنے والے اصحاب تھے اور دوسری طرف جنگ و پیکار کے شہسوار بھی تھے ان کے مساعی سے جو کچھ ہوا یہی ہوا کہ انگریزوں کی حکومت رہی مگر کمزور حالت میں رہی اور دوسری طرف ملک کے ہندو مسلمان اپنے تعلیمی اداروں کے ذریعہ ملک سے جہالت کو دور کرنے کی انتھک کوششوں کو شروع کرتے رہے یہاں تک کہ ہر ہندوستانی کے دل و دماغ میں انگریزوں سے مخالفت بس گئی جس کا نتیجہ ۱۹۴۷ء کا ہے جس میں ہندوستان انگریزی تسلط سے آزاد ہو گیا۔ یہ سب کچھ حضرت شیخ المشائخ اور آپ کے مسلم اور غیر مسلم ساتھیوں کی انتھک کوششوں کا محمود نتیجہ ہے۔

ولادت و نام و نسب حضرت شیخ المشائخ دوشنبہ کے دن ۲۲ صفر المظفر ۱۲۳۳ ہجری مطابق ۱۸۱۷ء نانوتہ میں پیدا ہوئے والد ماجد نے امداد حسین نام رکھا تاریخی نام ظفر احمد (۱۲۳۳ھ) ہے حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی نے آپ کا نام امداد حسین کے بجائے امداد اللہ تجویز فرمایا اور پھر یہی نام زبان زد ہو گیا۔

خاندان حضرت شیخ المشائخ نسباً فاروقی تھے آپ کا سلسلہ نسب پچیس ۲۵ واسطوں سے سلسلہ تصوف کے مشہور بزرگ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ سے ملتا ہے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ محمد امین ہے مولانا شیخ محمد محدث تھانوی آپ کے عم جد تھے جن کے اجداد اورنگ زیب کے عہد سے انقلاب ۱۸۵۷ء تک تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) میں برسر اقتدار رہے اس سلسلے کی آخری کڑی قاضی عنایت علی خاں تھے جنہوں نے

۱۸۵۷ء میں "شاملی" کے مقام پر شہید ہوئے

تعلیم و تربیت

حضرت شیخ المشائخ کے تین بھائی اور ایک بہن تھیں باوجود اس کے آپ کی والدہ ماجدہ کو حضرت شیخ المشائخ سے بیحد محبت تھی جب یہ سات سال کے ہوئے تو والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا اور مولانا مملوک علی نانوتوی جن سے آپ کا ننھیالی تعلق تھا دہلی کے عربک کالج میں مدرس تھے - ان کے ہمراہ تحصیل علوم کے لئے دہلی تشریف لائے چند مختصرات فارسی تحصیل فرمائے اور کچھ صرف و نحو اساتذہ عصر کی خدمت میں حاصل کی اور مولانا رحمت علی تھانوی سے تکمیل الایمان شیخ عبدالحق دہلوی کی قرارت اخذ فرمائی۔

شمائم امدادیہ میں لکھا ہے کہ :-

بالہام غیبی و بجذبہ و لذت کلام نبوی مشکوٰۃ شریف کا ایک ربع قراۃ حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی پر گزرانا اور حصن حصین و فقہ اکبر امام ابوحنیفہ قراۃ حضرت مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے اخذ کیا یہ ہر دو بزرگوار ارشد تلامذہ حضرت مفتی الہی بخش کاندہلوی کے تھے اور مفتی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد تھے - مثنوی مولانا رومؒ آپ نے شیخ عبدالرزاق سے پڑھی جو مفتی الہی بخش کاندہلوی کے ایک واسطے سے شاگرد تھے مثنوی شریف سے آپ کو تمام عمر بڑا شغف رہا۔

بیعت

حضرت شیخ المشائخ کو بہ زمانہ قیام دہلی حضرت مولانا نصیرالدین دہلوی جو طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے مسند نشین تھے ان سے عقیدت ہوگئی اور آپ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے اس وقت آپ کی عمر (۱۸) سال کی تھی۔

خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا

کچھ عرصہ کے بعد حضرت شیخ المشائخ نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس آراستہ ہے شیخ المشائخ مجلس نبوی میں حاضر ہونا چاہتے تھے مگر غایت ادب کی وجہ سے قدم آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اچانک آپ کے جد امجد حضرت حافظ بلاقی تشریف لائے اور آپ کا ہاتھ پکڑا بارگاہ نبوی میں پہنچا دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں آپ کا ہاتھ لیکر حضرت میاں جیو نور محمد جھنجھانوی کے حوالے فرما دیا۔

شیخ المشائخ فرماتے ہیں کہ :۔

میں جب بیدار ہوا تو پریشانی کا عجب عالم تھا میں اس وقت جھنجھانہ سے واقف نہ تھا کئی سال اسی طرح گزر گئے آخر مولانا محمد قلندر جلال آبادی کی رہنمائی میں حضرت میاں جیو رح کی خدمت میں حاضری کا موقع نصیب ہوا، دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی صورت ہے جو خواب میں دکھلائی گئی تھی۔

حضرت میاں جیو رح نے مجھے دیکھکر فرمایا کہ کیا تمہیں اپنے خواب پر یقین ہے؟

یہ پہلی کرامت تھی جو مشاہدہ میں آئی، میرا دل بکمال استحکام حضرت میاں جیو کیجانب مائل ہوا

فضل و کمال

حضرت شیخ المشائخ تیرہویں صدی ہجری کے نامور مشائخ اور مشہور عالم دین بزرگ ہیں قدرت نے ان کی ذات میں فضل و کمال اور جامعیت کے تمام اوصاف و خصوصیات جمع کردیے تھے علماء و مشائخ کے سوا بہت سے عوام کو ان سے بڑا نفع حاصل ہوا۔

حضرت شیخ المشائخ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیحد محبت تھی ہمیشہ مثنوی شریف اسرار و حقائق کا درس دیتے تھے یہاں تک کہ آپ میں یہ کیفیت پیدا ہوجاتی تھی کہ وہ ذات مطلق کے جمال کا قلب کی آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے خلق سے بے نیاز ہوجاتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ کے فضل و کمال کے قائل تھے۔

ایک مدت پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر ریاضت و مجاہدہ کے بعد سلوک کی تکمیل فرمائی اور خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے۔

سفر حج

۱۲۶۰ھ (۱۸۴۲ء) میں آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو طلب فرما رہے ہیں فرط شوق میں زاد راہ کا بندوبست بھی نہ فرما سکے اور خالی ہاتھ روانہ ہوگئے۔ ۵ ذالحجہ کو آپ کا جہاز جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا ارکان حج کی ادائیگی کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کی خدمت میں کچھ عرصہ قیام فرما کر فیوض و برکات حاصل کیے بعد ازاں مدینہ منورہ میں روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سوز دروں کو تسکین بہم پہنچائی واپسی میں کچھ دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں وطن مراجعت فرمائی۔

مریدین

حج سے واپسی کے بعد دن بدن حضرت شیخ المشائخ سے لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا اور کثرت سے لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتے گئے یہاں تک کہ بہت سے اہل علم اصحاب بھی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا یعقوب، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ حاجی محمد انوار اللہ فضیلت جنگ علیہ الرحمۃ شامل تھے

انقلاب ۱۸۵۷ء

انگریزی حکومت کی وجہ سے ہندوستان کے ہر حصے میں جبر و استبداد لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہونے سے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ایک عام مہم جاری ہوئی جس میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا گیا اور حضرت شیخ المشائخ امام اور امیر جہاد قرار پائے مگر کامیابی نہوئی بالآخر بہت سے علماء اس انقلاب میں شہید ہوئے اور جو بچ گئے ان میں سے بعض گرفتار رہے اور بعض روپوش ہوگئے اور حضرت شیخ المشائخ ۱۲۷۶ھ م ۱۸۵۹ء میں ہندوستان سے ہجرت فرماکر حرم کعبہ میں پناہ گزیں ہوگئے۔

حضرت شیخ المشائخ کا مکہ مکرمہ میں قیام

حضرت شیخ المشائخ پنجاب کے راستہ سے حجاز روانہ ہوئے کوہ صفا پر اسمعیل سیٹھ کی رباط میں قیام فرمایا۔

قیام مکہ مکرمہ کے مشاغل

حضرت شیخ المشائخ نے ۱۲۷۶ھ م ۱۸۵۹ء میں ۴۳ سال کی عمر میں ہجرت فرمائی ۴۱ سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور پوری مدت مسترشدین کی تربیت باطنی و افاضہ میں گزری جسکی وجہ سے آپ کے حلقہ ارادت میں ہندوستان و عرب کے علاوہ مختلف ممالک کے لوگ بکثرت شامل ہوگئے۔ حق تعالیٰ آپ میں علوم اسماء و صفات اور معارف خاص جمع فرمائے تھے یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ممالک اسلامیہ کے جس قدر مشائخ مختلف سلاسل کے مقیم تھے وہ سب کے سب حاضر ہوکر فیوض باطنی سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے انہیں قسطنطنیہ کے ایک بڑے شیخ اسعد آفندی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ حاجی محمد انوار اللہ نور اللہ مرقدہ اور حضرت جیلانی شاہ میاں صاحب گنج نشین قادری اور مولانا مفتی لطف اللہ علی گڈھی وغیرہ وغیرہ شریک ہیں

وفات

مرض وفات میں استغراق کے ساتھ ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کروٹ تک بدلنا دشوار تھا تنہا بالکل جاتی رہی تھی آخر ۱۳ جمادی الاخر ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء کو چہارشنبہ کے دن فجر کی اذان کے وقت ۸۴ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پہلو میں دفن ہوئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ نور اللہ مرقدہٗ

فضیلت جنگ بانی جامعہ نظامیہ

انیسویں صدی ملک و ملت کی جن ممتاز ترین اور عظیم المرتبت شخصیتوں پر فخر کرسکتی ہے ان میں ایک تہذیب آفریں شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد انوار اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی ہے جن کو اپنے علمی فضل و کمال کی وجہ سے نہ صرف ہند میں بلکہ جنوبی ہند میں ایک خاص امتیاز حاصل رہا اور جن کے علمی مذہبی اور قومی خدمات سے سارے عالم اسلامی کو مستفیض ہونے کا موقع ملا۔

خاندان اور ولادت حضرت شیخ الاسلام کے والد محترم ابو محمد شجاع الدین بڑے متبع سنت عالم باعمل بزرگ تھے دینی اور دنیاوی وجاہتوں سے مالا مال تھے والد کی جانب سے نسب کا تعلق حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک پونچتا ہے اور والدہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی تک ملتا ہے۔

شیخ الاسلام کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب انھیں ایک عرصہ تک اولاد نہوئی تو حضرت یتیم شاہ مجذوب ناندیڑی سے دریافت فرمایا کہ جس پر شاہ صاحب نے عالم فاضل لڑکے کی خوش خبری دی اور یہ کہلا بھیجا کہ اللہ سے لو لگائے رہو چنانچہ شیخ الاسلام کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب یہ اپنے میں آثار حمل دکھائی دیئے تو خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کلام مجید فرماتے ہوئے دیکھا بالآخر کن کی یہ باکمال ہستی کتم عدم سے ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ ضلع ناندیڑ میں منصہ ظہور پر آموجود ہوئی

ابتدائی تعلیم و اساتذہ حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی مولانا شاہ بدیع الدین رفاعی جو اس وقت کے مستند عالم تھے قرآن شریف شروع کیا سات سال کی عمر میں آپ کو حفظ قرآن مجید کیلئے حافظ

امجد علی صاحب نابینا کے تفویض کیا گیا چار سال میں کلام مجید حفظ کیا خوش قسمتی سے حضرت شیخ الاسلام کو بڑے قابل ترین اساتذہ مل گئے تھے درسی کتب کی تحصیل مولوی فیاض الدین صاحب اورنگ آبادی سے پائی۔ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب اور معقول کی تعلیم مولانا محمد عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور حضرت شیخ عبد اللہ یمنی سے حاصل کی اس طرح ان نیک طینت علماء نے حضرت شیخ الاسلام کو زمانے کا ایک قابل ترین شخص بنا دیا باوجود اس قابلیت کے شیخ الاسلام کی تشنگی علم میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ جب کبھی اور جہاں کہیں اُن کو حصول علم کا کوئی مزید موقع ملا اس سے وہ پورے طور پر استفادہ کرنے کی کوشش کی اس طرح حضرت شیخ الاسلام علوم قرآن، حدیث، فقہ اور علوم تصوف کے باعتبار ہمہ گیر قابلیت کے امام اور جامع الکمال ہستی کے مالک بنے۔

ازدواج و ملازمت

مولانا حاجی محمد امیر الدین صاحب جو تعلقہ بنولہ میں محتسب تھے اور لوگ ان کو عالم و فاضل ہونے کی وجہ سے بڑی وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کی صاحبزادی سے ۱۲۸۴ھ میں شادی ہوئی اور ۱۲۸۵ھ میں محکمہ مالگزاری میں پچھتر روپیہ ماہوار پر خلاصہ نویس مقرر ہوئے ایک مرتبہ آپ کے ہاں سودی لین دین کی مثل خلاصہ لکھنے کے لئے آئی جس کی وجہ سے آپ نے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کرلی عسرت کے مقام پر اتر کے استقامت دین کا مظاہرہ فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو "من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب" کے انعام سے سرفراز فرمایا بقول حضرت مولانا مفتی محمد رکن الدین استاد آعظم جاہ بہادر مرحوم ولیعہد ترک ملازمت کے بعد حضرت شیخ الاسلام کئی سال تک متوکلانہ زندگی بسر کرتے رہے یہ زمانہ سخت ابتلاء کا جس میں آپ کا قدم پایہ صبر و استقلال سے ہٹنے نہ پایا اور بمصداق "ان مع العسر یسرا" کا وہ مرتبہ عظیم حاصل ہوا جس سے اچھی طرح تلافی مافات ہوگئی۔

درس و تدریس کا سلسلہ

ترک ملازمت کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے اپنا پورا وقت درس و تدریس میں صرف فرمایا چونکہ قدرت نے آپ میں

فضل وکمال اور جامعیت کے تمام اوصاف جمع فرمائے تھے اس لئے دور دراز مقامات سے تشنگان علم آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونا شروع ہوئے مولانا غلام قادر مہاجر مدنی اور حضرت مولانا محمد مظفر الدین معلی کی تحریک پر ملک کے اہل علم اور امراء کا ایک اجتماع عمل میں آیا اس اجتماع کے تصفیہ کے مطابق ۱۹؍ ذالحجہ ۱۲۹۲ھ سنہ ۱۸ میں جامعہ نظامیہ کے نام سے ایک درس گاہ کی بنیاد قائم کی گئی جس میں آپ پہلے معلم پھر صدر بن کر اس کو جس معیار پر کھڑا کیا اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا دیا جاسکتا ہے کہ بلاد اسلامیہ کے طلبہ کا ہندوستان بھر میں صرف یہی ایک ملجا و ماوی تھا اور آج بھی یہی حال ہے۔

شیخ الاسلام بحیثیت استاد سلاطین دکن

سنہ ۱۲۹۵ھ میں حضرت مولانا محمد زماں خاں کی شہادت ہوئی حضرت آصف سادس نواب میر محبوب علی خاں کی تعلیم کے لئے حضرت شیخ الاسلام کی ماموری عمل میں آئی اور سنہ ۱۳۰۱ھ میں آصف سادس نے "خان بہادر" کے خطاب اور منصب ایک ہزاری سے سرفراز کیا اور سنہ ۱۳۰۵ھ میں آصف سابع حضرت نواب میر عثمان علی خاں کی تعلیم بھی آپ ہی کے تفویض ہوئی یہ سلسلہ تاریخ تخت نشینی آصف سابع ۷؍ رمضان ۱۳۲۹ھ تک جاری رہا اور ۱۲؍ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ سے شہزادگان اعظم جاہ و معظم جاہ کی تعلیم بھی حضرت شیخ الاسلام کے ذمہ کی گئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد رکن الدین صاحب کا کہنا ہے کہ جو کوئی حضرت شیخ الاسلام کی صحبت میں رہا ضرور فیض یاب ہوا دوست و احباب تو خیر ملازمین تک پابند صوم و صلوٰۃ اور متبع شریعت ہوگئے تھے حضرت آصف سادس کی تعلیم شیخ الاسلام کے ذمہ بہت تھوڑے عرصہ تک رہی لیکن آصف سابع نواب میر عثمان علی خاں تقریباً (۲۲) سال زیر تعلیم رہے ظاہر ہے کہ ان میں نماز کی پابندی سماعت قرآن سے دلچسپی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار سے محبت، علوم و فنون کی اشاعت کا جذبہ دین و مذاہب کے جانب رغبت، غیر مذاہب سے رواداری بلا لحاظ مذہب و ملت مساکین کی امداد اور اسی قسم کے دوسرے رفاہ عامہ کے کاموں کی اجرائی شیخ الاسلام کی صحبت و تعلیم و تربیت ہی کے محمود اثرات ہیں جن کی وجہ سے حضرت آصف سابع کو ملک اور بیرون ملک میں صلح کل مشرب کی وجہ سے غیر معمولی ہردلعزیزی

اور مقبولیت حاصل ہوگئی۔

شیخ الاسلام کی عظمت حضورِ نظام کی نظر میں

حضرت شیخ الاسلام صرف دینیاتی علوم کے ہی ماہر نہیں تھے بلکہ دوسرے علوم میں بھی درجہ امتیاز رکھتے تھے یہ اپنے عہد کے ہمہ گیر قابلیت کے متبحر عالم اور زاہد و متقی بزرگ تھے جیسا کہ حضرت آصف سابع میر عثمان علی خاں والی دکن نے بحیثیت حکمرانی یہ اعلان فرمایا کہ:۔

۱۔ مولوی محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ بہادر اس ملک کے مشائخ عظام میں سے ایک عالم باعمل اور فاضل اجل تھے اور اپنے تقدس و ورع و ایثار نفس وغیرہ خوبیوں کی وجہ سے عامۃ المسلمین کی نظروں میں بڑی وقعت رکھتے تھے وہ والد مرحوم کے اور میرے نیز میرے دونوں بچوں کے استاد بھی تھے اور ترویج علوم دینیہ کے لئے "مدرسہ نظامیہ" قائم کیا تھا جہاں اکثر ممالک بعیدہ سے طالبان علوم دینیہ آکر فیوض معارف و عوارف سے متمتع ہوتے رہتے ہیں اور بحیثیت وزیر امور مذہبی مولانا نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ مولوی صاحب کی وفات سے ملک اور قوم کو نقصان عظیم پہنچا اور مجھ کو نہ صرف ان وجوہ سے بلکہ تلمذ کے خاص تعلق کے باعث مولوی صاحب مرحوم کی جدائی کا سخت افسوس ہے

۲۔ مذکورہ فرمان میں حضرت آصف سابع نے تلمذ کی وجہ سے جو صدمہ ہوا اس کو ظاہر فرمایا ہے یہ زمانہ حکمرانی کا تھا اور جب حکمرانی سے علیحدگی ہوئی تو اس وقت بھی اپنے استاد مرحوم کی جدائی کو اس طرح بیان فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ آصف سابع کو قرون اولی کے سلاطین اسلام کا نمونہ کہا جاتا ہے بجائے جنگ و بہادر کے مرحوم و مغفور سے یاد کیا جاتا ہے۔ صاحب موصوف (شیخ الاسلامؒ) مرحوم سرکار اور میرے ہر دو نظام کے زمانہ گزشتہ میں شفیق استاد رہے تھے جو کیسے عالم متبحر اور زاہد و عابد اور کن ذاتی صفات کے حامل تھے وہ اہل حیدرآباد سے مخفی نہیں بلکہ عام آشکارا تھے۔

دوسرے طرف سنا ہے کہ اس مدرسہ مذکور (جامعہ نظامیہ) میں علوم شرقیہ کی تعلیم دیجاتی ہے جو اس انقلاب کے زمانے میں مسلم طبقہ کو سخت ضرورت ہے کہ دہریت کی وجہ

سے پیروان مذہب اسلام اپنے مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں اِلَّا مَا شَاءَ اللہ
نظر برآں ان بدلے ہوئے حالات میں میرا حکمنہ مدد نہ دینا ناممکنات سے تھا
جب کہ مالی حالت بھی اس درس گاہ کی اچھی نہیں تھی بلکہ چند دن سے کام چل رہا تھا۔
نظر برآں میں نے ماہانہ امداد کے عوض یکمشت سالانہ (۵) ہزار یکم ستمبر ۱۹۶۱ء سے جاری
ٹرسٹ سے منظور کیا ہے۔

بہر حال جو فرائض شاگردگی کے مجھ پر یا مرحوم سرکار پر عائد تھے اس سے ہم دونوں
سبکدوش ہوئے۔ زیادہ خدا مولانائے مرحوم کو باغ فردوس عطا کرے اور ان کی روح
مطہر کو تحت گنبد خضرا آسودہ رکھے آمین

۳۔ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء کے فرمان میں فرماتے ہیں کہ:۔
مرحوم سرکار کے اساتذہ میں مولوی صاحب مرحوم بھی شریک تھے مرحوم سرکار
کا لگاؤ مولوی صاحب مرحوم کے ساتھ خاص قسم کا تھا بوجہ مشفقانہ برتاؤ استاد
کے چنانچہ میری تعلیم کے زمانہ میں بھی اسی قسم کا انتظام مرحوم سرکار نے کیا تھا جبکہ
میری عمر (۷) سال کی تھی۔

بہر حال مثل ہے تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے مجھے بھی پھر سے والد مرحوم کا
ذاتی مشاہدہ ہو گیا تھا۔ اور ہم دو شاگرد اپنے مرحوم شفیق استاد کے گرویدہ تھے۔
خدا مولوی صاحب کو جنات النعیم میں جگہ عطا کرے کہ آج ایک طویل زمانہ
گزرنے بعد رفتہ و گزشتہ واقعات یاد آ کر ریکارڈ پر آ رہے ہیں تاکہ امتداد زمانہ
سے حافظہ سے محو نہوں بلکہ تازہ رہیں۔

۴۔ ۱۳ ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء کے فرمان میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔
میں نے نظام چیارٹی ٹرسٹ اور صرفخاص دو مقام سے معتدبہ چندہ دیکر
میں اس مدرسہ کا مربی و سرپرست رہا ہوں اور مدرسہ کی خوش حالی ہمیشہ میرے پیش نظر
رہے گی۔ زمانہ گزشتہ سے لیکر تا ایں وقت یہ مدرسہ نظامیہ دینی درس گاہ اور مرکز
علوم مشرقی رہا ہے جس کو امور سیاسی یا کسی پولیٹیکل پارٹی سے کبھی تعلق نہیں رہا
ہے لہذا آئندہ بھی اس کا مسلک یہی رہے گا تاکہ آفات جہاں سے یہ محفوظ رہے۔

میں ان تمام اصحاب کو آگاہ کر دیتا ہوں کہ یہ ضابطہ یا انتظام منظور نہ ہو تو وہ خود کاروبار مدرسہ سے علیحدہ ہو جائیں جو ان کے اختیاری فعل ہے جو کسی طرح سے ایسا فعل ان کا مدرسہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ اب نظام سابع مدرسہ نظامیہ کا مربی و سرپرست ہے وہ نگرانی کرتا رہے گا تاکہ اس کے اعدا یا بدخواہ کسی وقت اس مدرسہ کو پیچیدگیوں میں لا کر بدنام نہ کرے کیونکہ حالات دنیا دگرگوں ہیں لہذا حزم و احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔

چو ہستی از شراب ناب گشتہ ✤ ہمہ تشنہ زمن سیراب گشتہ
زفیض یا فتیٔے اوستاد سلطاں ✤ ریاض علم دیں شاداب گشتہ

۵- ۱۳ استمبر ۱۹۶۱ء کے فرماں میں فرماتے ہیں کہ:-

مولوی صاحب مرحوم کے عرس کے موقع پر (بشرط صحت) دو گھڑی کے لئے مدرسہ آکر قبر مطہر پر فاتحہ پڑھوں گا اس لئے کہ مدرسہ نظامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک شاگرد آمادہ ہو گیا ہے اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھکر جس نے زمانہ گزشتہ میں بہ شمول شاگرد کلاں (نواب میر محبوب علی خاں) ہر دو نے علم دین حاصل کر کے اپنے استاد کا نام دنیا میں روشن کیا تھا۔

۶- ۱۴ استمبر ۱۹۶۱ء کے فرمان میں ہے کہ:-

امید قوی ہے کہ بمرور کچھ زمانہ مدرسہ کی شکل و صورت کہاں سے کہاں پونچکر اپنے بانی مدرسہ کا جلوہ ہمیشہ زوار رکھے گی خصوص ان طالب علموں کی آنکھوں میں جہاں سے وہ علوم دینی حاصل کر کے مدرسہ کے نام کو ہمیشہ اپنے قلوب میں جگہ دینگے اور مولوی صاحب کی روح مطہر پر فاتحہ خواں رہینگے۔ مجھے یقین ہے کہ مدرسہ نظامیہ کی نشاۃ الثانیہ سے سب مسلم طبقہ کو خصوصاً طبقہ احناف کو زیادہ مسرت ہو گی کہ مولوی صاحب بھی اسی طبقے سے تھے اور ان کے دوست گرد جو از منہ ماضی میں اپنے وقت میں حکمراں تھے وہ بھی اسی مذہب کے پیرو تھے جو کہ ان کا خاندانی مذہب تھا جس کو وہ کسی حالت میں چھوڑ نہیں سکتے تھے ورنہ اس کی نوبت ہی نہ ہوتی یعنی ریاست حیدرآباد دکن کا سرکاری یہی مذہب تھا۔ لاشک فیہ۔

۷- برادران والاشان اعظم جاہ اور معظم جاہ نے بھی اپنے اپنے ٹرسٹ سے جامعہ نظامیہ کی امداد فرمائی تو اس وقت حضور نظام سابع نے ذریعہ فرمان ۷ر ستمبر ۱۹۶۱ء بیان فرمایا کہ :-

مولوی صاحب مرحوم خاندان نظام کے مسلّمہ استاد تھے بچوں نے جامعہ کی جو امداد کی ہے مجھے یقین کامل ہے کہ مولوی صاحب کی روح مطہر دوسری دنیا میں اپنے کم سن شاگردوں کے حق میں دعائے خیر کرتی ہوئی مسرور رہے گی ؎

بانیٔ مکتب کی عثمان یاد بھی آتی رہے ☆ نغمہ بھی اس ذات کے صبح و مسا گاتی رہے
بر سرِ قبر مطہر کہتا ہے سارا جہاں ☆ آمدِ فصل بہاری پھول برساتی رہے

۸- فرمان ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۱ء میں فرماتے ہیں کہ :-
خاندان نظام کے جملہ افراد جامعہ نظامیہ جیسے کار خیر میں سب کے سب شریک رہے ہیں جو باعث انبساط روح مطہر استاد خاندان نظام ہے ؎

جا این مکتب عجیب پُر نور شد ☆ در تجلی مثل کوہ طور شد
دیدہ شانِ وہم حشم عثمان بگفت ☆ روح بانی در جناں مسرور شد

۹- مولوی سید شمس الدین حسن مولوی کامل (نظامیہ) معتمد عمومی انجمن طلبہ قدیم جامعہ نظامیہ کے معروضہ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۱ء کے سلسلے میں حضور نظام نے اپنے فرمان ۲۰ر ستمبر ۱۹۶۱ء میں فرمایا کہ :-
نظم و نسق مدرسہ کو نذری باغ نے بالکلیہ اپنے قبضہ میں لے لیا ہے جب ہی دلچسپی لیکر اس کی نشاۃ الثانیہ کا سبب بنا ہے یقیناً یہ ترقی کرتا رہے گا فکر و تردد کی ضرورت نہیں

تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر

شیخ الاسلام کے والد ماجد کو مولانا شاہ رفیع الدین قندہاری سے خلافت تھی اس لئے شیخ الاسلام نے اپنے والد ماجد سے سلوک کی ابتدائی تعلیم پائی اور تمام سلاسل میں بیعت کرکے خلافت حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے اور بعد فراغ تعلیم ظاہری و باطنی۔

حضرت شیخ الاسلام نے (۳) مرتبہ بلاد اسلامیہ کا سفر فرمایا پہلی مرتبہ ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے اس وقت شیخ الوقت فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت حافظ حاجی امداد اللہ شاہ صاحب موجود تھے حضرت سے تمام سلسلوں میں
تجدید بیعت کی اور حضرت شیخ الوقت نے بلا کسی طلب کے شیخ الاسلام کو خلعت
خلافت سے نوازا ۱۳۰۱ھ حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال
تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا آپ
کی مایہ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانہ میں لکھی گئی اس تین سال کے عرصہ میں
کتب خانہ شیخ الاسلام اور کتب خانہ محمودیہ سے حدیث، تفسیر اور فقہ کے نادر الوجود
نسخوں کو نقل کروایا جن میں علی متقی کی کتاب کنز العمال جامع مسانید امام اعظم
جوہر النقی علی سنن بیہقی احادیث قدسیہ اور اسی قسم کے کئی نسخے نقل کروائے گئے۔

مفید عام اداروں کا قیام ۱۳۰۸ھ میں حضرت شیخ الاسلام مدینہ منورہ سے حیدرآباد
تشریف لائے یہاں آنے کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے
مدینہ منورہ میں (۳) مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ حیدرآباد جاؤ
اور دین کو پھیلاؤ اور جب یہ خواب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے سامنے پیش ہوا
تو حضرت شاہ صاحب کے حکم پر شیخ الاسلام ہند آئے اور آتے ہی حضور نظام آصف سادس
اور آصف سابع کی تعلیم کیلئے مامور ہوئے اور ۱۳۰۱ھ میں کتب خانہ آصفیہ اور مجلس
دائرۃ المعارف کو قائم فرمایا اور ۱۳۳۰ھ میں مجلس اشاعۃ العلوم کی بنیاد ڈالی اور
جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس کے سلسلے کو قائم رکھا الحمد للہ شیخ الاسلام کے قائم کردہ
مذکورہ چاروں ادارے آج علم و مذہب کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور ساری دنیا
میں جامعہ نظامیہ کے طلبہ اور دائرۃ المعارف کے شائع شدہ کتابوں کی شہرت قائم ہے

شیخ الاسلام بحیثیت وزیر مذہبی حضور آصف سابع کے سربرآئے سلطنت ہونے کے
بعد شیخ الاسلام کے ذمہ کوئی کام نہ تھا اس لئے آپ
نے اپنی پوری توجہ درس و تدریس تالیف و تصنیف کی جانب منعطف کر دی حضور نظام
نے پہلے آپ کو ناظم امور مذہبی بنایا اور پھر وزیر امور مذہبی اور شیخ الاسلام کی خدمت
تفویض فرمائی جس پر آخر دم تک فائز رہے۔
شیخ الاسلام نے وزارت مذہبی کی خدمت کو انتہائی حسن و خوبی سے انجام دیا

تصفیہ معاملات میں انتہائی غور و خوض سے کام لیتے نہ خود کسی کے پاس سفارش کرتے اور نہ کسی کی سفارش قبول کرتے۔ اور جو نتیجہ اخذ کرتے اس پر فیصلہ فرماتے جس کو ہندو و مسلم ہر دو خوشی سے قبول کر لیتے تھے مولوی سید ابوالحسن تیغ مدظلہ العالیہ کے مددگار کا قول ہے کہ جب کبھی حکومت آصفیہ و برطانوی حکومت کے مابین اختلافات پیدا ہو جاتے تھے تو اس وقت شیخ الاسلام کی صواب رائے ہی الجھی ہوئی گتھیوں کو دور کرنے کا باعث بنتی اسی طرح مولوی قطب الدین حسینی صاحب سجادہ نشین مددگار مدظلہ العالیہ نے قدیم مسلہ جات کا گہرا مطالعہ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ شیخ الاسلام نہ صرف عالم دین اور صوفی منش عالم تھے بلکہ ایک اچھے مفکر اور سیاستدان بھی تھے وزیر سلطنت کی حیثیت سے انھوں نے سلطنت آصفیہ کی وہ مفید خدمات انجام دی ہیں جو اپنی آپ نظیر ہیں۔ باوجود علمی و مذہبی خدمات میں انہماک کے سیاسی خدمات کو بھی بڑی قابلیت سے انجام دی ہیں جن کو دکن کی تاریخ بھلا نہیں سکتی ان کی ان خدمات کا صحیح اندازہ حضور نظام کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جیسا کہ حضور نظام نے اپنے فرمان مورخہ ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ میں لکھا ہے کہ:- مولوی صاحب نے سررشتہ مذہبی میں جو اصلاحات شروع کیں وہ قابل قدر ہیں اور اگر وہ تکمیل کو پہنچائی جائیں تو ملک کی اچھی خاصی ترقی ہو سکے گی۔ مجھے مولوی صاحب کی جدائی کا سخت افسوس ہے۔

شیخ الاسلامؒ بحیثیت مصنف

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے بڑی زبردست علمی خدمات انجام دی ہیں مقاصد اسلام کے (۱۱) حصے، حقیقۃ الفقہ کے دو حصے، افادۃ الافہام کے دو حصے، کتاب العقل الکلام المرفوع۔ انوار احمدی اور انوار اللہ الودود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود ایسے نام ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں غرض شیخ الاسلام کی تصانیف سے ان کی علمی جامعیت صاف طور پر جھلکتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے علمی ہمہ دانیت کے بہت اچھا نمونہ تھے، وہ عربی، فارسی اور اردو کے اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے غرض شیخ الاسلام انیسویں صدی میں دکن کے بہت بڑے عالم دین جید صوفی منش بزرگ تھے جنھوں نے اپنے فیض علم کی روشنی سے دنیا کو خوب منور کیا اور جن کے کارنامے دکن کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

شیخ الاسلام کا وصال

حضرت شیخ الاسلام (۶۳) برس تک خالص علمی و مذہبی خدمت انجام دیتے ہوئے غرہ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ میں انتقال کیا۔

حضور آصف جاہ سابع کی جانب سے تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا حضور آصف جاہ سابع نے اپنے فرمان مورخہ ۳ رجب ۱۳۳۶ھ کے ذریعہ شیخ الاسلام کی جدائی کو ملک و قوم کا نقصان عظیم بتلایا اور ۱۹۶۱ء میں جبکہ حکمرانی کا زمانہ تھا یہ لکھا کہ مولوی صاحب کا مشفقانہ برتاؤ میرے اور میرے والد ماجد کے ساتھ جو رہا ہے وہ ناقابل بیان ہے افسوس ہے کہ میں بوقت انتقال موجود نہ تھا میں خود شریک ہوتا اور یہ میرا فرض منصبی تھا اور آج مولانا کی قبر مطہر مدرسہ نظامیہ کی شان کو دوبالا کر رہی ہے کیونکہ ایسے بزرگ ہستیاں دنیا میں کم نظر آتی ہیں جو جامع صفات ہوں اور یہ بھی فرمایا:۔

مثل درویشاں بہ جسم خود لبادہ کردہ ایم ٭ وقت تدریس اجتناب از شرب بادہ کردہ ایم
با ادب سر زانگوں کردہ بہ پیش عالم تو ٭ از علوم دیں نگر استفادہ کردہ ایم
(استاد)

شیخ الاسلام کے اخلاق و عادات

حضرت شیخ الاسلام کی خانگی زندگی سیدھی سادھی اتباع سنت کا نمونہ تھی حضرت شیخ الاسلام حسن اخلاق کے نمونہ تھے ہر ایک سے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا متانت اور سنجیدگی سے پیش آتے کبھی بھی کسی کے ساتھ ترش روئی سے پیش نہیں آتے سرکاری فرائض انجام دینے کے بعد جو وقت بچ رہتا طلباء کو درس دیتے اور عشاء کی نماز کے بعد فتوحات مکیہ کا درس رہتا۔ تہجد کے نماز سے پہلے تالیف و تصنیف کا کام رہتا، تہجد کی نماز ادا کر کے نماز فجر تک آرام لیتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ اور حکومتی انشا جات کو دیکھتے رہتے تھے اس طرح شیخ الاسلام (۲۴) گھنٹے علم و مذہب کی خدمت میں صرف ہوتے رہتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام عابد اور زاہد بزرگ وزیر مملکت بھی تھے عالم بھی تھے صوفی بھی تھے ادھر شریعت ظاہری کی پابندی فرماتے اور ادھر طالبان سلوک کو سلوک کے منازل طے کراتے تھے آپ کے وصال کے بعد بہت سے بزرگوں کا بیان ہے کہ فتوحات مکیہ کے درس میں ہمیشہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تھے اسی طرح کئی مرتبہ

آقائے نامدار حضور نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے ہیں ایک دفعہ شیخ الاسلام نے ایک اہم مسئلہ کو سمجھا نہیں سکے بار بار رک جاتے تھے ہم نے دیکھا کہ یہاں سے حرم پاک تک ایک صاف راستہ ہے حضور نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں تشریف فرما تدریس میں مشغول ہیں آپ کے رک جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ ذرا توقف کریں کہ اس وقت میرا بچہ (انوار اللہ) حل مضمون سے خاصر ہو گیا ہے جب توجہ پاک سے مضمون حل ہو گیا تو رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے اور اپنے حلقہ درس کی جانب توجہ منعطف فرمائی۔

حضرت شیخ الاسلام کی حیثیت ایک امانت ہے

حضرت شیخ الاسلام کی ذات گرامی معارف آیات اللہ کی امانتوں میں سے ایک امانت ہے اس امانت نے اپنے علمی فیوض و برکات کی تین قابل قدر یادگاریں چھوڑی ہیں خدا نے چاہا تو یہ یادگاریں فی نفسہ لافانی صورت ہی میں برقرار رہیں گی ایک یادگار دائرۃ المعارف ہے دوسری یادگار مجلس اشاعۃ العلوم ہے جس کے ذریعہ صرف آپ کے تصانیف کی اشاعت ہو رہی ہے بلکہ دوسرے مصنفین کے تصانیف بھی شایع ہو رہے ہیں۔ تیسری یادگار کتب خانہ آصفیہ ہے جہاں لاکھوں تصانیف کے علاوہ ہزاروں عربی، فارسی اور اردو کے انمول ذخیرے جمع کئے گئے ہیں چوتھی یادگار جامعہ نظامیہ اور آپ کے تصانیف ہیں جو اس وقت سب سے زیادہ بحث اور فکر و احساس کے لائق ہے یہ ایک افسوس ناک امر واقعہ ہے کہ جامعہ نظامیہ کا ماضی حال سے اور حال ماضی سے کٹ گیا ہے اور دینی علوم کے اجرا و حصول کی سرگرمی اور کثرت رجوع جو ماضی میں تھی وہ ہر لحاظ سے سرد پڑ چکی ہے لیس لے دے کہ اب اسی کو پھر سے آباد و آراستہ کرنے اور ہم رنگ و ہم پایہ بنانے کی ضرورت ہے اور دلی تمنا شدت سے اس امر کی متقاضی ہے کہ اس جامع کو مستحکم بنایا جائے تاکہ جامعہ کا مشہور علمی فیضان سابق کی طرح عام رہے بقول حضرت وصفی کے اگر جامعہ نظامیہ اپنی پرشکوہ عمارت کے ساتھ

شوکت رفتہ کی بازیابی چاہتی ہے اور اپنے حال کو ماضی کے رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے نظامیہ کے قدیم طلبہ متحد و مضبوط ہوجائیں کیونکہ خدا اور رسول کی طرف سے یہ فریضہ ان ہی کو سونپا گیا ہے جو کسی حال ترک نہیں ہوسکتا اور اس کے بعد قوم کے اہل استطاعت اور اہل اثر اصحاب بھی دینی علوم کی حفاظت اور ان کی اشاعت سے سبکدوش نہیں ہوسکتے ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون کے تحت وہ بروز قیامت اس امر کے جوابدہ رہیں گے کہ آج اپنے جمع کیے کا مزہ چکھو الحاصل قوم و ملت کے اہل استطاعت خدا اور رسول کی خوشنودی کا فرض دینی علوم کی حفاظت اور ان کی اشاعت پر ادا کریں تو جامعہ کا حال ماضی، ویسا ہو جائے گا۔ جامعہ کے قدیم طلبہ اور ملک کے اہل ثروت اصحاب جامعہ کے مالیہ کو مستحکم کرنے کی کوشش کریں تو بہتر ہوگا۔

خادم العلم

شاہ ابوالخیر کنج نشین (نظامیہ)

تمت